

مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لَّيْتَفَقَهُوا فِي الدِّينِ

ان میں سے کوئی گروہ ایسا ہو جو دانش وین و قرآن سے آزاد ہو (توبہ: ۱۱۳)

دنیا کی پہلی اور منفرد کتاب

دلائل قرآن

جس میں ہزاروں قد آور دانشوروں میں سے 390 ایسے دانشوروں کے سو انجی خاکے دیئے گئے ہیں جنہوں نے خدمتِ قرآن میں عمریں کھپا دیں اور عرفیان وحی کے ہاتھوں آدھیں جھیل کر نام لکھا — اب کوئی یہ نہ کہہ پائے گا کہ تاریخ اسلام میں سرسید سے پہلے نہ کسی نے قرآن کی حاکمانہ برتری کا اعلان کر کے فقہ اور حدیث کی دینی حیثیت مجروح کر دی اور نہ ہی.....

حَسْبُكَ كِتَابُ اللَّهِ كِي صِدَاقُهُ دُرَّ كِي عَذِيَّتِي
مسلمات کو آغوشِ محبت میں لے لایا

یہ کتاب بڑھ کر آپ بید کرانی کہنے پر مجبور ہوں گے کہ
نہ سن تیار اور نہ سخت نہ مستم
مُغْنِيهِ وَشَبَلٍ وَمُعَارِضَتِ
بلکہ یادہ قرآن پیش کیا کرتے ہوئے روکنے والوں کو
بڑھستہ جواب دیں گے کہ:
یہیں نہ زندہ و اعظم کے بس کی بات نہیں
تمام شہر ہے دوچار کوس کی بات نہیں
استغفار

تحریک

رحمت اللطارق

ادارۃ الامیاء للامیاء ملتان

1339/3 گلشن آباد بیرون پاک گیٹ ملتان - پاکستان

جملہ حقوق بحق
 طاہرہ خانم
 احمد کامران مگسی
 عامرہ خانم
 محمد رضوان مگسی
 اور عبداللہ مگسی - محفوظ ہیں
 ہمارا کوئی وکیل فروخت نہیں کرے !

نام کتاب :- دانش و ران قرآن

مصنف :- رحمت اللہ طارق

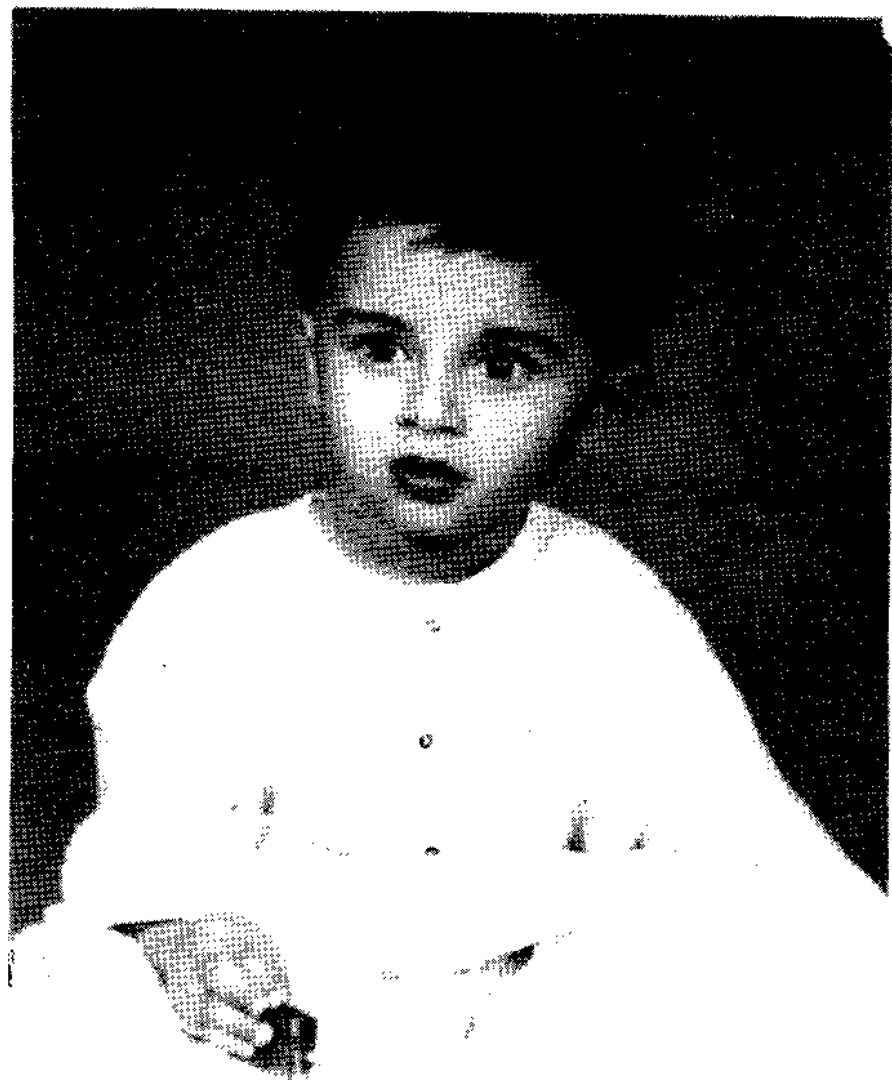
ناشر :- عبداللہ احمد مگسی

قیمت :-

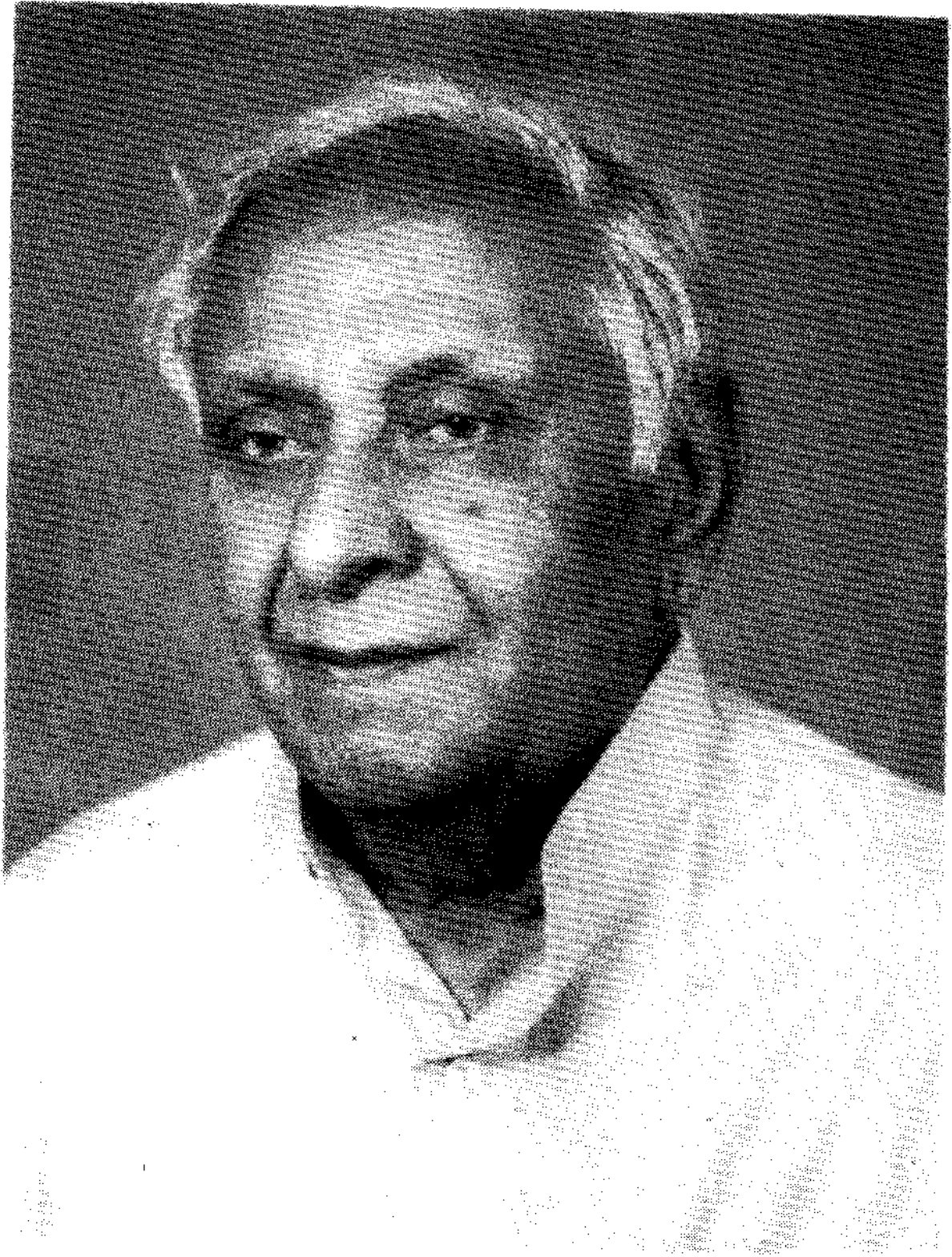
پتہ :- ادارہ ادبیات اسلامیہ

1339/3 - فیشن آباد بیرون پاک گیٹ، ملتان

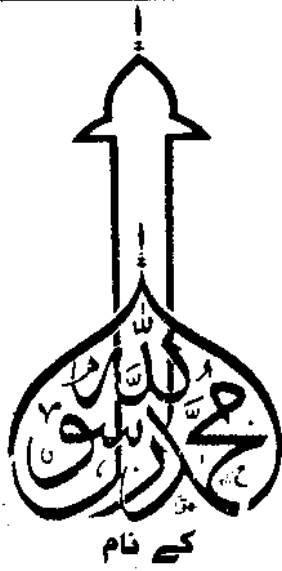
E-mail: ahmadkamran800@hotmail.com
 rehmatullahtariq@hotmail.com



ناشر - عبد اللہ احمد ولادت ۲۸ - جون ۲۰۰۱ء



مصنف رحمۃ اللہ طارق



جورحیم تھے، کریم تھے، ایمان لانے والوں پر مہربان تھے رؤف تھے۔ شفقت بیکراں کے مالک تھے جو آخری نبی تھے۔ سلسلہ نبوت نامعلوم کب سے شروع ہو کر نوح اور ابراہیم تک پہنچا اور وہاں سے چل کر محمد رسول اللہ پر پھنسی ہوا۔ اسے اپنی غرض و غایت پر پہنچا کر ہمیشہ کے لئے ختم کرنے والے تھے

جنہوں نے اس آخری امت کی ذہنی تربیت کے لئے وہی اصول وضع کئے جو عالمی تھے آفاقی تھے جن کی بنیاد حکمت و فرزانگی اور موعظہ حسنہ پر رکھی گئی تھی جو فطرت انسانی کے ہم آہنگ تھے جنہوں نے عقل کو بات فہمی کا معیار ٹھہرا کر ماورائے عقلیات کو مسترد کروینے کا درس دیا کہ وحی کے مخاطب صرف اولوالالباب اور ذی عقل تھے

جنہوں نے قرآن کے داعیوں اور مبلغوں کو بڑا قیمتی سرمایہ ٹھہرا کر فرما سنلو اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی ہو تو اہل ذکر سے دریافت کرو

قرآن کا ایک نام۔ ذکر۔ بھی ہے یعنی قرآن والوں سے رُجوع کرو کیونکہ ہم کسی بھی سرے پر چھا عقل کے سہارے منزل سے دور جاسکتے ہیں۔ کیونکہ عقل آزادہ روی چاہتی ہے لہذا وحی کو اس کا پاسباں بنایا گیا اس طرح ہر بات کی پاسبان عقل اور عقل کی پاسبان وحی ہے یعنی وحی سپریم پاسبان ہے اور پاسبان کسی چیز کی نفی نہیں کرتا صرف کنٹرول کرتا اور کچ روئے سے روکتا ہے اور

جن کی امت کو۔ امة وسطا۔ کا لقب دے کر اعتدال پسندوں کا گروہ ٹھہرا گیا ہے جو اصل میں اعتدال پسندوں کا وصف ہے اور ان کے شیوہ کا عکاس ہے کیونکہ یہی لوگ اچھائیوں کو و طیرہ بناتے اور کچ ادا نیوں سے اجتناب کرتے ہیں اور اسی قافلے کے سالار صرف آپ ہی ہیں

ﷺ
صلی اللہ علیہ وسلم

شکریہ

میں نے قرآنی دانشوروں کے جب سوانحی خاکے تیار کرنے شروع کئے تھے تو سن وار ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا تھا کہ مختلف اوقات میں مختلف شخصیات کی سن وار تلاش و ترتیب میرے لئے ناممکن تھی لہذا تلاش و تفتیش کے دوران جو بھی شخصیت دریافت ہوئی اس کا اُسی جگہ خاکہ تیار کیا۔ حروفِ تہجی کی مراعات رہی نہ سن وار ترتیب کا لحاظ!!

اس طرح شخصیات کا غیر مربوط مرتب تیار تو ہو گیا مگر ہوا یہ کہ پہلی صفوں کے زعماء پچھلی صفوں میں اور پچھلی صفوں کے پہلی صفوں میں چلے گئے۔ اور اس طرح ایک خلش رہ گئی جو بعد میں خار بن کر بچھ رہی تھی کہ عربی آصف علی انصاری ایم اے نے سن وار ترتیب میں ہاتھ بٹا کر میری مشکل کسی حد تک حل کر دی۔ کسی حد تک اس لئے کہ بعض شخصیات کے سنین و فوات معلوم نہ ہو سکے اور انہیں اندازے سے زمانی ترتیب کے خانے میں رکھنا پڑا۔ جو کچھ بھی ہو، اُن کے مخلصانہ تعاون پر مؤلف کی جانب سے حرفِ تشکر پیشِ خدمت ہے۔

اور صانم خواجہ اگر اجازت دیں تو اُن کا نیز شکریہ۔

طارق



دو-یار غار سرسید اور چراغ علی

صفحہ	رہنمائے منزل	نمبر شمار
	انتساب	✽
	شکریہ	✽
	فوٹو (سر سید احمد خان)	✽
	فوٹو (عبداللہ احمد کامران)	✽
11	فہرست	✽
23	دیباچہ	✽
53	صدیق اکبر (634 م)	1
53	عمر بن خطاب (644 م)	2
56	حضرت عثمان (656 م)	3
57	عائشہ صدیقہ (678 م)	4
65	ساک بن حرب (632 م)	5
65	ابن ابی کعب (642 م)	6
66	حضرت ابودرداء (652 م)	7
66	عبداللہ بن مسعود (653 م)	8
67	حضرت معاویہ (680 م)	9
70	حضرت ابن عباس (687 م)	10
71	ابوالاسود دؤلی (688 م)	11
71	عبداللہ بن عمر (692 م)	12
72	معبد الجہنی (699 م)	13
72	عروہ بن زبیر (712 م)	14
73	انس بن مالک (712 م)	15
73	امام محمد بن الحنفیہ (717 م)	16
74	شہزادہ عمر بن عبدالعزیز (720 م)	17

صفحہ	رہنمائے منزل	نمبر شمار
77	شعبی (721 م)	18
77	غیلان بن مسلم دمشقی (723 م)	19
81	طاؤس بن کیسان (724 م)	20
81	قاسم بن محمد (725 م)	21
82	محمد بن سیرین (729 م)	22
83	مکحول دمشقی (730 م)	23
84	وہب بن منبہ (732 م)	24
84	قنادہ بن وعامہ (736 م)	25
85	جعید بن درہم (736 م)	26
87	ایاس مزنی (740 م)	27
87	امام زید بن علی (740 م)	28
89	عمرو بن دینار (743 م)	29
89	یزید الناقص (744 م)	30
90	الکھیمیت الاسدی (744 م)	31
90	جہم بن صفوان (745 م)	32
91	نعمان بن المنذر (750 م)	33
92	خلیفہ ابوالعباس (754 م)	34
92	سعید بن المسیب (713 م)	35
92	الفضل الرقاشی (757 م)	36
93	عمرو بن عبید (761 م)	37
94	امام ابو حنیفہ (767 م)	38
98	امام مالک (790 م)	39
100	ابن جریر (767 م)	40

صفحہ	رہنمائے منزل	نمبر شمار
100	مویٰ الاسواری (767 م)	41
101	محمد بن اسحاق مؤرخ (768 م)	42
101	معمر راشد (770 م)	43
101	سعید بن ابی عروبہ (773 م)	44
101	ابو عمرو بن العلاء (774 م)	45
102	زفر بن الھذیل (775 م)	46
102	ابن ابی ذویب (775 م)	47
102	ابو سلمہ الکندی (780 م)	48
103	بشیر الزحال	49
103	عیسیٰ بن صبیح	50
103	خلیفہ مہدی عباسی (785 م)	51
104	امام واصل بن عطاء (798 م)	52
106	خلیل عروسی (791 م)	53
107	امام سیبویہ (796 م)	54
107	ابراہیم الاسلمی (800 م)	55
107	حفص بن سالم	56
108	عمرو بن فائد	57
108	ابو عبد اللہ الغزالی	58
109	واصل کی شریک حیات	59
109	ہشام الدستوائی	60
109	محمد بن حسن الشیبانی (804 م)	61
110	امام محمد حنفی (804 م)	62
110	امام کسائی (806 م)	63

صفحہ	رہنمائے منزل	نمبر شمار
110	ابو شمر	64
112	الاصم	65
112	عبدالرحمان اللؤلؤی (814 م)	66
113	سفيان بن عيينه (814 م)	67
113	معاذ الدستواکي (815 م)	68
113	امام شافعی (820 م)	69
115	قطرب (821 م)	70
115	امام فراء (822 م)	71
116	بشر بن المعتمر (825 م)	72
117	ثمامه بن النضر الثميري (828 م)	73
117	معمر بن عباد السلمي (830 م)	74
118	ابوزيد لغوی (830 م)	75
118	ابن علیہ (833 م)	76
118	خليفة مامون عباسی (833 م)	77
120	بشر الریسی (833 م)	78
121	موسیٰ ابوالعباس (839 م)	79
121	خليفة مقتسم عباسی (841 م)	80
123	ابراہیم نظامی (845 م)	81
127	حبیب الطائي (846 م)	82
127	ابو یحییٰ الزہری (846 م)	83
128	الجمعی (846 م)	84
128	محمد بن سناہ (847 م)	85
129	ابن الزیات (847 م)	86

صفحہ	رہنمائے منزل	نمبر شمار
129	ابن عائد دمشقی (847 م)	87
129	جعفر بن مبشر (848 م)	88
131	خلیفہ منصور عباسی (850 م)	89
131	جعفر بن حرب (850 م)	90
131	ابوالہذیل علاف (850 م)	91
134	الآدی	92
134	ابویعلیٰ زرقان	93
134	یوسف الشحام	94
135	علی الاسواری	95
135	ابوعفان	96
135	مالک الایادی (854 م)	97
136	اسکانی (854 م)	98
136	یحییٰ بن اسلم (857 م)	99
137	شعیب بن سہل الرازی (860 م)	100
137	اسحاق تونجی (866 م)	101
137	جاحظ (869 م)	102
141	خلیفہ مہدی عباسی (870 م)	103
142	ابوسعید الاسدی	104
142	ابوالحسن الشطوی	105
142	عمر بن شیبہ (876 م)	106
142	ابوالحسن النعمان (888 م)	107
144	ابن قتیبہ (889 م)	108
144	ابوحلیفہ دینوری (895 م)	109

صفحہ	رہنمائے منزل	نمبر شمار
145	امام میر دثنوی (899 م)	110
146	ابو جبالہ بغدادی	111
146	ابو محمد بن حمدان	112
146	ابو القاسم وزیر السلطان	113
147	الاسفندیانی	114
147	خلیفہ مقتصد عباسی (902 م)	115
148	الناسی الانباری (906 م)	116
148	رزق اللہ	117
148	عبد الرحیم الخياط (912 م)	118
149	احمد دینوری قاضی (915 م)	119
149	ابو علی جبائی کبیر (916 م)	120
151	القارسی (917 م)	121
151	قاضی احمد سرتج (918 م)	122
152	الحسن نوینقی (922 م)	123
152	امام طبری (923 م)	124
155	محمد بن بحر الاصفہانی (934 م)	125
156	الخجندی	126
156	قرمیسینی	127
156	التھاش	128
157	ابن السقطی	129
157	الصالحی	130
157	زفر دبیہ	131
158	المقاسی	132

صفحہ	رہنمائے منزل	نمبر شمار
158	ابوالقاسم البلخی (931 م)	133
158	ابوہاشم جبائی صغیر (933 م)	134
159	مکحول بیرونی (933 م)	135
159	الاحشید (936 م)	136
159	امام ابوالحسن اشعری (936 م)	137
161	یحییٰ بن مخم (937 م)	138
162	ابوبکر ابن مجاہد (939 م)	139
162	العبدی	140
162	جمل عائشہ	141
162	الحالہ	142
163	حسین بن علی بصری	143
163	ابوبکر زبیری	144
164	ابو عمران السیرانی	145
164	ابوالحسن عید اللہ الکرنی (952 م)	146
164	ابوالقاسم تنوخی کبیر (953 م)	147
165	مسعودی (957 م)	148
165	العلال (960 م)	149
167	ابوالحسن البرزعی (961 م)	150
168	ابوالطیب (961 م)	151
168	یوسف (975 م)	152
168	ابوالجیش الخلی (977 م)	153
168	السیرانی (979 م)	154
168	ابوبکر جصاص (980 م)	155

صفحہ	رہنمائے منزل	نمبر شمار
169	بجمل الکافذی (980 م)	156
169	عبدالغفار فارسی (987 م)	157
169	المیزوکی	158
170	علی الجامع	159
171	ابوالفضل کشی	160
171	اسماعیل البستی	161
171	سعید باہلی	162
172	عبداللہ الراہر مزی	163
172	عبداللہ اللباد	164
172	دختر جیبانی	165
173	قاضی ابونصر محمد بن سہل	166
173	ملاحی	167
173	ابوالحسین الطوائفی	168
173	ابوالقاسم العامری (991 م)	169
174	ابوالحسن الرمائی (994 م)	170
174	محسن توفی (994 م)	171
174	محمد المرزبانی (994 م)	172
175	ابوالقاسم الطالقانی (995 م)	173
175	محمد حارثی (996 م)	174
175	عبداللہ الاسدی (997 م)	175
175	ابن خلاد	176
176	محمد بن حنیف	177
176	النجار	178

صفحہ	رہنمائے منزل	نمبر شمار
177	ابتدائی صدیوں کے دیگر دانشورانِ قرآن کا اجمالی تذکرہ	
178	مدینہ منورہ	179 تا 200 ❊
181	مکہ معظمہ	201 تا 211 ❊
182	شامی اعتزال پسند	212 تا 234 ❊
184	بصرہ (مرکز اعتزال)	235 تا 305 ❊
188	یمن کی دلاویز مہک	306 تا 307 ❊
189	ابوحنیفہ کے دیس سے پیام وفا	308 تا 322 ❊
193	قرونِ وسطیٰ کے دانشورانِ قرآن	
194	عثمان بن جنی (1002 م)	323
194	اسماعیل الجوهری (1003 م)	324
194	اصطری (1013 م)	325
194	شریف رضی (1015 م)	326
196	محمد بن ابی علان (1018 م)	327
196	عبد الجبار الہمدانی (1025 م)	328

صفحہ	رہنمائے منزل	نمبر شمار
199	محسن تنوخی (1026 م)	329
199	محمد التبان (1028 م)	330
199	المؤید باللہ (1030 م)	331
199	محمود غزنوی (1030 م)	332
203	الشریف المرتضیٰ (1044 م)	333
203	ابوالقاسم (1044 م)	334
203	محمد بصری (1044 م)	335
204	ابن الندیم (1047 م)	336
204	منصور ابوالفتح (1050 م)	337
204	ابوالقاسم تنوخی صغیر (1055 م)	338
205	ابوسعید السمان (1055 م)	339
205	ابوالحسن المادردی (1058 م)	340
207	ابن متویہ	341
207	سعید بن محمد غیشا پوری	342
208	ابوالفتح اصفہانی	343
208	ابن شروین	344
208	امام ابن حزم اندلسی (1066 م)	345
210	محمد مہر یزد (1067 م)	346
210	علی یزداد (1067 م)	347
210	ابن بشران (1070 م)	348
210	ابوعلی بن الولید (1086 م)	349
211	صندی (1091 م)	350
211	حاکم الجشمی (1101 م)	351

صفحہ	رہنمائے منزل	نمبر شمار
211	ابو مضر ضبی (1116 م)	352
212	ابوالوفا بغدادی (1119 م)	353
212	امام ابوالقاسم حریری (1122 م)	354
213	امام زمخشری (1144 م)	355
215	ابوالبرکات (1145 م)	356
215	علی العمرانی (1165 م)	357
215	ابن رشد (1198 م)	358
217	امام رازی (1210 م)	359
220	ابن ابی الحدید (1257 م)	360
220	البیضاوی (1286 م)	361
222	محمد بن ابی بکر الہمدانی (1321 م)	362
223	دورِ جدید کے دانشورانِ قرآن	
225	سر سید احمد خان (1898 م)	363
227	چراغ علی (1895 م)	364
229	محمد عبدہ (1905 م)	365
231	محسن الملک (1907 م)	366
231	حافظ نذیر احمد دہلوی (1912 م)	367
235	حالی (1914 م)	368
238	سید امیر علی (1928 م)	369
240	رشید رضا (1935 م)	370
242	عنایۃ اللہ اثری	371
243	طنطاوی جوہری (1940 م)	372
243	امام فراہی (1940 م)	373

صفحہ	رہنمائے منزل	حبر شمار
245	امام انقلاب عبید اللہ السندی (1945 م)	374
247	عبد اللہ العمادی (1946 م)	375
248	الشیخ الفاضل ثناء اللہ امرتسری (1948 م)	376
251	حسن البناء (1949 م)	377
253	سید محبت الحق عظیم آبادی (1954 م)	378
254	احمد امین (1954 م)	379
256	علامہ اسلم حیرا چوری (1955 م)	380
256	امام الہند (1958 م)	381
259	عنایہ اللہ المشرقی (1963 م)	382
261	نیا فتح پوری (1884-1966)	383
263	ضیاء الدین کرمانی	384
264	امام الرجال تمناعادی (1971 م)	385
268	قاضی عزیز احمد خوشابی	386
271	پرویز (1985 م)	387
273	عمر احمد عثمانی (1991 م)	388
274	علامہ ابوالخیر اسدی (2001 م)	389
275	ڈاکٹر سید عبدالودود (2001 م)	390
277	حریفانِ قرآن	❀

حسّہ آغاز

علمی ارتقاء سے پہلے کائنات کے بہت سے راز اخفاء میں تھے پوشیدہ تھے سر بستہ راز تھے انبیاء آئے اور لوگوں کے فکری مدارج کے مطابق ان باتوں کو بیان کرتے رہے جو اخلاقی اور دینی زاویوں سے گہرا تعلق رکھتی تھیں مافوق الفطرت باتوں کو چھیڑنے، کریدنے اور افشار کرنے کی ابھی ضرورت نہیں تھی۔ اسی طرح کھر بہا سال سے ”اخفاء“ اور ”افشاء“ کا یہ سلسلہ چلتا رہا اور جب انسان اتنے طویل سفر کے بعد عقلیات اور شعور کی پگڈنڈیوں پر چلنے لگا تو اخلاقیات کا لب و لہجہ بھی بدلنے لگا۔ پہلے جہاں اسکی نفسیاتی تسکین کیلئے کچھ کرشمات کا اظہار ہوتا رہا ہوگا عقل کی شاہراہ پر قدم رکھنے کی وجہ سے دلائل اور براہین کو اولیت دیجانے لگی۔ ابراہیمؑ نے اپنے مخالفوں کو ”عقلیات“ کے ذریعہ ہی ساکت و صامت، خاموش اور مبہوت ٹھیرایا۔ موسیٰؑ نے تمام زندگی فرعونؑی باطل سے ”عقلیات“ کی توانائی ہی سے آویزش جاری رکھی غرض کہ تمام انبیاء نے زبانی یا۔ صحائف کے ذریعہ لوگوں کی رہنمائی کا اہتمام کیا۔ چند ہزار سال پہلے حمورابی (1792-1750 ق م) نے بھی دنیا کو اپنے مجموعہ قوانین سے متعارف کرایا اور دنیا جو حیرت ہے کہ انسانی کاوش سے اس مجموعے میں حال کی طرح مستقبل کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر ”لہجہ“ تک مستقبل کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس طرح حضرت انسان شعور اور عرفان ذات کے حقائق کو اپنے اندر جذب کرتے کرتے ”ارادے“ اور ”اختیار“ کا مالک بن چکا تھا۔ نہ دین میں اکراہ تھا نہ معاملات زیست کو طے کرنے میں جبر اور دشواری۔ ہر سو عقل کی فرماں روائی کے آثار نمودار ہوتے چلے گئے جس سے عقل کی اہمیت دو چند ہوتی رہی بلکہ عقل ہی نے انسان میں جرأت اور بیباک توانائی پیدا کی کہ وہ اندھی تقلید اور فکری ارتکاز کی دلدل سے نکل کر سوچ کے وسیع میدان میں قدم رکھنے لگا۔ عقلی شجاعت نے اسے فکر صحیح اور احسانِ رائے کا ”جوہر“ عطا کیا اب وہ معاملات کو پرکھنے کیلئے حقیقت کی ترازو نصب کرنے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہ کرنے لگا۔ جاحظ (869 م) نے عقل کے راہنما بنانے کو ”ضلالیت“ سے بچنے کا پُر تین ذریعہ ٹھیرایا ہے فرماتے ہیں: افلات مذہب الی ماتریک المعین و اذہب الی مایریک العقل و للامور حکمان حکم ظاہر للحواس و حکم باطن للعقل والعقل هو المحجة

تم جو کچھ آنکھ سے دیکھتے ہو اس پر نہ جاؤ جو کچھ عقل رہنمائی کرے اسی پر
نظر رکھو کہ تمام امور کے سلسلہ میں دو طرح کا فیصلہ چلتا ہے۔ حواس کے ذریعہ جو
فیصلہ ہوتا ہے وہ ظاہر سے تعلق رکھتا ہے اور جو فیصلہ عقل کے ناطے سے ہوتا ہے وہ
باطن سے تعلق رکھتا ہے اور عقل ہی توانا جنت ہے۔

(کتاب الحيوان۔ بحوالہ مقام العقل عند العرب قدري طوقان ص 115/7/98)

اور یہی وہ طریقہ ہے جسے زمانہ مابعد کے فلسفی ڈیکارٹ (1650 م) نے اپنایا اور پھر ”مسلمات“ کو بھی
اسی معیار پر جانچنے اور پرکھنے پر زور دیا۔ بلکہ جاہظ ہی سے اس نے کشید کر لیا ہے کہ _____ جو واضح نہ ہو اسکی
تصدیق نہ کرو اور جسکی تصدیق کر دو وہ واضح ہونا چاہئے (مقام العقل طبع دار المعارف قاہرہ ص 17/98)
_____ اس طرح جاہظ ہو یا ڈیکارٹ ان کا فلسفہ اول میں وضاحت کا طالب اور آخر میں وضوح کا خواہاں ہے۔
اس طرح جاہظ اپنے پس منظر میں عقل واجتہاد کو بنیادی حیثیت دیتے اور طالبان قرآن کو دعوت فکر
دیتے ہیں کہ عقل سے بھی کام لیں اور اجتہاد سے بھی اور پوری جرأت سے کام لیں کہ اس راہ میں بزدلی اور
ہزیمت ضلالت کا عنوان ہے جبکہ ضلالت سے ڈرنا عین ضلالت ہے یہی وجہ ہے کہ مشہور عرب سکا لر عبدالمتعال
الصعیدی کہتے ہیں کہ اذا تعارض دليل النقل ودليل العقل وجب تاويل النقل بما يوافق
دليل العقل والعمل بدليل العقل

جب روایت اور درایت میں تعارض محسوس ہو تو روایت کی ایسی توجیہ
سامنے لائی جائے گی جو عقلی تقاضوں کے ہم آہنگ ہو یا عملی حد تک ہم آہنگ ہو۔

(فی میدان الاجتہاد بحوالہ مقام العقل عند العرب ص ۷۳)

جاہظ سے پہلے۔ نظام (845 م) وغیرہ بھی سلطانی عقل کی دہائی دیتے رہے وہ کہتے تھے کہ ان

الانسان العاقل يتوصل بالتفكير والتأمل الى معرفة الخالق قبل ورود الشرع
باشعور انسان اپنی عقل کے زور پر حقیقت الوجود کا اس وقت ادراک

کر پاتا ہے کہ شرع کی زبان ابھی خاموش ہوتی ہے۔ (مقام العقل ص 81)

یعنی انبیاء اگر نہ بھی آتے اور وحی کی زبان نہ بھی بتلاتی تب بھی اصحاب شعور اور عقلاء پر ”توحید“

واجب تھی۔

نظام کہتے تھے کہ۔ الشاك اقرب اليك من الجاهد و لم يكن

یقین سے پہلے شک

یقین قط حتی صادفہ شک ولم ينتقل احد من اعتقاد الي اعتقاد حتى يكون بينهما حال شک

صاف انکار کرنے والے سے شک کرنے والا بہتر ہے۔ دنیا میں کوئی بھی یقین نمود نہیں پاتا جب تک اس سے پہلے شک نے دباؤ نہ ڈالا ہو۔ تجربہ یہ ہے کہ ایک انسان اس وقت ہی اپنا عقیدہ چھوڑ کر دوسرے کا عقیدہ اپناتا ہے جب سابقہ عقیدہ شک میں بدل جاتا ہے۔۔۔ (مقام العقل ص 89)

حسن و قبح کی پہچان معتزلہ نے سلطانی شعور کو اتنا پھیلا یا کہ۔ خیر و شر۔ یا۔ حسن و قبح کی پہچان کا معیار بھی عقل ہی کو ٹھیرایا انہوں نے حسن کو قبول کرنے اور قبح کو مسترد ٹھیرانے کا فیصلہ اس وقت کر دیا تھا جبکہ شرع کی زبان ابھی بولنے نہ پائی تھی یہی وجہ ہے کہ معتزلہ نے ہمیشہ عقلیات کو فوقیت دی۔ فالہمھا فجورھا وتقواھا۔ بے کشید کر لیا کہ عقل کے ذریعہ ہی اشیاء کے حسن و قبح کا راز معلوم کیا جاسکتا ہے۔ شہرستانی (1153 م) نے السملل والنحل میں تمام ادیان کے حاملوں کا متفقہ موقف بیان کیا ہے کہ۔۔۔ وان اعتناق الحسن واجتناب القبح واجب کذا لک حسن کو پسند لگانا اور قبح سے پرہیز جانا ہر فرزانے پر واجب ہے۔ (مقام العقل ص 80)

عقل کی حکمرانی شریعت کچھ بتلائے یا خاموش رہے حسن و قبح کی معرفت بذریعہ عقل حاصل کرنا ہر صاحب دانش کا فرض ہے کیونکہ تمام انبیاء نے عقل ہی کو آلہ ابلاغ بنایا اور عقل ہی کو مخاطب کیا اور یہ بھی دراصل اسلئے کہ رسولوں کو صرف اتمام حجت کیلئے ارسال کیا گیا ورنہ تو عقل ہی معاملات کو سلجھانے اور برے بھلے کی تمیز عطا کرنے کے لئے ان رسولوں سے پہلے بھی موجود اور قائم تھی۔ اس زاویہ سے معتزلہ نے جب عقل ہی کو دینی حقیقتیں معلوم کرنے کا معیار ٹھیرایا تو یہ کوئی معمولی کام نہیں تھا خدمات جلیلہ کا وہ معیار تھا جو وحی الہی نے تسلیم کر رکھا تھا انہوں نے خرافات اور مذہبی بے راہ روی کے خلاف اپنی جدوجہد کو اس لئے ہار آور بنایا اور طبعیت اشیاء کے مخالف تصورات کو حرف غلط ثابت کیا کہ عقل ان کی یاد تھی اور دانش مددگار۔ اس طرح قرآن ان کے نزدیک نہ صرف اعلیٰ قدر تھی اپنے اسلوب اور نظم کے لحاظ سے اعلیٰ ”مثال“ بھی تھا۔ جس میں حسن و جمال کی رعنائیاں اور کلمات بدیعہ کی بوقلمونیاں۔ اصنافِ سخن کی رنگارنگی مجازات و استعارات کی بہتات اور تصریف آیات کے تنوع کے ذریعہ عطا لب عالیہ کو ذہن نشین کرانے کے لئے فطری اسالیب تھے جن کے تعاون سے وہ قرآنی تشبیہات اور تمثیلی صیغوں کو نہایت سادگی اور چٹنگی سے تاویل صحیح

کے سانچے میں ڈھال سکتے تھے۔ اس جرم کی پاداش میں سنی علما نے جتنا کچھ انہیں زچ، ذلیل اور پریشان کیا وہ عظمت کے پہاڑ تھے کہ جنبش کھائے بغیر کھڑے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ معتزلہ نے استقلال، ثابت قدمی اور استدلال سے ایسی تصنیفات کو وجود دیا جو ایک علمی اساس کے طور پر ابھر کر نئے نئے علوم اور ارتقائی پیش قدمیوں کا موجب بن گئیں۔ انہوں نے پوری قوت سے اس نظریے کو پیچھے کی طرف دھکیل دیا جس کی وجہ سے انسان عاقل ایک بہرا گونگا آلہ سمجھا جاتا تھا جس کی نہ رائے تھی نہ رہنمائی۔ نہ حریت فکر ہو نہ اختیار کا کردگی۔ پردے پیچھے وسب قدرت کا تصور جو اُسے چلا رہا ہو۔

معتزلہ کی حریت فکر کو دنیا کے قدیم خواہ جدید دانشوروں اور محققوں نے سراہا اور اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ان کی اصابت رائے سے انسان مقلد نہ سوچ کے جبر سے آزاد ہوا اور فرد کی رائے کا احترام ہونے لگا اور ایسا لٹریچر وجود میں آیا جو رہتی دنیا تک غلط راہوں پر چلنے سے روکتا رہے گا شبلی نعمانی (1914ء) لکھتے ہیں،

”معتزلہ اگرچہ دنیا سے نابید ہو گئے لیکن ایک مدت تک ان کو بہت عروج رہا بڑے بڑے نامور مصنفین اس میں پیدا ہوئے مشہور خلفا اور سلاطین نے فخر بنا اس لقب کو اختیار کیا۔ متعدد علوم اس فرقے کی بدولت عالم وجود میں آئے۔ غرض وہ خود اگرچہ دنیا میں نہیں رہے لیکن مذہب میں علم میں تصنیف میں، لٹریچر میں انکی بہت سی یادگاریں اب بھی موجود ہیں اور زمانہ ان کو آئندہ بھی منامیں سکتا۔“

(مقالات شبلی طبع ایم ثناء اللہ لاہور ص 67)

معتزلہ افکار کی ابتدا بنو امیہ کے عہد حکومت میں ہوئی سب سے پہلے خلیفہ یزید بن ولید بن

معتزلہ فکر کی پذیرائی اور وسعت

عبدالملک نے اعلانیہ یہ فیقر قبول کر لی۔ معتزلہ کا سب سے پہلا مسئلہ یہ تھا کہ انسان جو برائیاں کرتا ہے خدا نہیں کراتا کیونکہ خدا کا عادل ماننا اس بات پر موقوف ہے کہ انسان کو اپنے افعال کا مختار مانا جائے۔ اور ای ہی مناسبت سے انہیں عدلیہ بھی کہا جاتا ہے اور قدس دوسہ بھی اسکے ایک زعم معبد الجعفی چونکہ حکومت بنی امیہ کو علانیہ برا بھلا کہتا تھا لہذا عبدالملک بن مروان نے اُسے قتل کر دیا۔ کہتے کہ ایک دفعہ یہ معبد جعفی حسن بصری کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس مسئلہ کے متعلق ان کی رائے دریافت کی کہ بنی امیہ اپنے مظالم کو دست قضا کا عمل قرار دیتے ہیں اس پر حسن بصری نے کہا۔ کذب اعداء اللہ۔ دشمنان

خدا بنی امیہ جھوٹے ہیں۔ (ابن قتیبہ ص 225 بحوالہ شبلی ص 72)

معبد کے بعد اموی حکومت میں غیلان دمشق کا نام آتا ہے جس نے امیر بالمعروف - اور - نبھی عن المنکر۔ کو مذہب اعتزال میں پانچویں اصول کے طور پر شامل کیا چونکہ یہ مسئلہ حکومت وقت کے لئے پر خطر مسئلہ تھا اور غیلان پوری پیمانی سے اسے پیش کرتا رہا تھا لہذا ہشام بن عبد الملک نے اسے پھانسی دیدی (تفصیل غیلان کے حالات میں ملے گی) _____ ادھر معبد اور غیلان نے اگرچہ بہت کم وقت پایا تھا لیکن ان کی قربانیوں سے اعتزال کی جڑیں مضبوط ہو گئیں اور بہت ترقی ہو گئی بقول شبلی - سیکڑوں ہزاروں آدمیوں نے نظریہ اعتزال کو دل و جان سے قبول کیا۔ ان ہی دنوں عراق میں شعور و آگہی کے افق پر تین نئے ستاروں کا ایک ہی سال میں طلوع ہوا یعنی ۸۰ ہجری میں امام اعظم ابو حنیفہ، امام الفکر عمرو بن عبید اور بانی مسلک واصل بن عطاء پیدا ہوئے تینوں کی سمیت سفر دفاع قرآن تھا اور تینوں ہی رائے رکھتے تھے کہ روایات کے ذریعے مفردات قرآن کے مفاہیم کا تعین جائز نہیں ہے یزید بن ولید - جس کا ابھی ذکر ہوا ہے پر جوش معترزی تھے اس کا والد - ولید جب ۱۲۵ ہجری میں تخت نشین ہوا تو اس نے عیش کوشی کو دھیرہ بنایا اور منکرات سے زیادہ دلچسپی لینا شروع کی - جس کے لئے بیت المال ہی حاجت روائی کر سکتا تھا چنانچہ اپنے اوباش ساتھیوں کے ذریعے اس پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا - ادھر یزید - حضرت معاویہ کے پوتے خالد بن یزید کی طرح حکومت کو لوگوں کی امانت سمجھتا تھا جس طرح خالد نے بیعت مسترد کر کے معاملہ مسلمانوں کے سپرد کر دیا تھا اسی طرح ولید کے بیٹے یزید نے بھی بیت المال اور خزانے کے معاملات کو مسلمانوں پر اٹھا رکھا تھا - ان کا تعلق بنو امیہ کی بنو مروان فیلی سے تھا جو ناپسندیدہ لوگوں میں جاگیریں اور بڑے بڑے عطیات تقسیم کرتے تھے - ادھر غیلان کی طرح یزید بن ولید نے بھی امیر بالمعروف اور نبھی عن المنکر - کو شیوہ بنا کر اپنے خاندان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا - ہزاروں معترزلہ نے ساتھ دیا اور وہ کامیاب ہو گیا اس طرح شام سب سے پہلے معترزلہ کے تسلط میں چلا گیا - اب دیکھ تو اس بات کا ہے کہ شام کو جب اچھے حاکم میسر آئے تو علویوں اور عباسیوں کی مشترکہ سازشوں سے دولت امویہ کا 132 ہجری میں ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

بنو عباس اعتزال کی آغوش میں

بنو امیہ کے خاتمے کے ساتھ ہی بنو عباس نے اعتزال کی قربت شروع کر دی - عمرو بن عبید اور واصل بن عطاء کو مملکت میں نظریاتی تبلیغ کا اذن عام عطا ہوا امام واصل - ایک مالدار شخص تھے انہیں جب پتہ چلا کہ ایران وسط ایشیا اور دیگر دور دراز علاقوں میں قرآنی مبادیات پر کھلمنہ باتیں ہو رہی ہیں تو آپ نے اپنی جیب سے

نقیبوں اور مبلغین کا انتخاب کر کے اطراف و اکناف عالم میں بھجوا دیئے۔ عبداللہ بن حارث کو مراکش بھیجا جہاں بہت سے لوگوں نے اعتزال قبول کیا۔ حفص بن سالم کو خراسان روانہ کیا جہاں جہم بن صفوان سے مذہب پھیل ہوئی جہم ہر میت کھا گیا لوگ جوق در جوق حلقۂ اعتزال میں شامل ہوتے گئے اسی طرح حسن بن ذکوان اور ایوب کو الجزائر۔ عثمان طویل کو آرمینیا اور کعمی کو یمن بھجوا دیا۔ یہ لوگ جہاں جہاں گئے ان کی تبلیغ سے لوگ حد و حساب سے زیادہ اعتزال کی گرویدہ ہوتے چلے گئے۔

ادھر حسن اتفاق ملاحظہ ہو کہ بنو امیہ کے بعد بنو عباس نے بھی اعتزال کا شہرہ اور پذیرائی دامن اعتزال کو تمام مملکت کے اہم عہدے ان ہی کے سپرد کر دیئے اور عمرو بن عبید اور واصل کے مشن کو پذیرائی دی واصل نے تبلیغی مشنوں کے ذریعہ جو کام کرنا تھا کر ڈالا ادھر عمرو بن عبید کے علمی کمالات کے علاوہ شبلی لکھتے ہیں کہ

”وہ نہایت زاہد و عابد اور دنیا سے بے نیاز تھا حسن بصری سے ایک شخص نے اسکی نسبت سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ تم ایسے شخص کی نسبت پوچھتے جس کو گویا فرشتوں نے ادب سکھایا ہے اور انبیاء نے اس کی تربیت کی ہے میں نے اس سے زیادہ کسی کے ظاہر کو باطن کے ساتھ موافق نہیں پایا (ابن خلکان) خلیفہ منصور عباسی کے دربار میں اس کا آنا اور نہایت بے نیازی اور آزادی سے گفتگو کرنا نہایت دلچسپ واقعہ ہے جس کا تذکرہ تمام مؤرخوں نے کیا ہے اس کے مرنے پر خلیفہ نے مرثیہ لکھا۔ اہل تاریخ کا بیان ہے کہ یہ شرف یعنی خلیفہ وقت کا مرثیہ لکھنا عمرو بن عبید کے سوا دنیا میں کسی کو حاصل نہیں ہوا۔“

(شبلی ص 74، ص 75)

ادھر ان ہی دنوں خلیفہ منصور نے لوگوں کی پذیرائی سے متاثر ہو کر مملکت میں علوم و فنون کی اشاعت پر زور دیا، سریانی، عبرانی، یونانی، ایرانی اور فلسفہ ہند سے متعلق کتابوں کے تراجم کرائے جس سے افکار کے انتقال کا سلسلہ چل پڑا۔ فلسفیانہ اور کلامی مسائل کی گرم بازاری سے مسلمانوں کی اغلیات متاثر ہونے لگیں کیونکہ ان کے مذہب کی بنیاد روایات اور تعلیمات پر تھی جبکہ عقلیات کی پورش کے سامنے مذہب اور تعلیمات نے ہمیشہ رک اٹھائی ایسے میں خلیفہ منصور نے دفاع اسلام کی دہائی دی مگر کوئی نہ تھا جو دفاع کے جدید اسالیب سے واقف ہوتا جہاں تک ”عقیدہ“ محض کا تعلق ہے تو وہ صرف راسخ العقیدہ لوگوں کا شیوہ ہے اہل دانش اسے دلیل نہیں سمجھتے ان کے نزدیک مذہب کا ٹھکانہ ہندیا ہے جو چو لھے پر رکھتے ہی جل کر فنا ہو جاتی ہے۔ غرض فقہاء اور۔

محمد شین خلیفہ کی دہائی پر میدان چھوڑ کر گوشہ نشین ہوتے چلے گئے جس سے شہ پاکر زنا دقتہ، ملاحدہ، قرامطہ اور مجوسی افتاد کے منکرین زور میں آ گئے جس سے گھبرا کر منصور نے ان لوگوں کو جن کو وقت کے چیلنج کو قبول کرنے کی صلاحیت اور توانائی حاصل تھی میدان میں اُترنے کی دعوت دی چنانچہ معتزلہ نے خلیفہ کی ڈھارس بندھائی اور مذہب کو عقلی دلائل کا سہارا دے کر قابلِ اعتماد بنایا جسے دیکھ کر لوگوں کو بھی حوصلہ ملا۔ خلیفہ نے اعتزالی دانشوروں کی اتنی خود اعتمادی دیکھ کر ہر مذہب و ملت کے آدمیوں کو بحث و مناظرہ کی عام اجازت دیدی۔ اب اعتزالی تحریک سے لاکھوں آدمیوں نے اپنے قدیمی عقائد سے دست بردار ہو کر اسلام کی بقاء کو قبول کر لیا گویا کہ اب اعتزال ہی لوگوں کا حاجت روا، مشکل کشا اور غوثِ اعظم بن گیا۔ کہتے ہیں کہ اسلام کی طرف لوگوں کے کشاں کشاں چلے آنے پر منصور کا دل باغ باغ ہونے لگا اور اس نے مملکت کے اطراف و اکناف میں مجالس مناظرہ قائم کیں جن میں ہر جگہ معتزلہ ہی ممتاز نظر آنے لگے۔ شبلی کہتے ہیں کہ _____ درحقیقت اس وقت ان کی وجہ سے اسلام بڑے صدمہ سے محفوظ رہ گیا (ص 7/78 تا 8) ایک مناظرے میں ابو الہدیل علاف کی خوبی تقریر اور زورِ کلام سے تین ہزار سے زائد غیر مسلم اسلام لائے (شبلی)

ملاحدہ کے سامنے فقہاء کی درماندگی

جب چہار دانگ عالم میں اعتزال کا شہرہ ہوا تو مختلف حکومتوں کی جانب سے عباسی راجدھانی بغداد سے ایسے دانشوروں اور علمائے کلام کی طلب آنے لگی جو ان ملکوں میں بسنے والے فلسفیوں سے مناظرہ کرنے کی صلاحیت رکھنے والے ہوں۔ چنانچہ احمد بن یحییٰ المرعشی (1437 م) طبقات المعتمزلہ میں لکھتے ہیں:

”ہارون رشید نے جن دنوں مذہبی مناقشات پر پابندی لگا دی تھی تو سندھ کے کسی رجاؤں کے راجہ نے ہارون کو لکھا کہ سنا ہے تم ایسی قوم کے سردار ہو جو انصاف نہیں کر سکتے ارتکا ز فکری (تقلید) کے پرستار اور تلوار کے زور پر غلبہ پانے والے ہیں تاہم اگر جناب اپنے دین و مسلک میں پختہ ہیں تو میرے پاس کسی مناظر کو بھیجو وہ جیت گیا تو ہم تمہاری مانیں گے ہار گیا تو تم ہم سے مل جانا چنانچہ ہارون نے فقہاء میں سے ایک قاضی کو روانہ کر دیا جب وہ اتنا طویل سفر طے کر کے راجہ کی دربار میں پہنچا تو اس کا بے حد احترام اور استقبال کیا گیا اور مجلس مباحثہ منعقد ہو گئی سنی (یعنی پٹنٹ) نے سوال کیا کہ قاضی صاحب تم اپنے معبود کے

بارے میں بتا سکتے ہو کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے؟ جواب ارشاد ہوا کہ ہاں قادر ہے! اعتراض اٹھا کہ۔ کیا اپنی مثل پیدا کرنے پر بھی قادر ہے؟ قاضی جی نے فرمایا کہ یہ علم کلام کا مسئلہ ہے جس پر گفتگو کرنا بدعت ہے اور ہمارے بزرگوں نے اس پر کچھ بولنے سے روک دیا ہے۔ اس پر پنڈت جی نے دریافت کیا کہ تمہارے وہ بزرگ کون ہیں؟ قاضی جی نے کہا فلاں، فلاں اور فلاں۔ اس پر پنڈت جی نے مایوس ہو کر راجہ سے کہا کہ میں نے تمہیں پہلے ہی بتلادیا تھا کہ یہ لوگ مقلد محض ہیں ہمیشہ تلوار کا سہارا لے کر کام چلا لیتے ہیں چنانچہ راجہ نے قاضی جی کو خط دے کر واپس بھجوا دیا خط میں تھا کہ میں نے مسلمانوں کے بارے میں سنا تھا کہ معقولیت اور سلیقے سے بات کرنا جانتے ہی نہیں اب یقین سے کہتا ہوں کہ نہیں جانتے فلما ورد الکتاب علی الرشید قامت قیامتہ وضاق صدرہ۔ جب راجہ کا یہ خط رشید نے پڑھا تو اس پر قیامت چل گئی اور شدت غم سے اس کا سینہ پھٹنے لگا اور۔ پکار کر کہا کہ۔ ایس لہذا الدین من یناضل عنہ۔ کیا ایسا کوئی شخص نہیں ہے جو اس دین کا دفاع کرے؟ حاضرین نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین تم نے خود ہی تو مذہبی مناقشات پر پابندی لگا دی تھی اب تو پروان چڑھنے والا وہ دفاعی کلچر ہی ختم ہو رہا ہے۔ خلیفہ نے حکم دیا جلدی ہندو عالم کے اس سوال کا جواب دینے والا تلاش کرو۔ چنانچہ دربار میں ایک بچہ بیٹھا تھا اس نے کہا کہ یہ بھی کوئی مشکل سوال ہے؟ ہر کوئی جانتا ہے کہ پیدا ہونے والا ہر لحاظ سے محدث (نیا جنم لینے والا) ہو گا جبکہ محدث قدیم جیسا نہیں ہو سکتا۔ لہذا پنڈت جی کا مثل خدا پیدا کرنے کا سوال ہی غلط ہے کیا حادث اور قدیم یکساں ہو سکتے ہیں؟ جو کہتا ہے ہو سکتے ہیں وہ دماغی خلل کا مریض ہے بچے کے اس جواب پر دنیا عیش عیش کر اٹھی اور ہر طرف سے واہ واہ کی صدائیں گونجنے لگیں۔ خوشی سے خلیفہ کا چہرہ تمنا اٹھا حکم دیا کہ اس بچے کو بحفاظت سندھ روانہ کیا جائے لیکن حاضرین نے مشورہ دیا کہ یہ بچہ ہے پنڈت پیتھرے بدل بدل کر سوالات کی بوچھاڑ کر دیں گے جس سے یہ گھبرا کر رُک جائے گا اس کے لئے معمر بن عباد السلمی (830 م) کو روانہ کیا جائے۔ ادھر سندھی پنڈتوں۔

نے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ انہیں پل پل کی خبر مل جاتی تھی اور وہ پیش بندی کے طور پر اپنے مخالف کو دوران سفر ہی زہر دے کر یا کسی دوسرے ذریعہ سے واوی مرگ میں پہنچا دیتے تھے اور ہمارے معمر کو اسی طرح کی موت سے ختم کر دیا گیا۔“

(طبقات المعتمز لہ طبع بیروت ص 54 تا ص 56)

اس واقعہ سے اندازہ کریں کہ ہمارے فقہاء کس طرح اسلام اور مسلمان کی رسوائی کا سامان کرتے تھے کیونکہ وہ علوم عقلیہ کا

حدیث والوں کی بیچارگی

حصول بے دینی اور خباثت سمجھتے تھے۔ ان کا مقولہ ہے کہ

علم دیں فقہ است و تفسیر و حدیث

ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

اب آئیے اسی قسم کا ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیے جو اہل الحدیث سے تعلق رکھتا ہے۔ امام احمد بن حنبل

ہارون رشید ہی کے ناطے سے ایک اور واقعہ سناتے ہیں کہ ابوالمحسین خیاط بتلاتے ہیں:

”ہند کے کسی بڑے راجہ نے ہارون رشید سے استدعا کی کہ ہمارے پاس کوئی ایسا

عالم بھیج دو جو اسلام سے متعارف کر سکتا ہو۔ خلیفہ نے اپنے ذرائع سے معلوم کر لیا

کہ راجہ مذکور کے پاس ایک فلسفی پنڈت ہے چنانچہ آپ نے اہل الحدیث میں سے

کسی محدث کو روانہ کر دیا جس پر پنڈت جی پریشان ہوئے، چنانچہ پنڈت جی نے

نہایت رازداری سے ایک آدمی تیار کیا تاکہ راستے ہی میں ملکر محدث کے علم کی

گہرائی معلوم کر لے، قصہ مختصر جب محدث پہنچا اور دربار منعقد ہوا۔ پنڈت اور

محدث کا آمنا سامنا ہوا تو پنڈت جی نے سوال داغا کہ۔ کیا دلیل ہے کہ تمہارا ہی

دین دین حق ہے؟ محدث نے کہا۔ حدثنا سفیان الثوری بكذا و حدثنا

شعبہ بكذا و حدثنا ابن عون بكذا۔۔۔ حدیث بیان کی ہم سے سفیان

ثوری نے۔۔۔ حدیث بیان کی ہم سے شعبہ نے۔۔۔ حدیث بیان کی ہم سے ابن

عون نے۔۔۔ یہ سن کر پہلے تو پنڈت جی حدثنا۔ حدثنا کی گردان سن کر چکرا

گیا۔ آخر بول پڑا کہ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ تمہارے نبی نے جو دعویٰ کیا ہے روایات

بیان کرنے والے سچے بھی ہیں؟ اس پر اہلحدیث نے ایک آیت پڑھی (فتح 48)۔

جو کہ بر خود موقع محل کی مناسبت سے تعلق نہ رکھتی تھی، تاہم پنڈت جی نے کہا کہ اسکا ثبوت کیا ہے کہ۔ یہ اللہ کا کلام ہے تمہارے پیغمبر نے اپنی حمایت میں وضع نہیں کیا؟ اسپر محدث بدحواس ہو کر خاموش ہو گئے اور ایک لفظ نہ بولے۔ اسپر راجہ نے خلیفہ کو لکھا کہ یہ شخص علم سے نابلد ہے کوئی اور صاحب بھجوائیے۔ ہارون رشید تب سمجھ گئے کہ یہ فقیہ یا محدث کا کام نہیں ہے کوئی متکلم تلاش کرو، چنانچہ معتزلہ کے شیخ ابوخلدہ کو قربانی کیلئے روانہ کیا، لیکن جب یہاں کے پنڈت نے بھی اپنے خفیہ ذرائع سے معلوم کر لیا کہ یہ تو بہت بڑے مناظر اسلام ہیں تو راستہ میں ابوخلدہ کا کام تمام کر دیا۔ (طبقات المعتزلہ طبع بیروت ص 58، ص 59)

یہ واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ اعتزال ہی وقت کی آواز اور ضرورت تھی، غیر مسلموں سے آنکھ ملا کر بات کرنا صرف اور صرف دانشورانِ قرآن ہی کا کام تھا۔ جو لوگ علوم عقلیہ اور کلامیہ کو فسادِ عقیدے کا لازمی سبب سمجھتے تھے وہ غیروں سے بات کرنے میں اسلام کو ہزار بار رسوا کرنے کے باوصف یہ سمجھیں کہ وہ اسلامی اخلاقیات کو حفاظتی حصار میں لئے ہوئے ہیں، نہ معلوم کس منہ سے یہ بات کہہ رہے ہیں؟ ہاں یہ تسلیم ہے کہ ان کی نادان دوستی اور علم دشمنی سے عقلیات کے چراغِ یقیناً گل ہوتے چلے گئے۔ اور انکی رسم بیداد سے کتنے دانشورانِ قرآن فنا کے گھاٹ اتار لئے گئے ہوں گے۔ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ

”اشعری مذہب کے رواج کے ساتھ ہی اعتزال کے جبراً مٹانے کی کوشش کی گئی۔ معتزیوں پر ہر طرح کا ظلم کیا جاتا تھا اور ان کو اپنے خیالات کے اظہار کی جرأت نہ ہو سکتی تھی۔ محمد احمد جو بہت بڑے معتزلی عالم گزرے ہیں اور ۱۷۷۸ء ہجری میں انتقال کیا، پچاس برس تک گھر سے نہ نکل سکے۔ علامہ زنجیزی جن کی تفسیر کشف گھر گھر میں پھیلی ہوئی ہے چونکہ معتزلی تھے اپنے ملک میں چین سے رہنے نہیں پائے تھے، مجبوراً مکہ چلے گئے۔“ (شبلی ص 81)

اشاعرہ اپنے فکری تناظر میں معتزلہ کے ساتھ اشعریوں اور سنیوں نے جو کچھ کیا اس کی تفصیل سے پہلے ان گروہوں کے عقائد کے بارے میں

کچھ وضاحت ہو جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ امام ابو محمد علی بن حزم اندلسی (1066ء) اپنی عقائد کی انسا نکلو پیڈیا۔ الملل والنحل میں واضح کرتے ہیں کہ وہ۔ طبائع اور فطرتِ اشیاء کو بالکل نہیں مانتے تھے۔ ذہب الاشعرية

الى انكار الطبائع جملة وقالوا ليس في النار حر . ولا في الثلج برد . ولا في العالم طبيعته اصلا . وقالوا انما حدث حر النار . وبرد الثلج عند الملازمة وقالوا فلا في الخمر طبيعة اسكار . ولا في المني قوة يحدث بها ما يحدث منه ولكن الله تعالى يخلق ما يشاء وقد كان ممكنا يحدث من مني الرجل جملا . ومن مني الحمير انسانا ومن رزمة الكزبر نخلا

اشاعرہ اپنے عقیدے کے تناظر میں اشیاء کے نیچر اور مزاج کا کلی طور پر انکار کرتے اور کہتے ہیں کہ آگ میں جو حرارت ہے۔ برف میں جو برودت ہے اور کائنات میں جو طبیعت، نیچر، مزاج اور فطرت ہے وہ کوئی شے نہیں ہے۔ آگ کے چھونے سے اور برف کے ٹپک کرنے سے حرارت اور برودت کا احساس ہوتا ہے۔ اسی طرح شراب میں نشہ بھی طبعاً نہیں ہوتا بلکہ منی (نطفہ) بذات خود آفریش کی ذاتی خوبی سے عاری ہے اور عین ممکن ہے کہ منی کے ذریعہ جو انسان پیدا ہوتا ہے اللہ اس میں ایسی تبدیلی پیدا کر دیں کہ انسان کے نطفے سے اونٹ۔ اور گدھے کی منی سے انسان اور سبز دھیاں کے پودے سے کھجور کا درخت پیدا کر ڈالیں۔

(الملل والنحل بحوالہ فطرت اور قانون فطرت از محسن الملک طبع وکیل کمپنی امرتسر 49)

ابن حزم کا تعاقب

اشاعرہ کی سوچ کی پستی کا بخوبی احساس کیا جاسکتا ہے خود ابن حزم نے اپنے تعاقب میں ان کو آڑے ہاتھوں لے کر واضح کیا ہے کہ یہ لوگ معقولیت کے بحران میں مبتلا ہیں لکھتے ہیں کہ۔ وما نعلم لهم حجة شغبوا بها في هذا الهوس اصلا وقد ناظرت بعضهم في ذلك فقلت له ان اللغة التي انزل القرآن بها يبطل قولهم لان من لغة العرب القديمة ذكر الطبيعة والخلقة والسليقة والنحيمة والغريزة والسجية والشيمة والحيلة والخيمة ولا ينكر ذو علم في ان هذه الالفاظ استعملت في الجاهلية وسمعتها رسول الله ﷺ فلم ينكرها قط ولا انكرها احد من الصحابة ولا احد من بعدهم

میں اشاعرہ کے پوچ اور بوالہوسی کے عقیدے کے لئے کسی دلیل پر اطلاع نہیں پاسکا۔ ان سے مناظرہ بھی کیا اور ان پر واضح کر دیا کہ قرآن پاک جس

لغت میں نازل ہوا ہے اس کا قدیم استعمال میں نیچر اور فطرت اشیاء کے بارے میں۔ جو الفاظ آئے ہیں وہ ان کے عقیدے کی تکذیب کرتے ہیں عرب میں نیچر اور اشیاء کے مزاج کے بارے میں ذیل کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ طبعیت اشیاء۔ قانون تخلیق۔ رائج و طیرہ۔ غرازت فطری مزاج۔ روش۔ جہلت۔ وخیمہ وغیرہ۔ اور کوئی بھی ذی علم انکار نہیں کر سکتا کہ مذکورہ الفاظ جاہلیت کے دور میں بھی استعمال ہوتے رہے ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اسلام سے پہلے بھی سنا اور اسلام کے بعد بھی مگر کہیں بھی نہیں لکھا کہ آپؐ نے ان الفاظ کے معانی اور فطرت کی مناسبت سے مفاہیم کا انکار کیا۔ یا۔ کسی صحابی نے کسی لفظ سے انکار کر کے مسٹر دکیا ہو اور نہ ہی صحابہ کے بعد لغت عرب کے دیگر دانشوروں نے استرا و اور نفی کا اظہار کیا۔ (الملل و الملحل بحوالہ فطرت و قانون فطرت ص 49، ص 50)

اس کے بعد ابن حزم نے شعراء جاہلیت امر القیس (545 م) حمید بن ثور الہلالی (650 م) اور نابغہ ذبیانی (604 م) کے اشعار پیش کر کے اپنے مفہوم کو پختہ بنایا اور اشعریوں کے فطرت شکن عقیدے کا ابطال کیا ہے دکھانا یہ تھا کہ گدھے سے انسان اور انسان سے اونٹ پیدا کرنے والے اشعریوں نے اپنے عقائد میں قرآن حکم کی صریح تکذیب کی ہے ارشاد ہے فطرة الله التي فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله ذالك الدين القيم

اللہ کا قانون پیدائش وہی ہے جس کے مطابق اس نے تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے یہ ایسا حکم قانون تخلیق ہے جس میں نہ تغیر ممکن ہے اور نہ تبدیلی اور وہی قانون خدا ہے جو ہمیشہ سے قائم دمو جو ہے۔ (روم، 30)

اس آیت میں اللہ نے اپنے قانون تخلیق کے پختہ و ناقابل تغیر ہونے کی ایسے الفاظ میں خبر دی ہے جو گدھے سے بندہ۔ اور بندے سے اونٹ پیدا ہونے کی غیر فطری اور مفروضہ تبدیلی کی نفی کرتے ہیں اور قانون یہ ہے کہ انسان سے انسان ہی پیدا ہوتا ہے وہ کسی بھی غیر فطری طریقے سے نہیں بلکہ زوادیہ کے حقیقی نتیجے میں ہوتا ہے فرمایا مائوی فی خلق الرحمن من تفاوت

اللہ کے قانون تخلیق میں کہیں بھی فرق نہ پائو گے۔ (الملک، 3)

اس طرح وہ ذہن نشین کراتا ہے کہ فطرت اشیاء۔ اشیاء کے اندر ہوتی ہے۔ مرغی کا بچہ اڈے سے

نکلتے ہی دانے کی تلاش کرتا اور بطخ کا بچہ انڈے سے باہر آتے ہی پانی کا رخ کرتا ہے یہ نہیں کہ دانے اور پانی کی تلاش انڈے سے نکلتے وقت اس میں شامل کر دی جاتی ہے؟

اشعریوں کے بھائی بند سلفی

اشعریوں کے فطرت شکن عقائد کے بعد ان کے پیروکار سلفیوں کے بارے میں بھی گفتگو ہونی چاہئے کہ کلامیات میں صفات باری کا مسئلہ اہم اور بڑا احساس مسئلہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے بعض انسانی صفات کو اپنی طرف منسوب کیا ہے جو مجازات، ضرب الامثال، محاورات اور ادبی زاویہ سے تو درست ہیں مگر فکری زاویے سے قابل تاہل۔ مثلاً ”ید“ کا لفظ ہے جو انسانی اعضاء میں سے ایک عضو ہے۔ وجہ کا لفظ ہے جو پیشانی کے لئے خاص ہے۔ کوسمی کا لفظ ہے جو انسانوں کے بیٹھے کی جگہ کا نام ہے لیکن دیکھا یہ گیا ہے کہ یہی الفاظ اللہ کی صفات کے بطور بھی استعمال ہوئے ہیں لیکن معتزلہ کے مطابق الفاظ نسبتوں کے تابع بھی چلتے ہیں۔ مثلاً سماعت و بصارت انسان کی صفات ہیں لیکن اللہ نے بھی اپنے کوسمیع و بصیر کی صفات سے متعارف کرایا ہے۔ یہاں معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ کی نسبت سے سمیع کے معنی سماعت کا جو نتیجہ ہے وہی مراد ہے۔ بصارت کا جو ماحصل ہے وہی مراد ہے اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ ”ید“ کی جب اللہ سے نسبت ہوگی تو اس کے معنی طاقت اور پاور کے ہونگے بلکہ عرب محاورات میں جب کسی محسن کو کہا جائے کہ ”لکم علی ایاد“ تو یہاں ”ید“ کے معنی احسان کے ہوں گے یعنی تمہارے مجھ پر احسانات ہیں اسی طرح کوسمی کے معنی اقتدار، غلبہ اور حکمرانی کے ہیں جو بغیر تشبیہ کے اللہ کو حاصل ہیں۔ اب باوجودے کہ ان صفات کو شان تقدیس کے مطابق استعمال کیا گیا ہے اشعری، سلفی اور حنابلہ۔ ان معانی کو تسلیم نہیں کرتے اور تشبیہ ہی کو بلا تاویل صحیح مانتے ہیں اور مخالفین پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ صفات کی نفی اور انکار کرتے ہیں جبکہ ان کا کہنا ہے کہ ہم صفات کی نفی نہیں کرتے انکار ان مفانیم سے ہے جو یہ لوگ بلا تشبیہ مقرر کرتے ہیں۔ اس ضمن میں امام ابن تیمیہ (1328 م) کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو فرماتے ہیں،

”عرش عظیم۔ اللہ کے بیٹھے سے چرچا تا ہے عرش کے چاروں طرف سے اللہ میاں کا جم چار چار انگلیوں جتنا باہر رہ جاتا ہے۔“

(منہاج السنة طبع مصر / 260)

موقع محل کی مناسبت سے ایک اور نامور سلفی کا اقتباس ملاحظہ ہو علامہ عبدالکریم شہرستانی (1153 م)

اپنی عقائد کی انسائیکلو پیڈیا میں لکھتے ہیں۔ عن داؤد الظاہری انه قال عفونی عن الفرج واللحمية وسلونی عما وراء ذالک فقال ان معبودی لہ جسم ولحم ودم وله جوارح واعضاء

و کبد و رجل و عینان و آذان

مقتدائے اہل روایت امام داؤد ظاہری (884م) کہتے ہیں مجھ سے خدا کی
داڑھی اور فرج کے بارے میں دریافت نہ کریں کہ ان کا حدیث میں ذکر نہیں ہے
ویسے خدا کے اعضاء ہیں جو ارح ہیں جسم ہے گوشت ہے خون ہے رگیں اور پٹھے
ہیں جگر ہے پھیپھڑے ہیں، پاؤں ہیں، زبان ہے، دوا نکھیں اور دوکان ہیں۔

(المحلل و المشحل بحوالہ منهاج السنۃ ابن تیمیہ طبع مصر 338/1)

یہاں امام داؤد ظاہری سے بھول ہو گئی ہے سلفیوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اللہ سبحانہ کے ریش
مبارک بھی ہیں جس کے ہر بال میں موتی پروئے ہوئے ہیں۔

یہ اقتباسات سلفیوں کے عقائد پر بخوبی روشنی ڈالتے اور معتزلہ اور ان کے مابین جو فرق ہے اچھی
طرح واضح کرتے ہیں کہ وہ ہر گونہ تقدیس اور تنزیہ کے قائل اور محاورات عرب کی روشنی میں ایسے معانی کو
سامنے لائے ہیں جو قرین عقل بھی ہیں اور قابل تسلیم بھی اس کے برعکس سلفیوں نے جو پہلوانی کی ہے وہ بھی
آپ کے سامنے ہے اور انصاف کا ترازو آپ کے ہاتھ میں ہے آپ بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ تاہم سلفیوں میں وہ
بھی تھے جو سرسید کے شدید نقاد ہو کر بھی صفات کی تاویل کرتے اور معتزلہ کے انداز تعبیر کو پسند فرماتے تھے۔ امام
المنظر شہنشاہ الشیخ ثناء اللہ اسر تسری (1948م) اور علامہ عنایت اللہ گجراتی امام مسجد الجحدیٹ گجرات کی
تصانیف اس پر زندہ گواہ ہیں۔

معتزلہ کا مأخذ معتزلہ کا مأخذ معلوم کرنے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ اول و آخر قرآن پاک
ہے۔ وہ بلند پایہ محقق تھے۔ سکا لہ تھے درجہ اجتہاد پر فائز تھے قرآنی الفاظ کے

مزاج سے بحث کرتے اور عقائد و احکام میں قرآن کی عمومی پالیسی کو نظر میں رکھتے تھے بلکہ گہرائی میں جا کر دیکھتے
تو صحابہ کرامؓ کے ہاں بھی ان کا موقف اساس رکھتا ہے علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ

”اور مذاہب کی طرح اعتزال کے ابتدائی آثار بھی خود آنحضرت ﷺ

اور صحابہؓ کے زمانے میں موجود تھے۔“

پھر لکھتے ہیں کہ

”صحابہؓ میں ایسے بھی تھے جو ہر بات کو عقل کے معیار سے جانچتے یا کم از

کم یہ کہ عقل کو معاملات شریعہ میں بے کار نہیں خیال کرتے تھے یہی اعتزال کی اصلی

بنیاد تھی جس پر آگے چل کر بڑی بڑی عمارتیں قائم ہوئیں۔“ (شبلی ص 172 تا 6)

امام احمد بن حنبل المرتضیٰ (1437م) نے

صحابہ کی فکر سے اعتزال کا استدلال

کو، طبقہ اولے میں شمار کیا ہے۔ خلفائے اربعہ۔ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، ابوالدرداء، ابوذر غفاری اور عبادہ بن صامت (ص 1/9 تا 3) مثلاً ابوبکر اور عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ انہوں نے کلالہ، اور اس عورت کے بارے میں جس میں اس کے صہر کا معاملہ خود اسی کے سپرد کیا گیا ہو ہر ایک نے اپنے اجتہاد کے حوالہ سے کہا تھا کہ اقول فیہا برائی فان کان صواباً فمن اللہ وان کان خطاء فمنی ومن الشیطان

یہ ہماری رائے ہے اگر درست ہے تو اللہ کی جانب سے ہے، اگر غلط ہے تو ہماری جانب سے۔

اسپر امام احمد بن حنبل لکھتے ہیں کہ۔ فہذا القول یقتضیٰ بذالک اے بالتصویح بالعدل وانکار المعجور

ان کا یہ کہنا واضح کرتا ہے کہ وہ ”عدل“ پر ایمان رکھتے اور ”جبر“ کو تسلیم نہ کرتے تھے۔

اسی طرح عمر فاروق کا واقعہ ہے کہ

ایک چور نے جب کہا کہ مجھ سے چوری کا عمل۔ اللہ نے کرایا ہے تو فاروق اعظم نے ”جبر“ کی نفی کرتے ہوئے اسے چوری کی سزا دی۔ اور چوری کرانے کی اللہ پر ذمہ داری ڈالنے کے جرم میں درے بھی لگوائے۔ (ص 8/11 تا 11)

جب لوگوں نے حضرت عثمان کو محاصرے میں لے کر پتھر برسائے اور کہا کہ۔ اللہ عظیم پر پتھر برسا رہا ہے تو آپ نے فرمایا یہ اللہ پر جھوٹ ہے وہ نہ جرم کراتا ہے نہ اپنے کام پر سزا دیتا ہے۔ اس پر امام احمد بن حنبل لکھتے ہیں و ہذا ایضاً یقتضیٰ انکارہ الجبر

حضرت عثمان کا یہ جواب نیز عقیدہ جبر کی نفی اور عدل کی تثبیت کرنا ہے۔ (ص 12/11 تا 13)

عبداللہ بن عمر کے واقعات میں ہے کہ انہیں جب بتلایا گیا کہ کچھ لوگ زنا، شراب، سرقت اور خون

ریزی کا ارتکاب کر کے پھر کہتے ہیں کہ کان فی علم اللہ فلم نجد یثدا منه

یہ برائیاں اللہ کے علم میں تھیں ہم کرنے پر مجبور تھے۔ اس پر آپ نے شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ اللہ کے علم میں ان کا فعل تھا ان کے کرنے پر ان کو ابھارنا نہیں تھا۔ (ص 1/12 تا 4)

حضرت عبداللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے لعبد یعمل المعصیۃ ثم یقرہذ نوبہ علیہ نفسہ احب الی من عبد یصوم التہار ویقوم اللیل ویقول ان اللہ تعالیٰ یفعل الخطیئۃ فیہ

ایک انسان جو گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے مجھ سے سرزد ہوا ہے۔ تو ایسا

انسان مجھے اس انسان کی بہ نسبت اچھا لگتا ہے جو دنوں کے روزے رکھتا اور راتوں

کو نمازیں پڑھتا اور کہتا ہے کہ برائیاں اور خطائیں اللہ نے کرائی ہیں۔ (ص 12)

ابن عمر کا یہ قول نیز عقیدہ 'جبر' کی نفی کرتا ہے۔ (ص 10/12 تا 11)

حضرت عبداللہ بن عباس کے بیٹے علی ابن عبداللہ بتاتے ہیں کہ ایک بار میں اپنے والد کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص اندر آیا اور کہا اے عبداللہ بن عباس یہاں ایسے بھی لوگ ہیں جو۔ یزعم انہم اتوا من قبل اللہ وان اللہ اجیر ہم علیہ المعاصی خیال کرتے ہیں کہ انہیں اللہ ہی نے گناہوں کے کاموں پر مجبور کر رکھا ہے۔

اس پر ابن عباس نے فرمایا۔ لو اعلم ان منهم ہنا احد القبضت علیہ حلقہ فحسرتہ

حتیٰ تذهب روحہ عنہ۔ لا تقولوا اجبر اللہ علیہ المعاصی

اگر مجھے پتہ چلے کہ حاضرین میں سے کوئی اس طرح کا آدمی موجود ہے تو

میں اس کا گلہ پکڑ کر اس وقت تک دبائے رکھوں جب تک اسکی جان میں جان ہے۔

لوگو یہ نہ کہو کہ اللہ سبحانہ برائیوں کے ارتکاب پر مجبور کرتے ہیں۔

(ص 6/13 تا 11)

مقصود یہ کہ اللہ برائیاں نہیں کرتا انسان اپنے کرتوتوں کا آپ ہی فاعل ہے۔

حضرت انس فرمایا کرتے تھے۔ ماہلکت امتہ قط حتیٰ یکون الجبر قوم۔

جو قوم جبر یہ عقیدہ رکھتی اور عدل کے تقاضے کچل دیتی ہے اسکی تباہی میں

(ص 11/13)

دورائیں نہیں ہو سکتیں۔

حضرت ابی بن کعب فرماتے تھے السعید من سعد بعملہ والشقی من شقی بعملہ

سعادت و شقاوت اپنے ہی اعمال کے مظاہر ہیں یہ نہ کہو کہ شقاوت میں

(ص 12/13)

اللہ کا ہاتھ ہے۔

امام حسن سے روایت ہے ایک ایرانی دربار رسالت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ (آیتہم ینکحون امہاتہم و اخواتہم و بناتہم فاداقیل لہم لم تفعلون ذالک؟) ہمارے ہاں ایسے بھی لوگ ہیں جو ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں سے بیاہر جاتے ہیں پھر جب انہیں کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ فحش کیوں کرتے ہو؟ تو کہتے ہیں قضاء اللہ و قدرہ۔ اللہ نے ہمارے مقدر میں یہی لکھ رکھا تھا اور اسکے تقدیری فیصلوں کو ہم نہیں مٹا سکتے۔ یہ سن کر آپؑ نے فرمایا اما انہ سیکون فی امتی قوم یقولون مثل ذالک قال اولشک مجوس امتی۔

تم دیکھو گے کہ میری امت میں بھی ایسے ہی لوگ پیدا ہوں گے جو اپنے

برے کرتوتوں کو تقدیر کا فیصلہ کہیں گے۔ لوگوں لو کہ ایسے ہی لوگ میری امت کے

(ص 14/13)

مجوبی ہوں گے۔

امام حسن کی یہ روایت قرآنی نقطہ نظر سے تو بالکل درست ہے لیکن۔ اگر روایتی معیار کے مطابق بھی محفوظ اور بے عیب ہے تو معتزلہ کے مآخذ میں قابل فخر اضافہ ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ بھی ”جبر“ کے خلاف تھے ”عدل“ کی حمایت کرتے تھے۔

ایک بار نبی اکرم ﷺ سے۔ سبحان اللہ۔ کی تشریح دریافت کی گئی تو فرمایا۔ اللہ۔ ہر برائی سے پاک و منزہ ہے۔ (ص 14) ان حوالہ جات سے آپ معتزلہ کے افکار و عقائد کا بخوبی احساس کر سکتے ہیں کہ پاکیزگی اور اللہ کے لئے پاک جہتی کا کتنا خیال رکھتے تھے۔

دیگر اقوام کی طرح مسلمان بھی ضعیف عقیدہ کے مریض رہے ہیں۔ یہ بھی اچھنبہ پرستی میں کسی سے پیچھے نہیں،۔

راہوارِ جادہ قرآن کے القاب

انگشتی میں فیروزہ جزا ہو تو خوش بختی کے پٹ کھل جاتے ہیں۔ یا قوت اور زمرہوں تو بہت سی آفات سے پناہ ملتی ہے۔ روبرو ہو تو قسمت کے دارے نیارے ہیں۔ اسی طرح ان کا عقیدہ ہے کہ معجزات و کرامات، سحر اور منتروں سے کاپاپٹ جاتی اور قلب ماہیت یقینی بن جاتی ہے جبکہ معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ معجزات و کرامات ہوں یا تبدیلی کے مفروضہ دیگر اسباب و عوامل ان سے عقیدہ تو حید مجروح ہو جاتا ہے لہذا اہل توحید پر واجب ہے کہ احترام و عزت باری کے پیش نظر معجزات اور مفروضہ کرامات کے عقیدے اور تاثیر کی نفی کریں اور خدائے لایزال کے اختیارات میں شراکت سے باز رہیں نیز انسان سے جو برائیاں سرزد ہوتی ہیں ان کی نسبت اللہ کی

جانب نہ کریں۔ اس زاویہ سے معتزلہ کا ایک لقب ”توحیدی“ بھی ہے۔ لایرضہ لعبادہ الکفر اللہ۔ کفر، شرک قتل ناحق، زنا اور نافرمانی کی تمام اقسام کو ناپسند فرماتے ہیں کہ یہ تمام افعال انسان کے اپنے ہی ارادے اور اختیار کا مظہر ہیں۔ اللہ نے اسے بے اختیار پیدا نہیں کیا۔ اسے اختیار اور یہ قدرت حاصل ہے کہ جو عمل چاہے کر لے اس لحاظ سے ان کا ایک نام ”قدری“ بھی یعنی قدرت رکھنے والا بھی ہے۔ اسکے برعکس جن کا عقیدہ ہے کہ انسان اپنے ہر عمل میں بے بس اور مجبور ہے وہ جو عمل کرتا ہے وہ خود نہیں خدا کرتا ہے ان کو ”جبری“ یا سلفی یا اشعری کہتے ہیں حالانکہ اللہ کے قانون میں نہ جبر ہے نہ اکراہ۔

معتزلہ۔ کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ برائیاں ظلم ہیں ان کا مرتکب ظالم ہے۔ جبکہ اللہ ”عادل“ ہے جو برائیوں کا حکم نہیں دیتا اس لحاظ سے انہیں ”عدلی“ بھی کہا جاتا ہے۔ اس طرح قدری، توحیدی، اور عدلی سب اعتراض ہی کے پیکر ہیں اور اعتراض اس فکر کا اظہار ہے یا وہ جاہد ہے جس پر چل کر وحی قرآن تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے لہذا ان القاب میں فرقہ بندی کی ٹوہ لگانا بگڑے کردار لوگوں کا کام ہے۔

زوال عقل و دانش کا صدمہ جانکاہ

یہ بات کہ شعور و آگہی کا جو کارواں نوخ سے چل کر ابراہیمؑ پھر موسیٰؑ و عیسیٰؑ سے ہوتا ہوا محمدؐ بن عبد اللہ کے پاس آکر رُک گیا اپنی غرض و غایت پوری کر چکا تھا صحیح نہیں ہے ابھی شعور کے ارتقائی سفر اور ارتقاء کی آخری حد کا فیصلہ نہیں ہوا جبکہ انسان ازل سے تابد شعور کا محتاج رہا ہے۔ انبیاء بھی با شعور لوگوں سے خطاب کرتے تھے اور قرآن نے بھی شعوریوں ہی سے ہمکلامی کی لہذا یہ سوچ کہ اب شعور و آگہی کا کارواں رُک گیا ہے۔ اسکی رفتار تھم گئی ہے غلط ہے بلکہ اب عقل کی اہمیت یوں بھی دو چند ہو گئی ہے کہ عقل کے ساتھ نیا تجربہ ہاٹی اور مشاہداتی عمل یعنی سائنسی فہم بھی شامل ہو گیا ہے جبکہ مذہب پہلے ہی کسی فلسفے کے مقابل ٹھہر نہ سکتا تھا اب تو سائنس کے سامنے آنے سے کیا ٹھہرے گا پہلے عقل نے اگر لباسِ اعتراض میں اپنا فعال کردار ادا کیا تھا تو اب پہلے سے زیادہ حرمتِ فکری کے ساتھ اور بغیر کسی قدیم خواہ جدید نسبت اختیار کئے۔ کام ہو رہا ہے گذشتہ کئی صدیوں سے اعتراض جدید نے نسبتِ قیام کو اتار کر ایسے ایسے محیر العقول راستے تلاش کئے اور نظریات کو سائنس فلک جہتوں سے روشناس کرایا ہے کہ دنیا جو حیرت و استعجاب میں انگشت بدنداں ہے بلکہ اب تو ابوالحسن الاشعری کی اُمت بھی عقلیات کا سہارا لے کر ہی اپنی فکری کمزوری پر پردہ ڈال رہی ہے۔ یہ درست ہے کہ حالات کی ستم ظریفی نے معتزلہ کے عروج کو زوال میں بدل دیا ہے لیکن دنیا جانتی ہے کہ زوال کو کسی معقول طریقے سے لایا نہیں گیا۔ جبر و استبداد اور مذہب کے سیاہ ہتھکنڈوں سے قرآن والوں کو زوال آشنا کیا گیا لیکن یہ کیوں

نظر انداز کیا جاتا ہے کہ ”جدیدیت“ خود ان کے عقائد و افکار کو ایک ہی ریلے میں خس و خاشاک کی طرح بہا لے گئی ہے کیا یہ کم مکافات عمل ہے کہ آج مذہب کا نام لیتے ہی گھن آتی اور اشعری فکر سے بیزاری کی لہر ابھرتی ہے۔ مانا کہ اشعریوں نے معتزلہ کا وجود رہنے نہیں دیا لیکن کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ان کا کام پہلے سے زیادہ لازوال بن گیا ہے۔ اب کوئی سی تقلیدی نسبت استعمال کرنے کو یوں بھی معیوب سمجھا جاتا ہے کہ اب کوئی بھی ریسرچ سکار کام کو نظر میں رکھتا ہے نام کو نہیں ابوالحسن اشعری پیارہ اگر اعتزال چھوڑ کر سنی بنے اور طبقہ فقہاء اور محدثین نے جو منطق اور فلسفہ سے بالکل نا آشنا تھے ان کو فتوے کا سہارا دیدیا تحقیق و ریسرچ کا اسلوب چھوڑ کر فتوے الچکر کو فروغ دیکر نام کمایا۔ سنی جو عقلیات سے عاری تھے ان کو اپنے پیچھے لگایا۔ اس کے باوصف جب کبھی غیروں سے سامنا ہوا تو دفاع کیلئے وہی اسلوب اپنایا جسے کفر خالص کہہ کر چھوڑ چکے تھے بلکہ جدید نویسوں نے پوری تحدی سے کہا ہے کہ آخر عمر میں ”مقالات الاسلامیین“ لکھ کر ایک بار اپنے کئے کی تلافی کر ڈالی تھی۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا اب بیروکاران کی کج ادائی کو راہ صواب سمجھ کر ذریعہ نجات ٹھیرا چکے تھے۔ اب ان کی نظر اول و آخر پر نہیں تھی وہ درمیانی عرصے کی اخلاقیات ہی کو ضلالت سے بچنے کا وسیلہ بنا چکے تھے۔ اور یہ درست ہے کہ پانچویں صدی ہجری میں بڑے بڑے نامور علما نے آپ کے اسوہ کثیر کو اپنا کر بڑے معرکے سرکئے قاضی ابوبکر باقلانی (1013 م) ابن فورک (1015 م) ابواسحاق اسفرائینی (1016 م) اور ابواسحاق شیرازی (۔۔۔) نیز امام غزالی سب اسی دور کی پیداوار ہیں جب احادیث اور فتوے کا چلن تھا لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ عقل و شعور کا گلا دبانے والے تہی دست تھے تفہیم کا اسلحہ ان کے پاس نہیں تھا نتیجہ یہ کہ سائنسی دور شروع ہوتے ہی وہ سب کے سب موج دریا میں بہہ گئے بلکہ ان میں سے محمد بن الحسن بن فورک تو کھلے عام روہ ضلالت پر چل کر اپنی مسلم زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا تھا اسکا عقیدہ تھا کہ کان رسول اللہ ﷺ رسولاً فی حیاتیہ فقط وان روحہ قد بطل و تلاشی

رسول اللہ اپنی زندگی میں رسول تھے وفات کے بعد رسول نہ رہے اور مرنے کے بعد جناب کی روح باطل ہو چکی اور بھٹکتی رہی۔ (نمود باللہ) چنانچہ باطل عقیدے کی وجہ سے سلطان محمود غزنوی نے اسے زہر دے کر مروادیا تھا۔

(طبقات السبکی طبع مصر 52/3-56- النجوم الزاہرہ۔ 240/4- وفيات الاعیان 482/1-

تبیین کذب المفتری ص 232 وغیرہ)

اشعریوں کی بیگانہ خود حرکتوں سے خون آشام

تلوار کی پیاس خون سے بجھتی ہے

تلواریں فضا میں لہرائیں اور بے گناہوں کے خون سے نہلائیں اشاعرہ کی تعلیمات کے مطابق سلجوقیوں نے انسانی آبادی سے حریت رائے کا پورا استیصال کر دیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بچپن میں قطب الدین مسعود نیشاپوری سے تعلیم پائی تھی اور وہ اشعری المذہب تھے اسی طرح سلطان صلاح الدین کو جب حکومت حاصل ہوئی تو اس نے تمام حکومت میں بحیر اشعری عقائد جاری کر دیئے (مقریزی ص 250 بحوالہ شبلی ص 82) بہ جبر کے معنی یہ ہیں کہ موصل، شام، عراق، لبنان اور فلسطین وغیرہ مقامات پر معتزلہ ہی سرفراز اور سر بلند تھے لیکن صلاح الدین کی شافعی تلوار نے جس طرح صلیبوں پر فتح پائی اسی طرح کلمہ گو مسلمانوں کے گرم خون سے بھی اپنے حلق کو طراوت بخشی۔ نیز مصر کی ازہر بیٹے فاطمی یونیورسٹی کو شافعی یونیورسٹی میں تبدیل کر کے ثابت کر دیا کہ معتزلہ اگر انکی شاہی میں نہ پنپ سکتے تھے تو حنفی و شیعہ مسلمان بھی عزت کی نگاہ سے نہ دیکھے جاتے تھے۔

اسی طرح مراکش اور سپین میں بھی معتزلہ کو جبر کی نیند سلا دیا گیا۔ امام غزالی جن دنوں بغداد کے مدرسہ نظامیہ کے مدرس تھے مراکش کے محمد بن تو مرت نے ان سے تعلیم حاصل کی یہ اور ان کا والد عبداللہ المؤمن علی نے مراکش اور سپین پر حکومت اور بہ جبر اشعری عقائد کو فروغ دیا بلکہ حکم دیا کہ اشعری عقائد کے منکر کو قتل کر دیا جائے چنانچہ سخت خون ریزی کے بعد تمام اسپین اور مغرب میں اشعری کے سوا کسی فرقے کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ (مقریزی ص 358 بحوالہ شبلی ص 82) ان حالات میں اگر اجسام کو خاک و خون میں تڑپا دیا گیا تو وجہ بھی تھی مگر اس سے اعتراض کی روح، پالیسی اور ارتقائی سفر کو پھر بھی گزند نہ پہنچ پایا اور نہ ہی ابوالا باد تک پہنچ سکے گا۔

رواداری یا ابلہی؟ میں عالم اسلام کے بگڑے مزاج اور عقائد کی بحران پر نوہ کنناں ہوں۔ مجھے کسی فرد کی نہ تنقیص مطلوب ہے اور نہ ضرورت سے زیادہ احترام۔

بائیں ہمہ مجھ پر اعتراض ہے کہ میں نے راسخ العقیدہ ”قرآنی“ ہو کر بھی ابوالحسن اشعری اور ان کے ہمنواؤں کی فکری استبداد اور دانشوران قرآن پر مشق تکفیر کرنے کے باوصف انہیں قرآنی دانشوروں میں شمار کیا ہے۔ اس بارے میں میں اپنی صفائی میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اشعری کے بارے میں جدید نویسوں نے یہ تاثر دیا ہے کہ وہ جب کبھی دفاعی لہجہ میں بات کرتے تو ماضی بعید کی طرح عقلیات ہی کا سہارا لیتے تھے اور عقلیات کے اعتراف کے معنی ہیں کہ انہوں نے اعتراض کا یہ کہہ کر دوبارہ اعتراف کیا ہے کہ عقل اور اعتراض جدا نہیں ہو سکتے یہ ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں بلکہ دو جزواں بھائی کی حیثیت رکھتے ہیں ایسے میں میں نے ان سے زیادتی

نہیں کی جادۂ انصاف پر چلا ہوں کہ میرا شیوہ ہی یہی رہا ہے کہ نسبت کوئی سی ہو یا نسبت سے ہٹ کر کسی نے 5% بھی قرآن کے بارے میں خیر سگالی کا اظہار کیا ہے تو وہ نہ صرف تحسین و مرجا کا سزاوار ہے بلکہ اس کا حق بنتا ہے کہ اسے قرآنی دانشور کہا جائے۔ کیونکہ میرے نزدیک قرآن کسی فرقے کی کتاب نہیں ہے کائناتی مرقع ہدایت ہے اس سے ہدایت و رہنمائی حاصل کرنا ہر فرد بشر کا مشترک حق ہے خاص کر اشعریوں یا سنیوں میں سب کے سب فتویٰ فروش اور مشق تکفیر کرنے والے نہیں تھے امام رازی جیسے یگانہ روزگار بھی اشعری تھے جو نقل سے ہٹ کر عقل سے بھی کام لیتے تھے بلکہ اشعری ہونے کے ناطے سے ان کا یہ کارنامہ ابد الابد تک زندہ رہے گا کہ انہوں نے بطور خاص امام الشافعیؒ بن بحر الاصفہانی کے ”مفتاح الغیب“ میں جاہد جا حوالے دیکر اعتراض کو لازوال بنا دیا ہے اب یہ اخلاقی سفلہ بن یا اندھے تعصب کا اظہار ہوگا کہ ان کو دانشوران قرآن میں جگہ نہ دی جائے۔ یہ اگر میری خامکاری ہے یا ابلہ فریبی تو مجھے ایسی ابلہ فریبی پر بچھتاؤ انہیں سرسید الجندیت معتزلی تھے، شبلی حق معتزلی تھے محسن الملک، حالی اور مجتہد العصر چراغ علی شیعہ معتزلی تھے جو بعد میں سب ہی لبرل بن گئے تھے اور یہ سب ملت مسلمہ کے مایہ ناز فرزند تھے۔ لیکن اس کے باوصف وہ قرآن کے قد آور دانشور تھے بلکہ ظاہری نسبت تک استعمال نہ کرتے تھے صرف شبلی تھے جو نسبت نعمان سے اعزاز رکھتے تھے جبکہ نعمان بھی دراصل ”عقلیت“ ہی کا استعارہ ہے۔

غیر فانی رسالت یہ بات کہ اشعری صفات کی تاویل نہیں کرتے جس سے تجسیم کا عقیدہ جنم لیتا ہے۔ یا عصمت رسول کا پاس نہیں کرتے یا۔ رسول کو اس معنی میں خاتم نہیں مانتے کہ آپ بقید حیات نہیں ہیں۔ تو ہم ان پر بھرپور تنقید کرتے اور اپنا مفہوم کھل کر بیان کرتے ہیں ہماری ذمہ داری صرف اتنی ہے اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ میرا ایمان ہے کہ رسول اللہ اور قرآن کی رسالت نے باہم۔ ”مندموج“ ہو کر رسالت رسول کو دائمی اور ابدی بنا دیا ہے۔ اب اگر رسول انسانی پیکر میں ذاکہ فنا کچھ بھی چکے ہیں تو قرآن نے آپ کی خاک و گل والی رسالت کو اپنی رسالت کا جز بنا کر ابدی حیثیت دیدی ہے۔ رسول نہ ہو تو قرآن بہر حال ہمیشہ رہے گا یعنی رسول کی رسالت برنگ دیگر لازوال اور غیر فانی رہے گی اور دنیا فیضان رسالت سے سیراب ہوتی رہے گی۔

فحش کے رسیا۔ رجال حدیث میں نے انسانوں کی فکری کج ادائیگوں اور عملی کوتاہیوں پر نظر نہیں رکھی کہ وہ جانیں اور ان کا عمل۔ میرے لئے اتنا نئی کافی ہے کہ معتزلہ اگر شاہوں کے ندیم بن کر درباریوں میں آزادانہ گھوم بھر کر کسی فحش کا ارتکاب کر بھی لیتے

ہیں تو انہیں جان سے مار ڈالو تب بھی یہ نہیں کہیں گے ہم سے یہ برائیاں اللہ کرتا ہے خاص کر طنز اور نقد کا یہ پہلو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ گروہ فقہاء اور محدثین درباروں میں پہنچ کر نیند (عراقی شراب) بھی پیتے تھے اور درباری آداب کے مطابق شاہد باز بھی تھے اور باوصفہ کہ وہ فاسق کی روایت قبول نہ کرتے تھے پھر بھی ان سے روایت کرنے کا عام رواج تھا مثلاً سلیمان بن ارقم اور اس کے پوتے کے بارے میں مسب ہی نے لکھا ہے کہ فحش کے رسیا تھے درس حدیث بھی دیتے تھے اور خود تلامذہ کی دبر زنی بھی کرتے تھے (تہذیب التہذیب ابن حجر جلد 4/165)۔ اور سلیمان الشاذلی (847ھ) نے تو اس شغل سے بڑا نام کمایا۔

(لسان المیزان طبع دکن 84/388)

کہنے کا مقصد ہے کہ خوردہ گیروں نے بہت سے معتزلہ کو دانستہ ہدف منکرات و فحش بنا کر اعتراض کیا ہے اس طرح کے طبقہ فاجر کو دانشوران قرآن میں شمار نہ کیا جائے۔ مانا کہ مشورہ درست ہے مگر کتنے لوگ --- ذہنی پاکیزگی کے حامل ہیں اور فحش کو مجبوری تسلیم نہیں کرتے۔

بہت سی باتیں ہو چکیں مناسب ہو گا کہ احادیث کے رد و قبول کا وہ معیار بھی سامنے لایا جائے جو دانشوران اخلاقیات نے ملکر پیش کیا ہے تاکہ

صحت حدیث کا معیار

معتزلہ کی انصاف پسندی کا احساس کیا جاسکے۔ حدیث کے رد و قبول کا ایک معیار تو وہ ہے جو سرسید کے عہد سے زیادہ متعارف چلا آ رہا ہے یعنی ایسی روایت جو اللہ کے قول و فعل میں تضاد کو ابھارے وہ بھی مسترد ہے اور یہی معیار تفسیر کے بارے میں بھی ملحوظ رکھا جائے گا اس طرح ذیل کے معیارات اساسی حیثیت رکھتے ہیں جو

- (1) حدیث عقل کے خلاف ہو۔ (2) جو حدیث قرآن کے خلاف ہو۔ (3) جو حدیث فطرت کے خلاف ہو۔ (4) جو حدیث تاریخ کے خلاف ہو۔ (5) جو حدیث موقع یا قرینہ کے خلاف ہو۔ (6) جو حدیث مشاہدے کے خلاف ہو۔ مثلاً کعبۃ اللہ کے مشاہدے میں چار کوٹنے ہیں مگر روایت میں پانچ بتلائے جائیں۔ (7) راغبی صحابہ کے اور خارجی آل فاطمہ کے مطاعن روایت بیان کرے۔ (8) چھوٹے چھوٹے عمل پر بڑے اجر اور صلہ کا وعدہ اور چھوٹے گناہ پر بڑے عذاب اور سزا کی وعید ہو۔ (9) واقعہ ایسا ہو جسکے بیان کرنے والے بہت سے لوگ ہو سکتے ہوں مگر صرف ایک ہی شخص روایت کرتا ہو۔

یہ تمام شرائط عادلانہ اور منصفانہ ہو سکتی ہیں بلکہ کچھ اور اصول بھی ہو گئے جو مناسب پالیسی کے حامل ہو گئے لیکن حدیث گری کے صنعت کار اتنے بھی بھولے نہیں تھے کہ ان شرائط اور اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے بھی مارکیٹ میں جعلی مال نہ لاسکیں؟ وہ ایسی احادیث ہی کیوں وضع کر لیں گے جو ان اصولوں کی زد میں

آنے والی ہوں تاہم یہ اصول علی وجہ القریب درج کئے گئے ہیں جو تنقید کی صرف بنیاد فراہم کرتے ہیں آپ ذہین اور فطین ہیں نمبر 1، نمبر 2 اور نمبر 3 پر اگر سختی سے کاربند ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیابی آپ کے قدم نہ چومے۔ خاص کر محدثین یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جس حدیث کے راوی مجروح ہوں۔ یا ان پر جرح بھی ہو اور تعدیل بھی تو احتیاط اسی میں ہے کہ جرح کو مقدم رکھا جائے امید ہے میرا اشارہ کافی ہوگا۔

دانشورانِ قرآن کی دوسری قسم

یہاں تک معتزلہ کے پاکیزہ اصولوں اور شرائط اور صحت فکر کے معیار کی تفصیل تھی اب دانشورانِ قرآن

کے ان راہواروں کا تعارف ہوگا جو لغت، ادب اور استعمالاتِ عرب کی دوسری اصناف سے قرآن کے دفاع میں خصوصی مذاق رکھتے ہیں انہیں بھی ہر مدرسہ فکر کے دانشوروں نے حصہ لیا اور فکری نسبتوں کے باوصف چھ حقائق کا ساتھ دیکر فکر کے زاویے درست کئے۔ بات یوں بنی کہ ہمارے اسلاف نے مفرداتِ قرآنی سے تعرض نہیں کیا چند تفاسیر بلکہ تراجم کو سامنے رکھ کر ان ہی تراجم کو کسی دوسرے قالب میں ڈھال کر ترجمہ در ترجمہ پر عمل کیا جاتا رہا جس سے نہ تو کلمات اللہ کا اعجاز شکستہ ہوا اور نہ ہی مفہیم واضح ہوئے۔ کسی بھی شے پارے کو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنے کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ ترجمہ پڑھ کر مصنف کی محنت، دماغی کاوشوں، علمی اور نادر خیالات سے پوری طرح آشنا ہوں اور استفادہ کریں۔ یہاں تو پھر کلمات اللہ کی بات ہے جو تمام شے پاروں کا منبع ہے اسے تحت اللفظ اور طے کردہ نظریاتی ترجموں کے ذریعہ متعارف کرانا ستم ظریفی ہے۔ شاید خطرہ یہ لاحق ہو کہ مفرداتِ قرآن کو اگر نزولِ قرآن کے محاورات، ضرب الامثال اور استعمالات کی روشنی میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی تو اس سے اسلامی اصطلاحات مثلاً صوم و صلوة، حج و زکوٰۃ وغیرہ متاثر ہو جائیں گی تو یہ خام خیانی اور وہم ہے اور حقیقت سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اصطلاحات اگر شارع کی موجودگی میں دوسرا مفہوم اختیار کر چکی ہیں اور پیغمبر اہل زبان ہونے کے ناطے سے اصطلاح سازی کا پورا حق رکھتا ہے اور قوم نے انہیں قبول عام بھی بخشا ہے تو ان کی لغوی اور ادبی تحلیل ضروری نہیں ہے پیغمبر لغت اور اصطلاح کے تقاضوں کا بخوبی ادراک رکھتا ہے اور اسی ”ادراک“ کی ضوء میں اصطلاح کو روشناس کراتا ہے۔ لیکن یہ اصطلاحات درجن بھر سے زیادہ نہیں ہیں انکی آڑ میں ان سینکڑوں ہزاروں مفردات کے ڈھنساٹے کردہ مفہیم پر اصطلاح کا اطلاق نہیں کر سکتے۔ یہ قرآن پر صریح ظلم ہوگا۔ اور اسی ظلم کا سد باب کرنے کے لئے ہی عربی ادبیات کے ہزاروں دانشوروں نے صدائے احتجاج بلند کی اور دیکھتے ہی دیکھتے پچاس سال کے مختصر عرصے میں قرآنی ادب کا اتنا ذخیرہ جمع ہو گیا کہ دنیا جو حیرت رہ گئی حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے حساس طبقہ کی

طرح انہیں بھی احساس تھا کہ قرآن پاک ایسے دور میں نازل ہوا جب چارہاں گے عالم میں مشیت، پابائیت اور ملوکیت کا سکہ رواں دواں تھا۔ انسانیت فرقوں اور قبائل میں بٹی ہوئی باہم دست و گریباں تھی۔ سخن منجی و سخن فہمی عرب کا طرہ امتیاز بنی ہوئی تھی۔ فصاحت و بلاغت۔ ضرب الامثال اور شاعری ان کا سرمایہ افتخار تھی۔ انہیں زبان کی سبک روی، ایجاز، اختصار اور ساتھ ہی جامعیت پر بڑا ناز تھا۔ لہذا ہر بات میں تحدی اور ہر قول میں دعوت مبارزت ان کا دلپسند مشغلہ تھا۔ ایسے ماحول میں قرآن کا اپنی دعاوی کے ساتھ میدان میں نکل آنا کسی حادثہ سے کم نہیں تھا لیکن قرآن تو حادثہ نہیں ایک حقیقت تھا جو پوری توانائیوں سے مقابل میں آچکا تھا۔ اس نے سب سے پہلے ان کی فصاحت و بلاغت کے ساتھ ساتھ اپنے پیش کردہ دستور ہدایت کا بدل یا مثل پیش کرنے کا چیلنج دیا اور اس طرح اپنے گرد لاتعداد حاسدوں کو جمع کر ڈالا جو اسی ایک ہی دھن میں لگ گئے کہ اس کے ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ میں، گرامر، ادب اور استعمالات قبائل کی رو سے غلطیاں نکال نکال کر دنیا کو باور کرائیں کہ جس کتاب کی زبان ہی درست نہیں جو بات کرنے کا سلیقہ ہی نہیں جانتی اسکی ہدایات کیا درست ہوں گی؟ تاہم یہ حاسد مقابلہ بازی میں ناکام ہو کر بالآخر دب ہی گئے کہ خود قرآن بھی ان ہی کی زبان کا ایک شاہکار تھا اور وہ اس حقیقت کو بخوبی سمجھتے تھے۔ لیکن تین چار عشروں کے بعد جب مسلم فتوحات نے کرۂ ارضی کے بیشتر حصے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تو غیر عرب مفتوحین کے ایک گونہ باشعور طبقے نے مقابلے کی تکنیک کو بدلتے ہوئے شکوک و شبہات کے زیر زمین حملوں کو منظم کرنا شروع کر دیا۔ یعنی عرب حاسدین جہاں الفاظ و تراکیب میں فنی غلطیاں تلاش کرتے کرتے تھک گئے وہاں غیر عرب مفتوحین نے اسکے مفہیم و مطالب میں تبدیلی لانے کا بیڑا اٹھایا کہ اس طرح قرآن کی لازوال تعلیمات از خود ہی توانائی کے اس جوہر سے عاری ہو جائیں گی جن کی طفیل جہاں نو میں فاتحانہ پیش قدمی اس کا مقدر بن گئی تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ زیر زمین حملے کامیاب ہو گئے اور دست و گریبان وہ انسان جن کو کتاب ہدے نے توانائی اور ناقابل تفریق وحدت بخشی تھی ہر پہلو سے پارہ پارہ ہو گئے اب نہ ان کے پاس فکرِ صحیح تھی نہ عقلِ سلیم۔ یعنی اس حملے کی تکنیک یوں بنادی گئی کہ کتاب ہدے کی مفردات کے مفہیم میں تبدیلی لانے کے لئے بڑی دقت، ہارکی، ہشیاری اور چابکدستی سے یہ کیا گیا کہ ان کا شعر و ادب، محاورات، ضرب الامثال و دیگر اصنافِ سخن سے رابطہ منقطع کر کے اسی دوران طے کردہ مفہیم سے جوڑ دیا گیا یعنی ہر مفرد کی ذیل میں ایک روایت گھڑ لی گئی کہ اس طرح قرآن گویا۔۔۔ کی زبان بند کر کے ترجمانی کا حق اُن روایات کو دیدیا گیا جو اس مقصد کے لئے نہ صرف خام مال مہیا کر سکتی تھیں مقاصد کے تعین اور پھر توثیق کا معیار بھی انہیں ٹھیرایا گیا تھا۔

عرب جو تفہیم قرآن کے لئے زبان، ادب، محاورات اور شعر کو کافی سمجھتے اور نزول قرآن کے استعمالات کو بہتر ذریعہ ٹھہراتے تھے وہ ان طے کردہ نظریاتی مفہیم کے لئے نہ شعری کلام پاتے تھے نہ ادبی محاورے بلکہ اصنافِ سخن میں سے کسی بھی صنف کو ان کا پشت پناہ نہیں سمجھتے تھے وہ ایک ایسی نئی الجھن میں الجھا دیئے گئے جس سے بآسانی جان برہونا ممکن نہ تھا۔ لیکن وہ اس پر قانع بھی نہ ہو سکتے تھے کہ انکی زبان اتنی جامع اور ہمہ گیر ہو کر بھی اپنی مفردات کے لئے نہ شعر و ادب کی سندرکتی ہو نہ ضرب الامثال و محاورات کی تائید؟ جب قرآن اتر رہا تھا جو کلام یا اصنافِ سخن موجود تھے ان میں طے کردہ نظریات و روایت کی صنف کا وجود ہی نہ تھا پھر یہ جال بٹا گیا تو کس طرح بٹا گیا؟ چنانچہ عرب دانشوروں کے حساس طبقے نے کروٹ بدلی اور طے کردہ مفہیم کے لئے ادب اور لغت کی سند مانگنا شروع کر دی۔ لیکن سند کہاں؟ چنانچہ ذیل کے مفکرین عرب و اسلام نے برملا اعلان کر دیا کہ قرآن کے مفردات کی وہی تشریح قابل تسلیم ہوگی جو اساسی ملور پر زبان و ادب و استعمالات قوم کے مطابق ہوگی۔ اور باہر کی وہی تشریح سنی جائے گی جو ان قواعد و ضوابط کے گرد گھومتی ہوگی۔

یہ ماہرینِ لسان و ادب اور جہابذہ فن کون تھے؟ اس سوال کے جواب میں راہوارانِ علم و ادب کا اسی تعارف پیش کر رہا

ہوں تاکہ کاروانِ شوق کے راہواروں کا پتہ چل سکے۔

امام ابوحنیفہ (767 م)، ابن الاعرابی (848 م)، ابن جنی (1002 م)، ابن خالویہ (981 م)، ابن ورید (934 م)، ابن السکیت (839 م)، ابن شمیم (820 م)، ابن فارس (1000 م)، ابن قتیبہ (848 م)، ابن الککبی (820 م)، ابو تراب (806 م)، ابو زید (831 م)، ابو عبیدہ (840 م)، ابو عبیدہ (826 م)، ابو عمرو بن العلاء (774 م)، ابو عمرو الشیبانی (822 م)، ابو البشیم (838 م)، الازہری (981 م)، اصمعی (832 م)، الاموی، ثعلب (904 م)، الجوهری (1003 م)، خلف الاحمر (801 م)، خلیل (791 م)، خوارزمی (992 م)، زجاج (429 م)، سلمہ (855 م)، سیبویہ (779 م)، السیرافی (979 م)، صاحب (۳۸۵ھ 995 م)، عمارہ بن عقیل (854 م)، فراء (823 م)، کسائی (806 م)، لیحانی (831 م)، فقہی (780 Faqaasiyy)، لیث (782 م)، مبرد (898 م)، مفصل العصبی (836 م)، مورج (810 Muarrij)، جاحظ (871 م)، الفارابی (962 م)، رؤبہ (763 م)، الککیت (847 م)

ان سب دانشوروں نے اپنی کتابوں میں وضاحت کی ہے کہ روایات کتنا ہی درجہ صحت کو پہنچی ہوں الفاظ کا مزاج ان کے مفہیم سے ابا کرتا ہے اور جہاں روایت و معانی میں مطابقت پائی جاتی ہے وہاں روایت کی خوبی نہیں بلکہ محض اتفاق ہے کہ ادبیات عرب سے اسکی توثیق مل گئی۔

ان دانشوروں کے علاوہ ابن ندیم نے ذیل کے یگانہ روزگار علمائے قرآن کے نام بھی دیئے ہیں جنہوں نے معانی القرآن (یعنی لغات القوان) کے نام سے کتابیں لکھیں مثلاً۔

ابن کسبان۔ ابن الانباری۔ ابو معاذ النخوی۔ ابوالمہمال عیینہ۔ ابو عبد الرحمن الیزیدی۔ محمد بن عزیر الجستانی۔ ابو بکر بن الوراق۔ ابو الحسن العروسی۔ محمد بن دینار الاحول۔ ابو زید اللبثی۔ یثیمین عدی۔ محمد بن یحیی القطعی۔ امام واصل بن عطاء وغیرہ۔ (ملاحظہ ہو ابن الندیم طبع دار المعرفہ بیروت ص 51، ص 52، ص 53)

اس کے ضمن میں جو کچھ بھی مروی ہے اسکا ماخذ نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے صرف 2 فیصد روایات پر تو اس مفروضہ کا اطلاق صحیح ہو سکتا ہے لیکن 98 فی صد وہ وضعی تفسیر ہے جو بعض صحابہ اور تابعین کے نام سے وجود میں آئی ہے۔ پھر بحث اس سے نہیں کہ تفسیر بالروایت لامحالہ ہی وضعی اور غلط ہے؟ اعتراض اس پر ہے کہ یہ تفسیر مقاصد قرآن کے منافی بھی ہے یعنی یہاں قرآن کی عصمت کو راوی کی عصمت پر بھیئت چڑھایا گیا ہے مثال کے طور پر

رسول اللہ ﷺ کی عصمت طے کر وہ نہیں طے شدہ عقیدہ ہے واللہ یعصمک من الناس (مائدہ۔ 70) لیکن روایات کی رو سے نبی کی ردائے عصمت کو لبید بن اعصم یہودی کی ساحری نے تار تار کر دیا ہے۔ اب قرآن لاکھ کہے کہ لا یفلح الساحر حیث اتے

ساحر جہاں سے بھی حملہ آور ہو کامیاب نہیں ہو سکتا۔ (طہ۔ 69) لیکن وہ ان آیات کے واضح مغایہم کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ روایات میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ لبید کے جادو سے چھ ماہ تک دماغ رنگی کے عالم میں رہے کہ بسا اوقات بیویوں سے مباشرت کر لینے کے باوصف نہ جان سکتے تھے کہ ایسا کر چکے ہیں یا نہیں؟ اس روایت کے راوی سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ہذا اشد ما یکون من السحر اذا کان کذا

اگر آپ مباشرت کر چکنے کے بعد اسے بھول جاتے تو سمجھ لو کہ آپ پر سحر کا شدید حملہ ہو چکا تھا کہ قوتِ ممیزہ ناکارہ ہو چلی تھی۔

(تفسیر ابن کثیر طبع مصر جلد 574/4، 575، 65)

گویا کہ غسل جنابت بھی نہیں فرماتے تھے کہ عمل مباشرت آپ کو یاد ہی نہیں رہا تھا اور یونہی ناپاکی اور عالمِ وارنگی میں نمازیں اور عبادات بجالاتے رہے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس طرح اس روایت میں نبی اکرم ﷺ کی عصمتِ نبوت کو تار تار کر دکھلانے کے علاوہ ”سحر النبی“ کے خطاب سے بھی آپ کو نوازا گیا یعنی ”سحر زدہ پیغمبر“۔

(روح المعانی طبع مصر جلد 22/282/30 تا 24)

یعنی مسلمان خود ہی ”سحر زدہ نبی“ کہتے سنے گئے حالانکہ قرآن فرماتا ہے اذ یقول الظالمون ان

تنبعون الا رجلا مسحورا ۝ انظرو کیف ضربوا الکم الامثال فضلوا

ان ظالموں کی سنو کہ یہ کہتے ہیں اے مسلمانو تم تو ایک سحر زدہ پیغمبر کی

مانتے چلے جاتے ہو؟

غور کیجئے ان لوگوں نے آپ کی (شان سے فروتر) کیسی (بھدی)

مثالیں تراش لیں اور گمراہ ہو گئے۔ (اسراء 47، 48۔ نیز فرقان 9، 8)

ان آیات میں جہاں رسول اکرم ﷺ کے سحر زدہ ہونے کی قطعی نفی کی گئی ہے وہاں یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ ظالم اور کفار ہی ایسا کہتے تھے مسلمان نہیں کہہ سکتے۔ یہاں روایت اور قرآن میں صریح تضاد ہے اسکے باوصف نبی کی عصمت کو راوی کی عصمت پر بھینٹ چڑھایا گیا کہ روایات میں یہی کچھ طے کر لیا گیا تھا۔ پھر نہ صرف یہ کہ یہ جو قرآن مسلمانوں کی صفائی بیان کرتے ہوئے نبی کی سحر زدگی کو کفار اور ظالموں کی ہڈیاں سرائی قرار دیتا ہے روایت اس صفائی کے برعکس یہ واضح کرتی ہے کہ سحر النبی۔ مسلمانوں کے نزدیک بھی آپ مسحور تھے اور ایک دو دن نہیں چھ ماہ تک۔

یہ تھے وہ اسباب و علل جن کی وجہ سے شاعران ادب عربی نہ چاہتے تھے کہ مفردات قرآن کے لئے روایت سے رجوع کیا جائے کیونکہ ایک ادیب اور دانشور کا مذاق اتنا بلند اور نفیس ہوتا ہے کہ وہ الفاظ کے مزاج سے ہٹ کر بات کرنا پسند نہیں کرتا وہ الفاظ کو ماحول اور استعمالات قوم کے ضوء میں اتنی خوبی، موزونیت اور فنکاری سے استعمال کرنے کی قدرت رکھتا ہے کہ اس میں کوئی نقص، خالی اور جھول نہیں ہوتی۔ ان ہی ادیبوں اور دانشوروں کی صف کے ہمارے لسانیات کے دانشور ہیں جنہوں نے سالہا سال تک الفاظ کے مزاج اور تیور سمجھنے میں صرف کئے اور اب ان کا ذوق اتنا بلند اور فزوں ہے کہ وہ بلاشبہ الفاظ کے جوہری کہے جاسکتے ہیں اور الفاظ کے جوہری کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ ذخیرۃ الفاظ میں سے کھٹکتا ہوا لفظ چن کر مقابل میں رکھ دیتا ہے جو جامعیت اور معانی کے لحاظ سے اپنا بدل نہیں رکھتا۔

یہ درست ہے کہ سادہ باتوں کی تفہیم بھی سادہ ہوتی ہے لیکن علمی دور میں علم ہی کی باتیں ہوں گی اور

یہاں بھی اصنافِ سخن ہی کا کمال ہے کہ اسکے اصول ہر دور اور ہر علاقے میں یکساں قابلِ تسلیم رہے ہیں اور ان کی روشنی میں ایک ادیب اور دانشور جب چاہے بات کر سکتا ہے کیونکہ وہ متکلم ہے الفاظ کے مزاج دیکھتا اور ان کی ضوء میں بات کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس کی بات کو یہ کہہ کر مسترد نہیں کیا جاسکتا کہ ان کا ترجمہ کسی دینی ادارے کے دستارِ بندہ سے بدعالم کا ترجمہ نہیں ہے؟ یہ منطق اب فرسودہ ہو چلی ہے۔ کیونکہ علم و حکمت اللہ کی دین ہے، وہ جہاں چاہے جمع کر دے اس میں نہ حسد کی گنجائش ہے اور نہ بیجا تعصب و نحوہ کی۔ ان کو نشانہ حسد و تنقید بنانے کا مقصد ہے کہ امام الامت ابوحنیفہ سے لے کر کسی آخری جہاندہٴ فتن تک کو نشانہ بنایا گیا ہے کہ یہ ان کے خوشہ چیں ہیں ان کا جرم خوشہ چینی کا ہے اور انہوں نے جس محبتِ شاق سے بحرِ الفاظ میں غوطہ زنی کر کے معانی و مقاصد کے موتی نکالے ہیں ان کی قدر و قیمت کا احساس کرنا چاہئے۔ ان کا ادبی ذوق پاکیزہ اور بلند ہے وہاں تک اگر رسائی نہیں ہو سکتی تو اپنے مبلغِ علم کا جائزہ لیجئے بیجا تنقید سے گریز کیجئے۔ الفاظ کے جوہری سے بھلائی کی اُمید رکھنی چاہئے کہ وہ ان کی روح اور سپرٹ کا بھی خیال رکھ سکتا ہے۔ امام محمد شلتوت شیخِ الازہر مرحوم فرماتے ہیں ولنا ان مختار رائے الخلف من المتکلمین الذین یصوفون اللفظ عن ظاہرہ الیہ معنی یلیق بجلال اللہ و تنزیہہ

ہمیں چاہئے کہ تعصب کی ڈگر سے ہٹ کر زمانہٴ بعد کے ان متکلمین و فلاسفہ کے علمی شہ پاروں کو قبول کر لیں جنہوں نے الفاظ کے ظاہر کی بہ نسبت انکی روح اور سپرٹ کو دیکھتے ہوئے اس انداز سے استعمال کئے ہیں کہ اللہ کی شانِ کبریائی اور تقدیس کے شایان ہیں۔

(تفسیر محمد شلتوت طبع ہفتم دار الشروق بیروت و قاہرہ جلد 1/60/15 تا 16)

یعنے عرش، کرسی، چہرہ، آنکھ اور ہاتھ وغیرہ کے جو معنی ادبیاتِ قرآن کے متکلمین نے کئے ہیں وہی قبول کرنے چاہئیں اور جو کچھ روایات میں ہے اسے ترک کر دینا چاہئے۔ اسی طرح امام رازی فرماتے ہیں ان هذا الاجماع ممنوع فقد قال بهذا القول مجاهد و هو من اکابر المفسرین ولا نابینا فی اصول الفقہ ان استنباط تاویل جدید فی الآیۃ لم یدکرہ المتقدمون جائز ۵

کہتے ہیں کہ اس معنی پر اُمت پر اجماع ہو چکا ہے۔ جی نہیں اس اجماع کو مجاہد بن جبر کے ویٹو نے مسترد (منوع) کر دیا ہے کہ وہ بھی ایک بلند پایہ مفسر ہیں۔ اور ہم اصولی فقہ کی کتاب میں واضح کر آئے ہیں کہ

آیہ قرآن کی کوئی سی بھی ایسی توجیہ جسے متقدمین نے ذکر نہیں کیا
متاخرین میں سے اگر کوئی کر پاتا ہے تو بالکل جائز اور روا ہے۔

(تفسیر امام رازی طبع محمد عبدالرحمان مصر جلد 232,231/9)

یعنی کہ امام رازی کے نزدیک اصول عربیت کی مراعات کسی خاص دور سے مربوط نہیں ہے کسی بھی
دور میں اسے ملحوظ رکھ کر تشریح کا نیا اسلوب اختیار کیا جاسکتا ہے۔

ناظرین محترم:- یہاں تک دانشوران قرآن کے پاکیزہ عقائد اور اذکار کا تعارف ہو چکا اب
قلمی چہرے ملاحظہ ہوں۔

والسلام مع الکرام

رحمت اللہ طارق

13 نومبر 2000ء مطابق 15 شعبان 1420ھ ہجری





صدیق اکبر (634 م)

1

سالارِ اُمّ ۱؎ کے جگری یار سیدنا ابوبکر صدیقؓ (634 م)۔ لغزشوں اور خطاؤں کی نسبت انسان ہی کی طرف کرتے ہیں عدلسی عقیدے کے مطابق اللہ کی مکمل تنزیہ و تقدیس کے قائل تھے۔ مثلاً مسئلہ کلام کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اقول برائی فان کان صوابا با فمّن اللہ وان کان حظاء فمّنی

یہ میری رائے ہے اگر درست ہے تو اللہ کی جانب سے ہے اگر نادرست ہے تو میرے ذمہ ہے۔ (صفحہ 4/11 تا 7)

اس پر احمد بن حنبلؒ لکھتے ہیں و هذا القول يقتضي بذا لك اے بالتصريح بالعدل وانكار العجز

آپ کا یہ فرمان واضح طور پر آپ کے عقیدے کی نشاندہی کرتا ہے کہ آپ عدلسی تھے جبری نہیں تھے۔ (۔۔۔ صفحہ 11)



عمر بن خطاب (644 م)

2

خالق ارض و سما نے جب انسانوں کو ارضی نظام درست کرنے کی ذمہ داری سونپی تو اس نظام کو چلانے کی پالیسی یہ عطا فرمائی کہ ان المحکم الا للہ۔ حکمرانی صرف اللہ کا حق ہے (القرآن) یہ نہ موروثی ہے نہ جانشینی کے روایتی طریقوں سے اسے چلایا جاسکتا ہے کہ اللہ کا نہ کوئی وارث ہے نہ جانشین چنانچہ تمام انبیاء نے اللہ کے حق حکمرانی کا احسن طریق سے پاس کیا اور آخر میں یہ ذمہ داری مسلمانوں پر عائد کی گئی۔ چنانچہ مسلمانوں کے زیرِ ک اور دانش بصیرت کے اعلیٰ مقام پر فائز سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (644 م) جب



خلیفہ اونٹ کی پکڑے ہوئے مہار آئے

حضور دوش مساوات پر سوار آئے

مسلمانوں کے نمائندہ قرار پائے تو اس رہائی پالیسی کو رہنما بناتے ہوئے اعلان کر دیا کہ حسبنا کتاب اللہ ہمیں اللہ کی عطا کردہ پالیسی یعنی قرآن کافی ہے چنانچہ اس پالیسی کو اپناتے ہوئے حدیث و روایات کی تدوین اور باب بندی کو ممنوع اور قابل سزا جرم ٹھہرا دیا کہ اس کے بغیر کتاب اللہ کو سپریم لاء نہیں بنایا جاسکتا تھا۔ مثال کے طور پر ایک مسئلہ ہے کہ مفتوحہ علاقوں کی متروکہ املاک کو تقسیم کر دینا چاہئے کہ فوجیوں میں مشاہرہ سسٹم ابھی رائج نہیں تھا۔ اسکے باوجود نبی اکرم ﷺ نے ”خیبر“ میں اموال منقولہ کو تو سپاہیوں میں تقسیم کر دیا لیکن جائیداد غیر منقولہ یعنی زرعی اراضی، نہروں اور چراگاہوں کو تقسیم نہیں فرمایا۔ انہیں آباد کاری کی نئی شرائط پر بیت المال کی ملکیت قرار دے کر پہلے سے کاشتکاروں کے پاس برائے کاشت رہنے دیا گیا۔ اس کے لئے بظاہر اگرچہ کوئی نیا حکم نہیں دیا گیا تھا جس سے روایت پرستوں نے غدر بنا لیا کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس کاشت کرنے والے۔ بندے۔ نہیں تھے لہذا سابقہ مالکان ہی سے معاملہ طے کر دیا۔ اس کے بعد جب فاروق اعظم نے زمام حکومت سنبھالی تو صحابہ کرامؓ سے عراق، شام، فلسطین اور مصر اور دوسرے سرسبز علاقوں کی آباد کاری کے لئے مشورہ طلب ہوا۔ ادھر صحابہ کرام کی اپنی رائے کے علاوہ کسی ذریعہ سے فاروق اعظم کی رائے کا پتہ بھی چل گیا تھا۔ غرض کہ راکمیں دو ہو گئیں کسی نے کہا متروکہ املاک کی طرح زرعی املاک کو بھی تقسیم ہی کیا جائے اور کسی نے فرمایا بیت المال کی ملکیت بنادی جائیں اب فیصلہ کے لئے نازک لمحے شروع ہو چکے تھے آخر الامر حسبنا کتاب اللہ والے عمر خطاب نے قرآن سے مشورہ لیا تو قرآن نے یہ رہنمائی فرمائی کہ والارض وضعها للانام زمین جس میں پھل، فروٹ، کوئلیں، کھجور، انگور وغیرہ پودے اُگتے ہیں تمام انسانوں کے لئے (مشترکہ) ہے (رحمان، 11، 12) نیز فرمایا۔ هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً اللہ وہ ہے جس نے زمین اور جو کچھ اسمیں ہے تم سب کے لئے (مساوی طور پر) پیدا کیا ہے۔ (بقرہ، 29) اس طرح صحابہ کرام اور فاروق اعظم کی ذاتی رائے اور قرآن کی رہنمائی نے فیصلہ سنا دیا کہ زمین تمام نوع بشر کی زیست کا مشترکہ ذریعہ ہے لہذا یہ انفرادی ملکیت نہیں بن سکتی اور یہ جو اموال متروکہ تقسیم کرنے کا اشارہ ہے تو اس سے سراد اموال منقولہ ہے غیر منقولہ نہیں ہے چنانچہ اس سے پہلے جن سپہ سالاروں نے اپنی صوابدید کے مطابق بعض علاقے مثلاً۔ جابیہ۔ وغیرہ سپاہیوں میں تقسیم کر دیئے تھے فاروق اعظم نے ان کا دل رکھنے کے لئے فی حصہ اسی 80 دینار (سونے کے) دے کر اراضی واپس لے لیں اور بیت المال کی تحویل میں دیدیں۔

(ملاحظہ ہو قاضی ابو یوسف کی الخوارج ص 14۔ ابو عبیدہ قاسم بن سلام کی کتاب الاموال طبع مصر ص 59۔ اور تہجد بن آدم کی کتاب الخوارج صفحہ 27، صفحہ 28، صفحہ 48 وغیرہ)

سیدنا فاروق اعظم اللہ سبحانہ کی ذات کے بارے میں بڑے حساس تھے ایک شخص نے اپنے بھرانہ افعال کو اللہ سبحانہ کی طرف نسبت دیدی اور کہا کہ مجھ سے یہ چوری اور دیگر افعال شنیعہ اللہ نے کرائے ہیں آپ نے اسکی پیٹھ پر دروں کی تواضع کر کے اسکے غلط عقیدے کی اصلاح کر دی۔ چوری کی سزا متراد۔

آپ نے اپنے اعمال سے کہا کہ جب کبھی امر متنازع کا فیصلہ کرو تو یہ دیکھو کہ کہیں اس امر میں تم خود تو ملوث نہیں۔ (زرکلی 204/5) امام زہری کا بیان ہے کہ۔ کان عمر اذا نزل به الامر المعضل دعا الشبان فاستشارهم بیتغی حدة عقلهم آپ ہر پیچیدہ معاملہ میں جوان فکر لوگوں سے انکی ذہنی آزمائش کے طور پر مشورے کرتے تھے۔ (طبری 217، 187/1 - حلیۃ الاولیاء 38/1)۔ آپ کا یہ بھی معمول تھا کہ آپ موقع محل کی مناسبت سے اشعار بھی پیش کرتے تھے۔ (زرکلی 204/5)



حضرت عثمان (656م)

3

سیدنا عثمان بڑے قد آور صحابی تھے قرآن آپ کی سانسوں میں بسا ہوا تھا۔ اللہ نے جو مال و دولت کی فراوانی عطا کی تھی وہ اس کے صرف امین تھے۔ اسلام اور سید المرسلین کو جب کبھی مالی معاونت کی ضرورت پڑی اپنے داماد اوسط کو دستک دی۔ آپ نے قحط سالی کے ایام میں غلہ کے قافلے منڈی میں پہنچنے سے پہلے ہی خرید فرما کر پوری رعایا کی تمام اقسام کو فراہمی کا یکساں چانس دیا۔ مدینہ منورہ کے شمال میں بیٹھے پانی کا کنواں تھا اسے خرید کر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے یکساں استعمال کے لئے وقف کیا۔ جنگ جوک کا تمام حربی سامان اونٹ، گھوڑے اور تلواریں اپنی جیب سے خرید کر فراہم کیا۔ آپ عمل کے بھی پاکیزہ تھے اور عقیدے کے بھی آپ کا عقیدہ تھا کہ دنیا میں جتنی خرابیاں ہیں ان کا موجب انسان خود ہے اور جتنی اچھائیاں ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہیں۔ چنانچہ خلافت کے آخری مراحل میں آپ کے مخالفین زور میں آگئے مگر آپ نے یہ کہہ کر اپنے ہمنواؤں کو مقابلے سے روکا کہ دنیا یہ نہ کہے کہ عثمان نے اپنی حفاظت کے لئے مسلمانوں کو لڑا دیا۔ ایسے نازک وقت میں جب تنقید کے تشوین قاہرہ چلائے جاتے رہے ایک سیاہ دل نے پکار کر کہا، ”اللہ یرمیک“ تم پر اللہ پھراؤ کر رہا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ ذبتم لودرمانی ما اخطانی۔ اگر وہ پھراؤ کرتا تو مجھ سے خطا سرزد نہ ہوتی ورنہ تو کہا جائے گا کہ خطا پیدا کرنے والا اپنے ہی فعل پر سزا دے رہا ہے جو قرآن محکم کے بھی خلاف ہے اور اصول تزیہ کے بھی۔ (ط۔ م صفحہ 9، 8/11)

اس پر احمد بن یحییٰ المرتضیٰ لکھتے ہیں: هذا ايضا يقتضى انكار العجز - عثمان کا یہ فرمانا ان کے اس عقیدے کا عکاس ہے کہ وہ قدری تھے جبری نہیں تھے۔



عائشہ صدیقہ (678 م)

4

عرب میں ذہانت و فطانت، جودتِ فکر اور اصابتِ رائے پر فائز انسانوں میں جو مقام حضرت عائشہ صدیقہ (678 م) کو حاصل تھا وہ کسی دوسری خاتون کو حاصل تھا نہ ہوگا آپ حسن و جمال میں یکتا اور ضرب المثل تھیں حمیرا (ونکی) سے شہرت پائی تھی۔ ادبیاتِ عرب اور اصنافِ سخن پر آپ کو پوری دسترس حاصل تھی آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ۔ افقه نساء المسلمين واعلمهن بالدين. مسلم خواتین میں سب سے زیادہ زیرک، فقیہ اور علم دین کا سب سے زیادہ فہم و بصیرت رکھتی تھیں۔ وما كان يحدث لها امر الا انشدت فيه شعرا جب کوئی ساموضوع چھڑتا تو اسکی مناسبت سے شعر کہہ ڈالتیں اس طرح آپ کو ہزاروں اشعار اذہر رہتے تھے (ابن سعید طبع بیروت جلد 39/8 - اعلام النساء 720/2. حلیۃ الاولیاء طبع مفرجلہ 43/2)۔ آپ ہمیشہ قرآن کی گہرائیوں پر نظر رکھتیں اور اذق سے اذق مسائل کا قرآن ہی سے استخراج کرتیں اور کہتی تھیں کہ قرآن گنجینہ ہدایت ہے اور اسکی چابی عقل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے عقیدے اور سوچ کی بنیاد قرآن پر رکھی تھی اور حضرت فاروق اعظم کی طرح حسبنا کتاب اللہ۔ یعنی معاملات طے کرنے کے لئے صرف قرآن کے حوالے پر اکتفا کرتی تھیں ایک بار کسی مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو فرمایا حسبکم القرآن. ہمیں اور تمہیں قرآن کافی ہے آئیے انہی سے دریافت کریں مسئلہ یہ تھا کہ۔ ان المیت ليعذب بکاء اہلہ علیہ۔ میت کے اہلخانہ جب میت پر روتے ہیں تو اسے اذیت یا عذاب ملتا ہے (بخاری و مسلم) آپ نے فرمایا حسبکم القرآن ہمیں اور تمہیں قرآن کافی ہے جس میں ہے کہ لا تزدوا ذرۃ و ذرۃ اخری! کوئی انسان کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

حضرت عائشہ کی مجتہدانہ اور قرآنی بصیرت کے ضمن میں علامہ بدر الدین زرکشی (1392 م) نے الاحیاء لا یروا ما استدرکتہ عائشۃ علی الصحابة - کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے اس سے میں چند واقعات عرض کر رہا ہوں تاکہ ان کی فکر و رسا کا صحیح ادراک ہو سکے میں نے اتنے لمبے نام کی بجائے صرف ”استدراکات“ کا حوالہ دینا ہے ذہن میں رکھئے۔

بات ہو رہی تھی کہ سیدہ عائشہ نے میت پر رونے سے عذاب کی نفی اور انعام (164) کے حوالے سے اس عقیدے کو مسترد کر دیا تھا اس پر علامہ زرکشی تبصرہ کے بطور فرماتے ہیں کہ۔ واعلم ان تعذيب السميت ببقاء اهله عليه رواه عن النبي ﷺ جماعة من الصحابة منهم عمرو ابن عمرو. وانكرته عليها عائشته وحديثها موافق لظاهر القرآن وهو قوله لا تنزد وا ذرة وزر اخرے

واضح رہے کہ لواحقین کے رونے پر میت کو عذاب ہونے والی روایت صحابہ نے باقاعدہ نبی اکرم ﷺ سے سُنی ہے عبد اللہ بن عمر اور عمر بن الخطاب نیز اس کے راویوں میں سے ہیں بایں ہمہ صدیقہ نے دونوں کی روایت کو مسترد کرتے ہوئے قرآن کے حوالہ سے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ جو ہر زاویہ سے ظاہر قرآن کے موافق ہے۔ (استدراکات صفحہ 51/75)

یعنی فرمایا جب روح نکل گئی تو عذاب کیسا؟ پھر رونا اگر جرم ہے تو یہ جرم رونے والوں سے سرزد ہوا ہے مرنے والے بے روح کو سزا کیسی؟
سر پر اگر کوئی چیز حائل ہو تو وضوء میں مسح کرنا کیسا ہے؟ حضرت علی رسول اللہ ﷺ کے حوالہ سے جائز کہتے تھے۔ اُبی بن کعب نے جب حضرت عائشہ سے رجوع کیا تو آپ نے فرمایا۔

”علی سے کہہ دو عائشہ تمہیں قسم دے کر کہتی ہیں کہ کیا سورہ مائدہ (7) کے نزول کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ نے زرہ پر مسح کیا ہے؟ چنانچہ اُبی۔ نے جب علیؑ سے دریافت کیا تو آپ نے عائشہ کی بات پر عمل کرنا شروع کر دیا۔“

(استدراکات صفحہ 40)

غور فرمائیے عائشہ کے علم کے مقابل باب العلم علی کا علم تکے طرح یہ گیا ہے۔

امام الحافظ ابو بکر احمد بن عمرو بن عاصم النخعیل (۔۔۔) نے اپنی کتاب علی کی جانشینی ”السوایا“ میں لکھا ہے کہ عائشہ کے سامنے جب کسی نے کہا کہ علی وصی رسول ہیں تو آپ نے فرمایا کہ۔ اس کا سب سے زیادہ علم مجھے ہونا چاہئے کہ آپؐ نے حالت غیر ہونے پر میری ہی گود میں سر رکھا اور ”رفیق علیؑ“ سے جا ملے۔ اس طرح میرے سوا دوسرا کون تھا جس نے اس وصیت کو سنا۔ (استدراکات صفحہ 40 نیز صفحہ 89 بحوالہ مسلم)

اللہ کا دیدار

ترمذی اور دیگر بہت سے محدثین نے متعدد صحابہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صرف ایک مرتبہ ہی نہیں، دو مرتبہ اللہ کو دیکھا ہے لیکن جب مسروق نے حضرت عائشہؓ سے رجوع کیا تو آپ نے فرمایا لا تدركه الا بصارو و هو يدرك الا بصار۔ اسے کوئی نظر نہیں پاسکتی وہ ہر صورت کا احاطہ کر لیتا ہے۔ (انعام، 103) یعنی جب اسکی شکل ہی نہیں تو صورت گری کیسی؟ سائل نے سوال کیا کہ ولقد راہ بالافق المبين (تکویر، 3) تو آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا انما هو جبرئیل لم ارہ علی صورته التی خلق علیہا غیرہا تین المرتین 0۔ یہ دونوں مرتبہ میں نے جبرئیل ہی کو اصل شکل میں دیکھا تھا (اللہ کا دیدار نہیں کیا تھا) (استدراکات صفحہ 46)

مہینہ انیس دن کا

صحابہ میں سے بعض کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ان الشهر تسع و عشرين۔ مہینہ 29 دن کا ہوتا ہے اس پر صدیقہ نے فرمایا غلط ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ ان الشهر قد یكون تسعا و عشرين۔ مہینہ کبھی 29 کا بھی ہوتا ہے۔ (استدراکات صفحہ 55۔ اس طرح صحابہ نے آپ کی تصحیح کو تسلیم کر لیا)

مردوں سے بات کرنا

معمرؓ بدر کے بعد ایک گڑھے میں کفار کی اجتماعی لاشیں پڑی تھیں۔ نبی اکرم ﷺ ان لاشوں کی طرف گئے اور فرمایا۔ هل وجدتم ما وعد ربکم حقا۔ اللہ نے تمہاری ذلت اور حرام موت مرنے کا جو وعدہ کیا تھا۔ تم نے کیا پایا؟۔ حضرت عائشہؓ نے جب یہ واقعہ سنا تو کہا وما انت بمسمع من فی القبور۔ جو قبروں میں پڑے ہیں اسے تم بھی کچھ نہیں سنا سکتے۔ (فاطر، 22) (استدراکات صفحہ 56)۔

یہاں اہلحدیثوں اور دیگر کو اعتراض ہے کہ جب بدر میں عائشہؓ موجود نہیں تھیں انہیں کس طرح پتہ چلا۔ کہ رسول اللہ ﷺ کی بات ان تک نہیں پہنچی؟ جبکہ اس وقت روح کو جسد کفار میں لوٹا دیا گیا تھا۔ صدیقہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ جب قرآن کی گواہی ہے کہ قبروں میں پڑے لوگ کسی طرح بھی نہیں سن سکتے تو قرآن کی اس گواہی کو تسلیم کرنا چاہئے۔ خاص کر یہ واضح نہوسکا کہ جب کفار کی روہیں لوٹا دی گئی تھیں تو کیا اہلحدیثوں نے انہیں دیکھ لیا تھا؟ جبکہ موت میں تکرار اور اعادہ نہیں ہوتا۔

جنبی کا روزہ

ابو ہریرہؓ کا کہنا ہے کہ جنبی اگر صبح کی اذان ہونے تک نہیں نہایا تو اُسے روزہ نہیں رکھنا چاہئے چنانچہ معاملہ عائشہ صدیقہ تک پہنچا آپ نے فرمایا کہ جنبی نہائے بغیر روزہ رکھ

سکتا ہے۔ یہ بات مروان بن حکمؓ (685 م) تک پہنچی تو اس نے کہا تم جاؤ اور ابو ہریرہؓ سے ملو اور اسے قسم دے کر پوچھو کہ جو کچھ تم کہتے ہو سچ ہے؟ چنانچہ عبدالرحمان ابن ابی بکر ایسے وقت میں ابو ہریرہؓ کے پاس پہنچا کہ خود ان کے والد جناب صدیق اکبرؓ بھی وہاں موجود تھے۔ ابو ہریرہؓ نے کہا اگر نبیؐ بی عاشرہ اور ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ جنبی روزہ رکھ سکتا ہے تو ان کا علم میرے علم سے زیادہ ہے۔ (استدراکات صفحہ 57)

اسکے معنی یہ ہوئے کہ صحابہ کرام جناب ابو ہریرہؓ کی باتوں پر بہت کم دھیان دیتے اور حلفیہ بات پر ہی اعتبار کرتے تھے۔

مسلم میں روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر عورتوں سے کہتا تھا کہ **نہاتے وقت بالوں کو کھولنا** جب وہ خاص نہانا نہائیں تو بالوں کو کھول کر جڑوں تک پانی

پہنچائیں۔ یہ بات جب حضرت عائشہؓ تک پہنچی تو فرمایا یا عجبا لا بن عمر یا مر النساء اذا اغتسلن ان ينقضن رؤسهن افلا يأمرهن ان يحلقن رؤسهن

کاش ابن عمر وہ یہ فتوے نہ دیتے اس سے تو بہتر تھا کہ عورتوں کو سر منڈانے کا فتوے دیتے تاکہ ان کے فلسفہ کے مطابق نہ صرف پانی کا بالوں کی جڑوں تک پہنچنا ممکن ہو جاتا پورا سر ہی پانی میں ڈبو یا جاسکتا۔ اس بندہ خدا کو معلوم ہو کہ ہم (ازواج النبیؐ) سر کے گندھے بال کھولے بغیر یوں ہی اوپر سے پانی بہا دیتی تھیں۔ اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ سر پر پانی گرا دیں اور بس۔

(استدراکات صفحہ 57)

ابوداؤد طیالسی (819 م) بحوالہ ابو ہریرہؓ لکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے **نحوست کہاں کہاں؟** فرمایا۔ الشؤم فی ثلاثة فی الدار والمرأة والفرس۔ تین

چیزوں میں نحوست ہوتی ہے۔ مکان میں عورت میں اور گھوڑے میں۔ حضرت عائشہؓ کو جب پتہ چلا تو قرآن سے مدد طلب کی جہاں سے جواب ملا۔ ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبلہ نیراھا

زمین میں یا تمہاری ذات میں مصیبت پیش آنے کی جو بھی صورت ہوگی

وہ اسکے وجود میں آنے سے پہلے ہی ہمارے قانون میں لکھی ہے۔ (حدید، 22)

اور جب مصیبت کے لئے بھی قانون ہے تو نحوست بغیر قانون کے کیوں؟ (استدراکات صفحہ 59)

اس ضمن میں حضرت عائشہ سے ایک روایت بھی ہے کہ جن اشیاء میں نحوست کا امکان تسلیم کیا گیا ہے یہ یہودیوں کا عقیدہ تھا رسول اللہ ﷺ نے اسے مذمت کے مقام پر صرف ذکر فرمایا تھا۔

کتب روایات میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے، ایک عورت نے ”بلی“ کو چھنا

کسی جاندار کو بلا وجہ مار ڈالنا

رکھا تھا نہ اسے کھلاتی نہ پلاتی اور نہ آزاد کر چھوڑتی کہ کیڑے کوڑے کھا کر زندہ رہتی جسے کہ وہ مرگئی اس پر اللہ نے اس عورت کو عذاب میں مبتلا کر دیا (صفحہ 61) جب یہ حدیث حضرت عائشہ کو سنائی گئی تو اتفاق سے ابو ہریرہ بھی موجود تھا۔ آپ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ یا ابا ہریرہ انت الذی تحدث عن رسول اللہ ابو ہریرہ تم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرمان خود سنا ہے؟

اس نے کہا کہ سمعته من رسول اللہ ﷺ۔ جی ہاں میں نے رسول اللہ سے خود سنا ہے (صفحہ 16/61) اس پر حضرت عائشہ نے فرمایا۔ المؤمن اکوم عندا لله من ان يعذبه من جوارء هرة۔

مسلمان اللہ کے نزدیک زیادہ مکرم کا سزاوار ہے اللہ ایک بلی کی خاطر مسلمان عورت کو جہنم میں داخل نہ کریں گے۔ (صفحہ 17/61)

پھر ابو ہریرہ سے مخاطب ہوئیں کہ۔ یا ابا ہریرہ اذا حدثت عن رسول اللہ ﷺ فانظر كيف تحدث قوله۔

اے ابو ہریرہ رسول اللہ کے حوالہ سے بات کرنا احتیاط طلب ہے تم جب

کبھی رسول اللہ سے روایت کرو تو سو بار سوچ کر کرو۔ (صفحہ 18/61 تا 19)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ اپنی سادہ لوحی کی بنا پر اکثر ایسی باتیں سناتے جو بمشکل اعتماد پر پوری اترتیں اور صحابہ انہیں نوک بھی دیتے۔ پھر یہاں تو خاص طور پر ایک ”بلی“ کے ماردینے کی بات تھی آپ کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔ بہر حال آپ کی اکثر روایات بے سرو پا ہوتیں ایک بار فرمایا۔ ما مسته النار فله وضو۔ آگ سے چھوئی چیز کے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس نے جب یہ سنا تو فرمایا پھر تو سرد موسم میں گرم پانی سے وضو کرنا بھی روا نہ ہوگا کہ اس سے نہ صرف وضو ٹوٹ جاتا ہوگا ہوتا ہی نہ ہوگا۔ (بحوالہ حیراچپوری صفحہ 71)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ من غسل ميتا اغتسل ومن حملة تو

مردہ نہلانے پر غسل

جو میت کو نہلائے ضروری ہے کہ خود بھی نہلائے جو میت کو کا نہ ہادے بعد

(صفحہ 64)

میں وضو کرے۔

یہ روایت اپنے مفہوم میں واضح ہے مگر اسے سیدہ عائشہ تسلیم نہیں کرتیں فرماتی ہیں کہ۔ او نجس

موتے المسلمین وما علی رجل لو حمل عودا

کیا مسلمانوں کے مردے نجس اور ناپاک ہوتے ہیں کہ ہاتھ لگاتے ہی

غسل واجب ہوتا یا لکڑی اٹھاتے ہی وضو لازم ہو؟ (استدراکات صفحہ 15/64)

یہاں لکڑی سے میت رکھنے والی چار پائی مراد ہے یعنی میت کو ثواب کی خاطر کا نہ ہادے سے غسل

واجب ہو جاتا ہے۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ۔ لا ینمطلی جو فاحد کم قیحا و دما خیر له من

ان ینمطلی شعوا۔

شعر کھنا

تمہارے منہ میں خون اور پیپ اُنڈیل کر تمہارا پیٹ بھردیا جائے تو شعر

(استدراکات صفحہ 64)

کہنے سے بہتر ہے۔

ام المؤمنین عائشہ فرماتی ہیں کہ ابو ہریرہ نے حدیث بھیجی ہی نہیں اس میں ہے کہ جو شعر کسی کی ”جھو“

میں ہو وہ چونکہ عیب جوئی پر مشتمل ہوتا ہے اسی شعر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ناپاک اور نجس کی طرح حرام

ہے۔

حاکم اور ابن حبان ابوسعید خدری سے روایت کرتے

ہیں کہ خود انہوں نے جب نزع کا وقت قریب ہوا تو نئے

کفن سمیت مردوں کا جی اٹھنا

کپڑے پہن لئے اور نبی اکرم ﷺ کے حوالہ سے فرمایا کہ۔ ان المیت یبعث فی ثیابہ التی یموت

فیہا۔ میت ان ہی کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جن کپڑوں میں دفن کیا گیا۔

یہ حدیث جب سیدہ عائشہ نے سنی تو فرمایا کہ کیا یہ کفن یا نئے کپڑے ابدالاً باد تک بوسیدہ ہوں گے نہ

گل سڑ جائیں گے جبکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے یحشر الناس حفاة عراة غرلا۔ کہ لوگ جب قبروں

سے اٹھیں گے تو ننگے پاؤں اور ننگے جسم اٹھیں گے۔ (استدراکات صفحہ 71 کہاں کا کفن اور کہاں کے کپڑے؟)

ابو ہریرہ فرماتے تھے ان المراءۃ تقطع الصلاة

عورت اگر نمازی کے سامنے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ

نمازی کے آگے عورت کا گذر

جائے گی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ یہ غلط ہے میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو نماز ادا کرتے اور میں سامنے لیٹی رہتی بلکہ پیلو بدل کر آپ کے سجدے کی جگہ پہنچتی تو میرا پاؤں ہٹا لیتے۔ (استدراکات صفحہ 66) بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ ما یقطع الصلاة. الكلب والحمار والمرأة۔ کتا گدھا یا عورت نمازی کے سامنے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے سیدہ عائشہ نے جب یہ حدیث سنی تو فرمایا۔ شبہتمونا بالحمیر و انکلاب واللہ لقد رأیت رسول اللہ

تم نے ہمیں کتوں اور گدھوں کے برابر کر دیا بخدا میں رسول اللہ کے سامنے سوئی رہتی تھی۔ (استدراکات صفحہ 7/84 تا 10)

ابوطلحہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ فرماتے تھے کہ۔ ان الحملانکۃ مکان میں تصویر ہو تو لا تدخل بیتا فیہ کلب او تمثال۔ جس گھر میں کتا یا مورتی ہو تو فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ جب صدیقہ کو پتہ چلا تو ابوطلحہ سے دریافت کیا کہ تم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث خود سنی ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں یا ام المؤمنین۔ پھر وضاحت میں فرمایا کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ آپ بعض غزوات میں سے کچھ کپڑے لائے تھے میں نے ان میں سے رسول اللہ ﷺ کے لئے کچھ کے گدے بھی بنائے اور کچھ کے دیواروں پر آویزاں بھی کئے جبکہ یہ تصویر دار تھے۔ (استدراکات صفحہ 79)

شیبہ بن عثمان حضرت عائشہ کے پاس حاضر ہوئے اور بتلایا کہ ہمارے ہاں کعبہ کا نواف اکٹھے ہوتے ہیں ہم زمین میں گہری کھد بنا کر انہیں دفن کر دیتے تاکہ کوئی جنسی مرد یا حائضہ استعمال نہ کر پائیں۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا۔ ما احسنت بنس ما صنعت۔ ان ثیاب الکعبۃ اذا نزعتم منها لم یضوہا ان یلبسہا الجنب والحائض

تم نے بہت برا کیا جب کعبہ کا غلاف اُتر گیا تو اس کا وہ تقدس نہ رہا اب اگر اس کا سوٹ بنا کر کوئی جنسی یا حائضہ پہن لے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے (بہتر ہے کہ انسان کے استعمال میں آئے گڑھے میں دفنانے سے تو گل سڑ جائے گا۔) (استدراکات صفحہ 80) تاہم اگر خود نہ پہنو تو بہتر ہے کہ اُترے غلاف کو بیچ کر اس کے پیسے خیریوں اور مسافروں میں بانٹ دو۔ (استدراکات صفحہ 1/80 تا 6)

متعہ کرے بارے میں آپ نے سنا کہ کچھ لوگ متعہ کے بارے میں بعض باتیں پھیلا رہے ہیں تو

قرآن سے روشنی طلب کی، قرآن نے فیصلہ سنا دیا کہ والذین ہم لفرو جہم حفظون بیوی کے علاوہ دوسرا کوئی بھی ذریعہ۔ حلال نہیں ہے۔

(استدراکات صفحہ 86)

ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا۔ جب سیدہ عائشہ نے یہ بات سنی تو فرمایا۔ من حدثکم ان رسول اللہ ﷺ کان یبول قائما فلا تصدقوه ما کان یبول الا فاعدا

جس نے یہ روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے تو فلا تصدقوه۔ اُسے جھٹلا دو کہ آپؐ نے ہمیشہ بیٹھ کر ہی پیشاب کیا ہے۔

(استدراکات صفحہ 86)

ایک روایت میں ہے ما بال رسول اللہ ﷺ قائما منذ انزل علیہ القرآن۔ ایک روایت میں ہے۔ ماری احد رسول اللہ ﷺ یبول قائما منذ انزل علیہ القرآن سیدہ عائشہؓ نے فرمایا جب سے قرآن کا نزول ہوا نہ تو آپؐ نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب کیا اور نہ ہی کسی نے ایسی حالت میں دیکھا۔

(استدراکات صفحہ 7/87 تا 8)

عام طور پر عابد و زاہد لوگ نمازوں کی کئی قسمیں ادا کرتے ہیں اور ثبوت میں رسول اللہ ﷺ کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ لیکن بی بی عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ الا ان یحییٰ من مغیبة آپؐ نے ایسی کوئی نماز ایجاد نہیں کی جو چاشت کے وقت ادا کی جانے والی ہو۔ ہاں اگر آپؐ سفر سے تشریف لاتے تو۔

(استدراکات صفحہ 88)

اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یا تو سفر میں کوئی صلاۃ رہ گئی ہو یا پھر گھر سلامت پہنچنے پر شکرانے کا دو گانہ ادا کیا ہو۔

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اللہ سبحانہ اوپر ہیں جہاں نبی اکرم ﷺ کو بلوا کر دیدار کرایا تھا اب معراج کا لفظ اگرچہ قرآن کا لفظ نہیں ہے تاہم اس کے معنی اور پرچڑھنے کے ہیں۔ اس طرح یہ درجات کی بلندی کا استعارہ بھی ہو سکتا ہے لیکن جو لوگ اللہ کے لئے جہت اور مکانیت کا عقیدہ رکھتے تھے وہ کہتے تھے کہ معراج جسمانی ہوا تھا۔ لیکن شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ۔ حضرت عائشہؓ کو اس سے انکار تھا۔

معراج النبی

(مقالاتِ شبلی صفحہ 6/69 تا 7)

یہ تمام واقعات دیکھ جائیے صدیقہ نے اپنی بات کو یا تو قرآن پاک کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ قرآن ہی آپؐ کی سانسوں میں بس رہا تھا۔ یا پھر قدرت نے آپؐ کو جس ذہانت و فطانت سے جس ارتقائی سوچ اور فراست سے نوازا تھا اس کے حوالہ سے بات کرتی تھیں اور یہی دانشورانِ قرآن کا امتیاز ہے جو ازل سے تا ابد انہیں زندہ و پائندہ بنائے رکھے گا۔

یہاں سیدہ عائشہ کی مناسبت سے اُنکی ہم نام بھانجی یعنی ابوبکر کی صاحبزادی اُم کلثوم کی بیٹی عائشہ (719 م) جو شکل و شباہت میں اور قوتِ استدلال میں اپنی خالہ کا عکس پیش کر رہی تھیں اسی طرح ادیبہ، اسی طرح شاعرہ یا سخن سنج جس طرح کہ آپؐ کی خالہ تھیں ان کی شادی حضرت صدیق اکبر کے نواسے مصعب بن زبیر (690 م) سے ہوئی تھی آپؐ عموماً بے پردہ ہوتی تھیں کہ قرآن میں اس کا واضح حکم نہیں تھا ایک بار مصعب بن زبیر نے بُرا مانا تو جواب مرحمت ہوا کہ ان اللہ قد و سمنی بمیسم جمال۔ احببت ان یراھا الناس فما كنت لا ستره ووالله ما فنی وصمة یقد ان یدکونی احد

اللہ نے مجھے حسن و جمال کے امتیاز سے نوازا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ لوگ قدرت کے اس شاہکار کو دیکھیں بخدا مجھ میں کوئی بُرائی نہیں ہے تاکہ لوگ دیکھ کر باتیں بنا کیں۔ میں پاک و بے عیب ہوں۔

(الاجانی طبع مصر 51/5_58_العقد طبع لجنة التالیف مصر جلد 100/6-140,110)

حضرت عائشہؓ سیدنا عثمان غنیؓ (656 م) کی زندگی میں جب اختلاف کی گنجائش دیکھتیں تو برملا اظہارِ فرما دیتیں لیکن شہادت کے بعد آپؐ نے سیدنا عثمانؓ کے قاتلین کی برملا مخالفت کی اور اپنی جان تک خطرے میں ڈال دی۔

سماک بن حرب (632 م)

5

حضرت سماک بن خرشہ الخزرجی الانصاری (632 م) عرف ابو دجانہ طلیل القدر صحابی تھے۔ تو جہات کو خود قرآن ہی سے کشید کرتے تھے صفات کی تادیل کرتے تھے۔ (طبقات المعترضہ صفحہ 87)

ابن ابی کعب (642 م)

6

حضرت ابی ابن کعب بن قیس بن عبید خزرجی (642 م) اسلام سے پہلے یہودی احبار سے تعلق رکھتے تھے قدیم لٹریچر پر کافی دسترس تھی۔ اسلام کے بعد احد۔ بدر، خندق اور اُن تمام دیگر معرکہ کھائے حق و باطل میں شامل رہے جن میں نبی اکرم ﷺ بذات خود شامل تھے۔ سیدنا عمر بن الخطابؓ کے عہد میں بیت المقدس والوں سے صلح نامہ آپ ہی نے ترتیب دیا تھا۔ آپ صفات باری کے بارے میں صاف ستھرے تھے اور فرماتے تھے

السعيد من سعد بعلمه والشفقى من شقى بعلمه

خوش بختی اور بد بختی انسان کے ذاتی کردار کے مظاہر ہیں یہاں مقدر کا حوالہ دے کر بات نہیں ہو سکتی۔

(صفحہ 13/13 تا 14. غاية النهاية 31/1. حلیۃ الاولیاء 250/1. صفوة الصفوة 188/1)



حضرت ابو درداء (652 م)

7

عویم بن مالک بن قیس بن امیہ الخزرجی ابو الدرداء (652 م)۔ طبقات صفحہ 9۔ اپنے عقیدے میں صاف تھے برائیوں کو اللہ سے منسوب نہ کرتے تھے۔ صحابی تھے۔ مدینہ کے تاجر تھے حضرت عمرؓ نے معاویہؓ کے عہد میں انہیں دمشق کا انتظام سونپ دیا تھا وہ دمشق کے قاضی بھی تھے۔ حکیم تھے، عالم تھے، پورے قرآن کے حافظ تھے۔ وصف کو ذات کا پرتو سمجھتے تھے۔ یعنی اللہ کی صفت کو اللہ کا جز نہیں۔ پرتو سمجھتے تھے۔

(الاصابة 6119۔ حلیۃ الاولیاء۔ جلد 1/208) ❖

عبد اللہ بن مسعود (653 م)

8

جناب عبد اللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب الھذلی (653 م) علم و فضیلت، فہم و فراست کے بے پایاں سمندر تھے اسلام لانے والوں کی پہلی ٹیم کے ممبر تھے سب سے بلند آواز میں آپ ہی نے قرآن پڑھا۔ ہر وقت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رہتے حضرت عمرؓ نے ایک بار قربت رسولؐ کا یہ منظر دیکھ کر فرمایا کہ یہ وہ برتن ہے جو علم نبوت سے ہمہ وقت اور مسلسل بھر رہا ہے۔ آپ کو تہ قد تھے۔ کوفہ کے سکریٹری خزانہ بنادیئے گئے۔ حضرت عثمان کے زمانے میں مدینہ طیبہ واپس آئے اور وہیں پراسٹھ سال کی عمر میں فوت ہوئے قدردیوں کے طبقہ اول سے تعلق رکھتے تھے۔ (الاصابة 4945. البیان والتبيين 56/2) آپ سے جب عورت کے مہر کی پیردگی کی بات ہوئی تو فرمایا۔ اس ضمن میں میری رائے یہ ہے کہ پس اگر تو یہ ٹھیک ہے تو اللہ کی جانب سے ہے۔ اگر

غلط ہے تو میں ذمہ دار ہوں (ط۔ م صفحہ 11) اس پر امام احمد بن حنبلہ المرتضیٰ لکھتے ہیں کہ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ عدلی تھے جبر کے مخالف تھے۔ (صفحہ 11) ❁

حضرت معاویہ (680 م)

9

رئیس مکہ جناب ابوسفیانؓ (652 م) کے فرزند ارجمند حضرت معاویہ (680 م) عقل و فراست کے امام اور سیاست ملیہ، کے نیک نام زعمیم اور مقتدا تھے وہ اسلام کے بڑے سیاست اور فتنہ قائد تھے ان کی فتوحات کی حدیں محیط اطلسی سے آگے تک پہنچ چکی تھیں آپ کے مصر پر مقرر کردہ گورنر نے سن ۴۳ ہجری میں سوڈان کو فتح کر کے اسلامی عملداری میں گوروں کے ساتھ کالوں کو بھی شامل کیا تھا۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان پہلے شخص تھے جنہوں نے سمندری فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اور بحیرہ روم، جزائر یونان، سائپرس اور درہ دانیال کو فتح کر کے قسطنطنیہ کو سمندر اور خشکی کے راستے ۴۸ ہجری میں فتح کیا۔ آپ سے پہلے خلفاء کے باڈی گارڈ کا انتظام نہیں تھا لیکن حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی کی شہادتوں کے بعد آپ نے حفاظتی دستہ متعین کیا۔ اور اس کا بظاہر فائدہ بھی ہوا کہ جب خارجی کمانڈوز نے طے کر لیا کہ مصر، شام اور عراق کے امراء اور خلفا کو 20 رمضان المبارک کو قتل کر دیا جائے گا کہ یہ سب اسلام سے منحرف ہو چکے ہیں چنانچہ یہ لوگ مکہ سے ایک ماہ پہلے چل پڑے اور مقررہ تاریخ پر اپنا کام شروع کر دیا۔ مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص (664) کی طبیعت ناساز تھی نائب نے صبح کی امامت کرائی اور حملہ آوروں نے اُسے ہی شہید کر ڈالا۔ عراق میں حضرت علی خنجر خوارج سے جبراً شہادت نوش کر گئے اور دمشق میں حملہ آوروں نے حضرت معاویہ پر وار کیا باڈی گارڈ جھپٹے اور قاتلین پکڑے گئے بائیں ہمہ خنجر کے وار سے آپ کا ایک زانو گھائل ہوا اور آپ بے ہوش ہو گئے۔

امیر المومنین سیدنا ابوبکر الصدیق نے جناب یزید بن سفیان (683 م) کو شای فتوحات کا کنٹرول مقرر کر کے ان کے بھائی معاویہ بن ابی سفیان (680) کو معاون کے بطور ساتھی بنادیا جہاں آپ نے ”صیدا“، عرفہ، جبیل اور بیروت کے شہر فتح کئے۔ بعد میں حضرت عمرؓ (644 م) نے آپ کو اردن کا والی مقرر فرما دیا بلکہ یزید کی وفات پر دمشق کا والی بھی انہیں ہی بنادیا۔ کہ اس عرصہ میں دنیا آپ کی سیاست اور طرز حکمرانی کا لوہا مان چکی تھی اور ہرزبان پر یہی تھا کہ۔ دہاء العرب المتمیزین الکبار و کمان فصیحا حلیمہ و قورا o آپ عرب کے مشہور بہادر اکابر میں سے تھے باوقار شخصیت کے مالک فصاحت و بلاغت آپ کا طرہ امتیاز اور

مزاج میں تحمل ان کے خمیر میں شامل تھا۔

(طبری 180/6_ یعقوبی طبع مصر 192/2_ تاریخ انیس بریل 291/2_ 296)

اور حکمرانی و جہاں بانی کی ان غیر معمولی صلاحیتوں کو دیکھ کر ہی سیدنا عثمان (656 م) نے شام کی تمام ریاستوں (سیریا، لبنان اور اردن) کا والی انہیں ہی بنادیا۔ (البدء والتاریخ بریل 5/6 وغیرہ وغیرہ) آپ بنیادی طور پر حکومت کے لئے اسی طرز فکر کے مالک تھے جو خلفائے ثلاثہ کے عہد میں رائج تھی۔ لیکن حالات نے آپ کے وطرے میں تبدیلی پیدا کر دی کہ آل ابو طالب موروثی طرز عمل کی حامل تھی اور باوجودے کہ نبی اکرم ﷺ کی جانب سے اشارنا یا کنایا کوئی ہدایت موجود نہ تھی بائیں ہمدان ابن ابی طالب کا اصرار تھا کہ نبی اکرم ﷺ کے وہی وارث اور وہی جانشین ہیں ثقیفہ بنی ساعدہ کی میٹنگوں میں بھی تنہا آپ کا رویہ چغلی کھاتا تھا کہ صرف وہی سیاسی جانشینی کے مدعی ہیں اور موروثیت ہی اسلام کا۔ بلاوا۔ ہے تاہم چونکہ ماحول ابھی سازگار نہیں تھا اور نہ صحابہ کرام کو مطمئن کرنے کے لئے فیصلہ پیغمبر کا ثبوت موجود تھا۔ خاص کر حضرت عباس (653 م) جو کہ رسول اکرم ﷺ کے چچا بھی تھے اور آپ ﷺ کی وفات سے 21 سال بعد تک زندہ بھی رہے اور براہ راست وارث بھی۔ ان کے پردہ سکرین پر نہ آنے سے لوگوں کو شک گذرا کہ اگر براہ راست وارث جانشینی کا ثبوت نہیں رکھتا تو بالواسطہ مدعی کسی بنا پر وارث تحت و تاج بن سکتا ہے؟ نہ صرف آپ نے اپنی ذات کے حوالے سے جانشینی کا تاثر دینے کی غلط کوشش کی ذہنی طور پر اولاد کو بھی آمادہ کر لیا کہ جانشینی کو اپنا حق سمجھ کر دعوے کرتے رہیں۔ پھر لطف یہ کہ جانشینی کے بڑے سہیم عباس تک کو اعتماد میں نہیں لیا گیا۔ تاکہ اگر خود کسی کے اطمینان کا سامان نہ رکھتے تھے تو ابن عباس ہی کو سامنے لے آتے جو لوگوں کا اطمینان کر سکتے۔ بہر حال ان ہی حالات میں دو خلافتیں کام کر کے چلی گئیں کہ تیسری خلافت کا اندوہناک واقعہ رونما ہوا اور جاننے والے جان گئے تھے کہ اتنے بھیاں تک قتل میں کن کے ہاتھ خون میں رنگے ہوئے ہیں؟ ساتھیوں اور طرفداروں کا معاملہ نہ پہلے کبھی اخفاء میں رہا اور نہ کبھی رہ سکتا ہے چنانچہ معاملہ فاش سے فاش تر ہوتا چلا گیا۔ صحابہ کرام میں بے چینی پھیل گئی ہر شخص چاہتا تھا کہ قاتلوں کے ہاتھ ابھی رنگین ہیں ان پر ہاتھ ڈالا جائے مگر تاریخ بتلاتی ہے کہ خلافت کے نئے امیدوار نے کوئی دلچسپی نہ لی بلکہ ماحول کو اب بھی ناساز پا کر آپ صحابہ کرام کو چھوڑ کر اپنے غیر معیاری ساتھیوں کو ہمراہ بنا کر نئے عراق چل پڑے جس کا صحابہ کرام نے شدید نوٹس لیا کیونکہ اس طرز عمل سے مدینہ النبی کی کیپٹل حیثیت ختم ہو چکی تھی روزگار کے ذرائع ندارد تھے لوگوں نے ایسی سر اسمبلی کی حالت میں شام کی طرف ہجرت شروع کر دی اور یہ ہجرت گویا حضرت معاویہ پر لوگوں کے اعتماد کا

اظہار تھا کہ وہاں تحفظ بھی ملے گا اور معاشی سنبھالا بھی اُدھر لوگوں کے غیر اعلانیہ اعتماد کو دیکھتے ہوئے حضرت معاویہ کے دل میں خیال آیا کہ جو شخص مکہ۔ مدینہ اور حجاز کے لوگوں سے بیعت لئے بغیر باہر کے لوگوں کے سہارے چل پڑا اور اہل مدینہ کو میسر تمام سہولیات سے محروم کر گیا اور عراق میں نہ صرف نا اہل ساتھیوں کے زور پر حکمرانی فرما رہے اور نصب و عزل کے احکامات بھی جاری کر رہے ہیں جبکہ آپ کی موجودہ حکمرانی کسی بھی زاویہ سے متفقہ۔ یا اجتماعی بیعت کے نتیجہ میں وجود میں نہیں آتی۔ کہ انہیں شام کی گورنری سے معزولی کا حکم مل جاتا ہے چنانچہ آپ نے معزولی کے حکم کو چیلنج کر دیا ایسے میں حضرت عبداللہ بن عباس جیسے دانشمند اور ہاشمی فیملی کے بزرگ موجود تھے ان کے ذریعہ مفاہمت ہو سکتی تھی لیکن حضرت علی نے حکمران بننے ہی امام حسنؑ (670 م) کو ولی عہد بنا ڈالا جس پر یزید کی ولیعہدی کا راستہ صاف ہو گیا۔ لوگ کہتے تھے کہ حضرت عباسؑ جو کہ براہ راست نبی کریم ﷺ کے چچا اور وارث تھے انہوں نے ولیعہدی کا سلسلہ کیوں نہیں چلایا جو بلا واسطہ وارث بھی تھے اور فیملی کے زندہ بزرگ بھی جبکہ حضرت علی بالواسطہ ولیعہد بن جانے پر زور دے رہے تھے۔ جبکہ واسطہ ابوطالب تھے جو نہ تو زندہ تھے اور نہ ہی ایمان نہ لانے کی وجہ سے وارث بن سکتے تھے تاہم اگر حضرت علی حضرت عباس کو شریک مشاورت گردانتے تو آنے والے دنوں میں بنی عباس آل ابوطالب کو شریک اقتدار ضرور گردانتے کیونکہ بنی مروان کی حکومت گرانے میں دونوں کو ایک دوسرے کا تعاون حاصل تھا۔ کاش حضرت علی صائب مشورہ ہوتے تو ولیعہدی اور موروثی کا حق بتائے بغیر بھی خلیفہ بن سکتے تھے لیکن ان کے ہمراہیوں کے ہاتھوں حضرت عثمان کا قتل ہونا۔ قاتلوں کا پیچھا نہ کرنا اُلٹا زمام حکومت ان ہی کے سپرد کر دینا اور مدینہ منورہ کی سیاسی حیثیت ختم کرنا ایسے اُمور تھے کہ آپ سنجیدہ لوگوں کا تعاون حاصل نہ کر سکتے تھے اور بالآخر خود بھی مظلومی کی شہادت لے کر دُنیا سے رخصت ہو گئے ادھر آپ کے نامزد ولیعہد حضرت امام حسن کے جائزے میں آپ کے حسین حیات اور آپ کی شہادت کے بعد عملاً وہی لوگ تھے جو نام تو آل ہاشم کا لیتے مگر کام اپنی مرضی سے کرتے ایسے میں امام حسن نے مسلمانوں کے مفاد کو مد نظر رکھ کر ولیعہدی کی حکمرانی سے دست برداری کی اچھی مثال قائم کی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ خود یزید کو بھی ولیعہدی راس نہ آئی کہ ان ہی کے عہد میں امام حسین کی شہادت کا واقعہ ہائلہ پیش آیا۔ عراقیوں نے اسے خوب اُسپلاٹ کیا۔ عبید اللہ بن زیاد اور اسکی نوکر شاہی نے رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہ کیا اور پھر ان ہی اضطرابی حالات میں اسکی زندگی نے بھی وفاند کی دواڑھائی سال کی حکمرانی کے بعد چل بسا ان کے فرزند خالد بن یزید (714 م) نے یہ کہہ کر حکمرانی پر لات مار دی کہ یہ مسلمانوں کا حق ہے چنانچہ اس کے ساتھ ہی بنی اُمیہ کی سفیانی شاخ سے حکمرانی رخصت ہو کر بنو مروان فیملی میں چلی گئی و بقیہ وجہ

ربک ذوالجلال والاکرام

حضرت معاویہؓ بڑے زیرک، معاملہ فہم، متحمل مزاج اور اسلام کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے والے بزرگ تھے نئی نئی بات کرتے جب کوئی پیچیدہ معاملہ زیر غور آتا تو آپ کی ذرا سی توجہ سے کمر نہیں کھٹکتی چلی جاتیں۔ عراق اور شام کے سیاسی اختلافات کو دیکھتے ہوئے قسطنطنیہ کے قیصر نے حضرت موصوف کو حمایت کی پیشکش کی۔ آپ نے مسترد کرتے ہوئے فرمایا مجھے اسلام کی برتری کے لئے اگر علی کی قیادت میں قسطنطنیہ کا رخ کرنا پڑا تو ایسے لاؤ لشکر کے ساتھ کروں گا جس کا ایک ہر آدمی میں ہوگا تو دوسرا قسطنطنیہ میں۔

آپ عربوں کے فرزانوں میں نہایت بلند مقام رکھتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے کاتب السمر (پرائیویٹ سکرٹری) اور کاتب الوحی تھے رسول اللہ ﷺ کے پیارے سالے اور گھر کے صحبت یافتہ ہونے کے باوصف رسول کی طرف منسوب باتوں کو فہم و دانش کی کسوٹی پر پرکھنے کے عادی تھے۔ آپ نے اتنے قرب رسول کے باوجود کم سے کم روایات بیان کیں اور ایسے معیار کی کہ نہ عقل سے ٹکرانے والی تھیں نہ وحی سے۔ آپ کا عقیدہ تھا کہ قرآن منبج رشد و ہدایت ہے اور عقل اس سے رموز دین و سیاست کشید کرنے کا آلہ۔ آپ معراج النبی ﷺ کو درجہات اور مناصب نبوت کی بلندی سے تعبیر کرتے اور حقیقی معراج تسلیم نہیں کرتے تھے ویسے بھی قرآنیات معاویہ قرآنیات عائشہ سے کم نہیں گی۔ ❀

حضرت ابن عباس (687م)

10

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو اہل زبان بھی تھے دانشور اور خطیب بھی اور الفاظ کے مزاج شناس بھی۔ آپ علی الاعلان۔ برائیوں کے خالق انسان ہی کو سمجھتے تھے، آپ کے فرزند علی بن عبداللہ اپنے ابا حضور کے ہاں بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہا۔ اے ابن عباس لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے فلاں کو بدکاریوں پر مجبور کیا۔ یہ سن کر ابن عباس نے کہا لو اعلم ان منهم ههنا احدا۔ لقبضت علی حلقہ فحصرته حتی تذهب روحه عنه۔ لا تقولوا اجر الله علی المعاصی

اگر مجھے معلوم ہو کہ یہ کہنے والوں میں سے کوئی یہاں موجود ہے تو میں اس کا گلا اس وقت تک دبائے رکھوں جب تک اس کی جان میں جان ہے۔ لوگو تم یہ نہ کہو کہ اللہ ہدی کے ارتکاب پر مجبور کرتا ہے۔

(احمد بن یحییٰ طبقات المسترسلین ص 6/13 96)

نیز آپ نے اہل شام کے مجبورہ سے کہا اہل منکم الامفتو علی اللہ یحمل اجرامہ

علیہ ینسیہ علانیہ الیہ

تم لوگ اللہ پر افتراء کرتے اور پوری جسارت سے کہتے ہو کہ ہم سے
معاصی اللہ کراتا ہے اور علانیہ بدی کی نسبت اس کی طرف کرتے ہو۔ (صفحہ 12)



ابوالاسود دولی (688م)

11

طالم بن عمرو بن سفیان بن جندل ابوالاسود۔ دولی (688 م) بڑے ذہین و فطین تھے خلاقی صلاحیت
پائی تھی حاضر جواب تھے۔ فقیہ تھے۔ شاعر تھے۔ میدان جنگ کے سپاہی تھے۔ تابعی تھے حضرت علیؑ نے گرامر
کے اصول مرتب کرنے پر مامور کر رکھا تھا۔ جنگ صفین میں علیؑ کے طرفدار تھے لیکن ثالثوں کے فیصلے سے متاثر
ہو کر معاویہؓ کا احترام کرنے لگے بلکہ زیادہ ہی احترام کرنے لگے۔ معتزلہ کے ابتدائی ایام سے ممبر تھے۔

(طبقات صفحہ 61) (صبح الاعشی 161/3 - وفيات الاعیان 24/1 - کامل ابن اثیر 211/8)



عبد اللہ بن عمرؓ (692م)

12

حضرت عبد اللہ بن عمر بن الخطاب العدوی (692 م) صحابہ میں ان کی رائے کا وزن ہوتا تھا عدوی قبیل
کو ان پر ناز تھا احمد بن حنبل نے انہیں طبقات میں پہلی صف میں شمار کیا ہے (صفحہ 9) آپ نیکیوں اور بدیوں کا
فاعل خود انسان ہی کو سمجھتے اور گناہوں کی نسبت اللہ کی طرف کرنے کو معصیت کہتے تھے۔ کہ آپ کے نزدیک قتل،
زنا۔ کفر، شرک، غرض کہ تمام مبینات کی نسبت اللہ کی طرف نہیں ہو سکتی۔ جاہلیت میں جن فیملیوں کو معزز سمجھا
جاتا تھا ان ہی سے وابستہ تھے۔ نہایت بے باک اور اپنے عقیدے کے پکے تھے حضرت عثمانؓ کے شہید ہونے
کے بعد لوگوں نے آپ کو بیعت لینے کے لئے مجبور کیا مگر آپ نے جھک دیا آپ صحابہ میں سے آخری فرد تھے
جنہوں نے وفات پائی۔ ابوسلمہ بن عبد الرحمن کہتے تھے۔ آپ اپنے والد عمر بن خطابؓ کی طرح علم و فضیلت
میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے بس فرق یہ تھا کہ حضرت عمرؓ ایسے زمانے کے تھے جس میں آپ کی طرح فضلاء موجود
تھے اور ابن عمرؓ ایسے وقت میں رخصت ہو گئے کہ آپ کی مانند کوئی بھی نہ تھا یعنی اپنی نظیر دونوں ہی آپ تھے۔

❀ (الاصاتہ۔ ب۔ 4825۔ تہذیب الاسماء 278/1)

معبد الجهنی (699م)

13

معبد بن عبد اللہ بن عویم الجهنی (699م) ابن عباس اور عمران بن حصین کے معتزلی شاگرد تھے۔ بصرے سے مدینہ منورہ گئے تو وہاں مذہب اعتزال کو فروغ دیا۔ حدیث کے امام تھے۔ تابعی تھے۔ عبد الملک بن مروان نے "قدری" ہونے کے جرم میں اسے قتل کر دیا تھا کہ ان دنوں عمر بن عبد العزیز اور مسلم بن غیلان دمشق نے معتزیلوں کو ملا کر بنو مروان کی عطا کردہ جاگیریں اور خورد برد کا دیگر مال ان ہی بنو مروان سے برآمد کر کے ضبط کر دیا تھا اور عبد الملک نے عمر بن عبد العزیز اور غیلان کو دارنگ بھی دی تھی کہ خلیفہ عمر کے بعد ان قدریوں کے تکے بونیاں کر دوں گا۔ اس طرح ان دنوں قدری کے ایک گونہ یہ معنی تھے جو لوٹی ہوئی دولت واپس لینے والا ہو۔

نوٹ :- خلفائے ثلاثہ کی طرح عبد اللہ بن عباس اور عمران بن حصین (672) بھی معتزلی تھے۔

(تہذیب التہذیب 225/10- میزان الاعتدال 183/3- البدایہ والنہایہ 34/9)



عروہ بن زبیر (712م)

14

دانشوران قرآن ایک دو نہیں لاکھوں ہو گزرے ہیں ہم نے صرف ان بزرگوں کا ذکر کیا ہے جو اپنے اقرار موجب صرف قرآن حکم ہی کو اجاب اور اطاعت کے قابل سمجھتے اور قرآن کے ہوتے ہوئے غیر از قرآن کی نفی کرتے تھے حضرت عروہ بن زبیر (712م) خاندانی طور پر ایسے علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جو رہنمائی اور طلب ہدایت کے لئے صرف قرآن پاک ہی کو کافی گردانتے اور قرآن ہی کو ہادی اور رہنما تسلیم کرتے تھے وہ چاہتے تھے کہ ہر زمین قلب پر صرف قرآن ہی کی عظمت و سطوت کا پھریرا لہراتا ہو اور قرآن ہی کی حکمرانی دائم و قائم ہو۔ حافظ ابو نعیم اصفہانی (1038م) آپ کی صحیح عقیدے کی بابت آپ ہی کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ قال عروہ بن الزبیر کنا نقول لا نتخذ کتابا مع کتاب اللہ فمحوت کتبی فواللہ لو ددت ان کتبی عندی ان کتاب اللہ قد استتمو مویرۃ

عروہ بن زبیر فرماتے تھے ہم سب نے عہد کر رکھا تھا کہ کتاب اللہ کی

موجودگی میں دوسری کوئی سی بھی کتاب اپنے پاس نہیں رکھیں گے چنانچہ اس اجتماعی

عہد کے بعد قسم کھا کر کہتا ہوں کہ۔ میں نے تمام وہ کتابیں تلف کر دیں جن سے مجھے پیار تھا اور میں چاہتا تھا کہ یہ ذخیرہ کتب میرے پاس رہ جاتا لیکن اب مجھ پر واضح ہو چکا تھا کہ۔ صرف قرآن پاک ہی ایسی کتاب ہے جس کی توانائی لازوال اور طاقت غیر فانی ہے۔ (قد استمر موریوثہ) جسکی صداقتیں ابدی اور اصول ہدایت مستحکم اور روحانی قوت زوال پر وف ہے۔

(حلیۃ الاولیاء طبع مصر 1933م جلد 2/7/176 تا 20)

حضرت عروہ اس اجتماعی عہد کی اس وقت نشاندہی کرتے ہیں جب حدیث سازی کا رواج پڑ رہا تھا یعنی تابعین کرام تب بھی قرآن پاک ہی کو پریم لاء سمجھتے اور مقابل کی ہر تحریر کو تلف کر دیتے تھے۔



انس بن مالک (712م)

15

حضرت انس بن مالک بن ضمیم الخزرجی الانصاری (712) مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں اسلام لے آئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کی صحن حیات آپ کی خدمت سے منسلک رہے۔ آپ کی وفات کے بعد دمشق چلے گئے پھر بصرے میں جا گزیں ہوئے پھر وہیں پر فوت ہو کر مدفون ہوئے جبکہ آپ مرنے والے آخری صحابی تھے آپ کا فرمان تھا ماہلک امة قط حتی یكون العجیر قولہم
وہ قوم ہلاکت کے دہانے پر چلی گئی جس نے جبر یعنی معاصی اور خطا
کاریوں کو مقدر کا لکھا مانا۔

(ط. م صفحہ 10/13 تا 11. ابن سعد 10/7- تہذیب ابن عساکر 139/3)



امام محمد بن الحنفیہ (717م)

16

امام ابوہاشم عبد اللہ بن محمد (ابن الحنفیہ) بن علی (717م) بڑے علم والے تھے اس خاندان میں مالی استطاعت کا اگرچہ فقدان تھا تاہم علمی وجاہت مسلمہ تھی۔ معتزلہ اس خاندان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ کیونکہ امام واصل بن عطاء اور امام محمد ہم درس بھی تھے اور ہم شہر (مدینہ منورہ) بھی اس طرح واصل اور محمد نے جناب عبد اللہ سے اعتزال کی تعلیم پائی بلکہ محمد کے دوسرے بھائی حسن بن محمد سے مشہور قرآنی دانشور اور قاضی غیلان بن

مسلم دمشق (723) نے بھی اعتراض کیا۔ (ط۔م۔ صفحہ 17)۔ حسن اور محمد کا تیسرے طبقے سے تعلق تھا۔

حضرت عبداللہ۔ مروانی عبد میں علویوں کے ایک زعم کی حیثیت سے متعارف ہوئے۔ آپ کا گھر خفیہ طور پر علویوں کا تربیتی مرکز بن گیا تھا۔ شیعہ کا ایک گروہ یقین رکھتا تھا کہ سیدنا علی نے اپنے بعد ان ہی کو ”وصی“ بنایا تھا۔ اور بعد میں امام محمد (حنفیہ) نے ولایت عہدی اپنے بیٹے عبداللہ کی طرف منتقل کر دی جس کی بھینک اموی حکمران سلیمان بن عبدالملک کو پڑ گئی چنانچہ سلیمان نے کسی ذریعہ سے آپ کو دیر تا دیر زہر (سلو پوائزن) دلا دی۔ آپ نے جب محسوس کیا کہ موت کے دن قریب ہیں تو دمشق کو چھوڑ کر بمقام ”حیمہ“ جو اردن کی موجودہ بندرگاہ ”معان“ کے قریب تھا چلے گئے اور وہاں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے محمد بن علی بن عبداللہ کے پاس رہے۔ زہر خورانی کا واقعہ بھی بتلادیا اور اپنے شیعہ پیروکاروں کو ہدایت کی کہ میرے بعد ولیعہدی محمد بن علی بن عبداللہ کو منتقل ہوگی آپ نے ان کا تعاون کرنا ہے تاکہ ہم ہاشمیوں کا شیرازہ منتشر نہ ہونے پائے۔ اس کے بعد پوشیدہ لٹریچر اور زبانی ہدایات بھی ان تک پہنچا دیں۔ مذاہب و مسلک پر گہری نظر رکھتے تھے قرآنی دانشوروں کے استاد تھے حیمہ میں کچھ عرصہ رہ کر ابن عباس والوں کے گہری وفات پائی اور بغیر کسی مناقشت ولایت عہدی کا پہلا مرحلہ طے ہو گیا۔

(ابن الاثیر واقعات 717م۔ تہذیب التہذیب 16/6۔ شذرات الذهب 113/1)



شہزادہ عمر بن عبدالعزیز (720 م)

17

کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز (720 م) مجتہد تھے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ اس صوفیانہ اصطلاح کے مستحق تھے یا نہیں۔ میرے نزدیک۔۔۔ تھے کہ ایک بہت بڑے انسان تھے جس نے قرآن کے نظام عمل کو سنوارا زندہ کیا اور رائج کیا اس کے سینے کے اندر رحمت و اُلفت کا موجیں مارتا سمندر تھا اس نے قرآن کے نظام مالیات (وفی اموالہم حق للمساائل والمحمروم) کو نافذ کر کے اپنے عہد کے تناظر میں بڑے انقلابی اقدامات کئے۔ وہ بلاشبہ انسان تھے مگر ایسے ویسے انسان نہیں۔ روشن فکر۔ با کمال اور شعور و آگہی سے حصہ وافر پانے والے غیر جانبدار انسان تھے اور ایک غیر جانبدار ہی۔ انسان دوست ہوتا ہے وہ انصاف کے معاملہ میں اپنے اور غیر میں امتیاز کے قائل نہیں تھے۔ انہوں نے اگر۔ بنو مروان۔ کی عطا کردہ جاگیریں ضبط اور وظائف رد کر دیئے تھے تو ساتھ ہی اپنی املاک بھی نذر انصاف کر دی تھیں۔ بڑے جاگیر دار تھے، سبکی اور زرعی اراضی،



شہزادہ عمر بن عبدالعزیز

چراکائیں۔ مال و مولیٰ کثرت کے ساتھ آپ کی ثروت میں اضافہ کئے ہوئے تھے جب غیلان دمشق شہید کے کہنے پر بنو مردان۔ کے اثاثوں کا نیلام اور تقسیم کا آغاز کیا تو پہلے اپنی املاک کو حقداروں کی نذر کر دیا تاریخ بتاتی ہے کہ اپنے مختصر دور حکومت میں انصاف کو عام کیا کہ رعایا نے سکون محسوس کیا۔

(ابن خلدون 76/3 - تاریخ الخمیس 315/2 - حلیۃ الاولیا 253/5-352 غیرہ)

آپ کا حکمرانی کا طریقہ کار یہ تھا کہ ہر عامل کو اپنے معاملات نمٹانے میں آزاد چھوڑ دیا تاکہ وہ بات بات میں بالائی مشوروں اور ہدایات کا محتاج نہ رہے۔ اطلق الحویۃ للعامل لایشا و الخلیفۃ الا فی اہم الامہات ما یشکل علیہ امرہ

عامل کو اپنے اپنے محکمہ کے امور سرانجام دینے کے لئے آزادی حاصل

تھی تاکہ وہ صرف انسانیت کی پالیسی کو نظر میں رکھیں اور یہ کہ انصاف کس شکل میں

لوگوں تک پہنچایا جائے؟ وہ خلیفہ سے نہایت اہم اور مشکل امور کے مشورے کے

پابند بھی نہ ہوتے تھے۔ (ابن اثیر طبع مصر جلد 22/5 - زر کلی 209/5)

شیرازہ عمر بن عبدالعزیز کو امام احمد بن حنبلہ المرتضیٰ نے۔ معتزلہ کے حلیل القدر اماموں میں شمار کیا

ہے (طبقات صفحہ 121) ثبوت میں لکھتے ہیں کہ امام غیلان دمشق سے ان کے ہم خیالی کے روابط تھے۔ ان

غیلان الدمشقی دخل علیہ وقال ان العامة من الشام زعموا ان الظلم بقضاء الله وقدره

وانک تقول بذالک فقال سبحان الله. انما اتبع مظالم بنی امیہ وازدها واسمہا

مظالم بنی امیہ افتری انی اظلم الله

ایک بار غیلان۔ عمر سے ملے اور کہا کہ شام والے خیال کرنے ہیں کہ ظلم

و پیداؤ۔ اللہ کی قضا اور قدر سے سرزد ہوتا ہے اور اے عمر سنا ہے کہ تم بھی ایسا ہی

کہتے ہو؟ شیرازہ عمر نے کہا۔ میں اور بنی امیہ کے مظالم کو اللہ کے کھاتے میں

ڈالوں۔ اور مظالم بنی امیہ کہنے کی بجائے۔ مظالم خدا کہوں؟

(طبقات المعتمزلہ صفحہ 4/121 تا 6)

ابن یزید داغلی بن محمد۔ کہتے تھے کہ۔ کان عمر من مستحیی غیلان۔

امام غیلان اور امام عمر۔ کی قرابتیں قرآن کی وجہ سے ظہور میں آئیں اور

اسی ہم خیالی کی وجہ سے غیلان۔ عمر کے چہیتے بن گئے۔ (طبقات صفحہ 7/121)

سليمان بن ارقم سے روایت ہے کہ جناب عمر بن عبدالعزیز نے حسن بصری کو لکھا کہ سنا ہے تم ”قدر“ کے بارے میں کوئی مختلف رائے رکھتے ہو۔ اچھا ہو گا کہ اپنے عقیدہ کی تحریر میں وضاحت کرو۔ حضرت حسن بصری نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا تم لکھ دو کہ من الحسن بن ابی الحسن المے عمر بن عبدالعزیز اما بعد فان من كذب بالقدر فقد كفر و من حمل ذنبه على الله فقد فجر

حسن بصری اپنے بھائی عمر سے عرض پرداز ہے کہ جو شخص انسان کے ارادے اور اختیار کی نفی کرتا ہے وہ کافر ہے اسی طرح جو انسان۔ فعل بد تو خود کرے اور مہداری اللہ پر ڈال دے تو وہ بھی عقیدے کا فاجر ہے۔

(صفحہ 159/121)

یہی وجہ ہے کہ معتزلہ کا اجماعی فیصلہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیز امام برحق تھے۔ (طبقات صفحہ 121)



شعبی (721م)

18

عامر الشعمی (721م) نیز دانشوران قرآن میں سے تھے۔ محتاط تھے، معتدل مزاج تھے۔ ضعیفی کا اعتدال تو یوں بھی مشہور تھا کہ کسی بھی مسلک کے خلاف بات کرتے تو قول کر کرتے مثلاً وہ کہتے تھے کہ۔ آل محمد سے پیار کرو مگر رافضی بن کر نہیں۔ اللہ کی وعید پر ایمان لاؤ مگر مرجیہ بن کر نہیں۔ اسی طرح لوگوں کی تکفیر سے بھی گریز کرو خارجی نہ بنو۔ اور خوئیوں اور محاسن کی نسبت صرف اللہ کی طرف کرو۔ بدی اور قبائح کا مرتکب اپنے کو ٹھیراؤ قدری نہ بنو۔ (طبقات المعتمزلہ صفحہ 130) آپ حدیث نبوی کے بڑے حافظ بھی تھے اور نقاد بھی۔ جسمانی طور پر نحیف اور کمزور تھے خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اسے شہنشاہ روم کے پاس ایٹلی (سفیر) بنا کر بھیجا تھا بلکہ عمر بن عبدالعزیز نے اسے قاضی بنادینے کی خواہش بھی کی تھی۔

(مہذب ابن عساکر طبع مصر جلد 138/7، تاریخ بغداد 227/2)



غیلان بن مسلم دمشقی (723م)

19

قرآن کی حاکمیت کے لئے جان کا نذرانہ پیش کرنے اور زندگی کا چراغ بھجادیے جانے کے منتظر امام غیلان بن مسلم دمشقی (723م) اُن زعماء میں سے تھے جن کے ہر اقدام سے مقبوروں کو مظلوموں کو، مجبوروں

اور پسے ہوئے طبقات کو ریلیف ملتی تھی۔ زمانہ تاریخ کے آپ پہلے انسان تھے جنہوں نے حکمرانی کے توہیتی تصور کو مسترد کر دیا تھا۔ عبدالکریم شہرستانی اپنی ”المملک والنحل“ میں لکھتے ہیں کان غیلان یقول بالقدر خیرہ و شرہ من العبد۔ و فی الامامتہ انہا اصلح فی غیر قریش و کل من کان قائما بالکتاب و السننہ فهو مستحق لها

غیلان قدری تھے اور کہتے تھے۔ خیر ہو۔ شر ہو انسان خود ہی اسکا قائل ہے۔ اور حکمرانی کی اہلیت کے بارے میں۔ توہیتی تصور کی نفی کرتے ہوئے کہتے تھے کہ۔ اس کے لئے قریشیت شرط نہیں ہے کوئی بھی مسلمان جو کتاب و سنت کا نظام چلا لے حاکم بن سکتا ہے۔

(المملک والنحل۔ طبع مصر مکتبہ الحسین جلد 1/227۔ عیون الاخبار ابن قتیبہ طبع مصر 2/345-346) اس طرح وہ الانمۃ من قریش کی نفی کرتے ہوئے صرف اتنی گنجائش رکھتے ہیں کہ جس کی بھی بیعت ہو اجماعی ہو جیسے سیدنا ابوبکر اور دوساتھیوں کی ہوئی تھی غیر اجماعی نہ ہو جیسے خلیفہ چہارم کی ہوئی۔ (شہرستانی مختصراً۔ 1/227) اس سے غیلان کی دیدہ ریزی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ کتنے کھلے طرف اور وسیع النظری کے مالک تھے؟ وہ جودل و دماغ لے کر آئے تھے اس میں انصاف کو فریق بنانے کی گنجائش نہیں تھی۔ حسن بصری کہتے تھے کہ غیلان۔ اہل شام پر اللہ کی برہان ہیں مگر قتل کئے جائیں گے۔ کہتے ہیں کہ وہ علم و زہد کے ایسے بلند قامت مجسمہ تھے کہ دنیا آپ کے پاس دعاؤں کی التجا لے کر آتی تھی۔ ویسے بھی بڑے ہی بے باک اور بڑے ہی جری تھے۔ آپ کی زبان حق کی ترجمان تھی ایک طویل خط میں عمر بن عبدالعزیز (720 م) کو لکھا کہ۔

تم امام کہلاتے ہو جبکہ قرآن میں امام دو طرح کے ہیں۔ ایک وجعلنا ہم ائمة یهدون بامرنا ایک وہ ہیں جو ہمارے قانون کے مطابق چلتے اور چلاتے ہیں۔ (انبیاء، 73)

اور دوسرے وجعلنا ہم ائمة یدعون الی النار ویوم القیامۃ لا ینصرون۔ وہ امام بھی ہیں جو آگ کی طرف بلاتے ہیں۔ (قصص، 41) تم بتلاؤ کون سے امام ہو؟ کیا کبھی رشد و ہدایت والے کو تم نے دیکھا کہ اس نے گمراہی کی طرف بلایا ہو؟ کسی رحیم کو پایا جس نے بندوں پر ناقابل

برداشت فرمان نافذ کئے ہوں؟ یا اطاعت کیشی پر عذاب دیا ہو؟ کیا دنیا میں ایسے عدل۔ کا وجود ہے جو لوگوں کو ظلم۔ مظالم پر ابھارتا ہو؟ کیا کسی بھی راستہ باز کو پایا ہے جس نے کذب اور تکاذ پر لوگوں کو جمع کیا ہو؟ بس میں صرف یہی کہنا چاہتا تھا۔

(طبقات المعترزہ طبع بیروت صفحہ 25 و صفحہ 26)

اس کے بعد لکھا ہے کہ۔ فدعا عمر غیلان وقال اعنی علی ما انا فیہ : فقال غیلان و لسی ببع الخزان ورد المظالم . فوالہ فکان یبیعها وینا دی علیہا ویقول تعالوا الی متاع النخونة تعالوا الی متاع الظلمة . تعالوا الی من خلف الرسول فی امتہ بغیر سنتہ و سیرتہ . و کان فیما نادى علیہ جوارب خز فبلغ ثمنها ثلاثین الف درهم و قد اتکل بعضها . فقال غیلان من یعذرنی ممن یزعم ان هولاء کانوا ائمة ھدی و هذا یأتکل و الناس یموتون من الجوع

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے غیلان کا صدق مقالی خط پڑھ کر التجا کی کہ میرے ناتواں شانوں پر حکمرانی کا جو بوجھ ڈالا گیا ہے آپ میری مدد فرمادیں۔ غیلان نے جواب میں کہا کہ بہتر ہے کہ آپ اسناد مظالم اور لوٹی ہوئی دولت کے خلاف عملی اقدامات کے لئے مجھے پورے اختیارات دیں چنانچہ خلیفہ نے بغیر کسی پس و پیش کے اختیارات دیدیے۔ اب غیلان نے پوری دلچسپی اور یکسوئی سے لوگوں سے جھپٹی ہوئی املاک ایک ایک کر کے وصول کرنا اور نیلام کرنا شروع کر دی وہ ہر اثاثے پر منادی کرتا کہ۔ لوگو آؤ خانوں کا مال خریدو۔ لوگو ظالموں کا اثاثہ خرید لو اور آؤ ان کا مال خرید لو جو بغیر احیائے سنت اور بغیر اتباع سیرت کے خلیفہ بنتے چلے گئے۔

ادھر اسی نیلامی کے دوران ریشم سے بنیں قیمتی جرابیں ملیں جن کی قیمت چاندی کے تیس ہزار درہم تھی غیلان نے انہیں اٹھا کر دکھاتے ہوئے کہا۔ مجھے وہ لوگ معاف رکھیں جو ان لیروں کو ہدایت یافتہ حکمران سمجھتے رہے ہاں ہاں۔ یہ تو کھاتے رہے اور لوگ بھوکوں مرتے رہے۔ (طبقات صفحہ 143/26)

کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ برسر عام ہوتا رہا کہ مربہ ہشام بن عبدالملک قال . ارى هذا یعیینی و یعیب اجدادی و اللہ ان طفرت بہ لا قطعن یدہ ورجلیہ

اس اثنا میں مستقبل کے خلیفہ ہشام بن عبد الملک کا ادھر سے گذر ہوا اور یہ خانہ ویرانی دیکھ کر اسے بڑا قلق ہوا اور یہ کہتے ہوئے گذر گیا کہ اس (غیلان) نے مجھے اور میرے بزرگوں کو ہنگامہ کر دیا ہے۔ بخدا اگر میں خلیفہ بنا تو اس سے نمٹ لوں گا اس کے دونوں ہاتھ بھی کٹوا دوں گا اور پاؤں بھی۔ (طبقات صفحہ 15/26 تا 16)

موت کے اس جاسوس نے بعد میں جو کچھ کیا اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

خلیفہ عمر بن عبد العزیز کے انتقال کے ساتھ ہی ہشام ان کا جانشین مقرر ہوا، اور اپنا انتقامی عمل شروع کر دیا لیکن غیلان اور صالح آرمینہ چلے گئے تھے۔ ہشام نے وہیں سے ہرد کو واپس بلوایا صالح کو تو بروقت قتل کر دیا مگر غیلان کے قتل کے لئے فتوے کا سہارا لینا ضروری تھا جبکہ یہ ضرورت غیلان کے نظریاتی حریف امام عبد الرحمان اوزاعی (774 م) نے پوری کر دی چشمک یہ تھی کہ امام اوزاعی کے نزدیک الکتاب احوج الی السنۃ من السنۃ الی الکتاب۔ (قرآن حدیث کا محتاج ہے حدیث قرآن کی محتاج نہیں ہے۔ جامع بیان العلم جلد 19/2) لیکن امام غیلان کا عقیدہ تھا کہ قرآن کتاب ”مخفوظ“ ہے اور کوئی چیز نہیں جسے محفوظ کہا گیا ہو لہذا ”مخفوظ“ کو غیر محفوظ کا محتاج نہیں کہا جاسکتا۔ اس کا جواب امام اوزاعی اور اس رجم کے بڑے سے بڑے قد آور ممبر سے بھی نہ ہو سکتا تھا لیکن معقولیت کا دامن چھوٹ چکا تھا امام اوزاعی نے فتوے داغ دیا کہ غیلان بے دین ہے قتل کر دیا جائے۔ اس پر کیسانیاہ گیٹ پر مقتل سجایا گیا۔ اب مقتل کا بیروساٹھ تھا۔ ہشام نے آگے بڑھ کر غیلان کو مخاطب کیا۔ کہ اے غیلان یہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے تمہارا خدا کر رہا ہے۔ غیلان نے کہا۔ اللہ سے ظلم سرزد نہیں ہوتا و ما انا بظلام للعبید (ق، 29) اور ظلم کرنے والے پر اللہ کی لعنت۔ اب اتمام حجت ہو چکا تھا۔ ہشام نے جلا د کو حکم دیا۔ تارامسج آگے بڑھو اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دو۔ تارامسج نے تعمیل میں کوتاہی کئے بغیر غیلان کے دونوں ہاتھ کاٹ دیے۔ پھر آواز آئی تارامسج اس کے دونوں پاؤں بھی کاٹ دو۔ تارامسج نے اس حکم کی تعمیل بھی کر ڈالی۔ لیکن غیلان پھر بھی بولتا رہا تب اوزاعی نے اشارہ دیا اسکی زبان کھینچ لی جائے تب ہشام نے کہا تارامسج گیارہ دیکھ رہے ہو؟ آگے بڑھو اس ناخنبار کی زبان کھینچ لو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اب بولنے والی زبان بھی نہ رہی اور اعضاء سے خون کے فوارے پھونکنے سے موت بھی واقع ہو گئی تاہم جلا د کو آخری حکم ملا کہ اسی باب الکیسانیاہ پر اس کی لاش کو سولی چڑھا دو۔ تارامسج نے یہ کام بھی کر دیا۔

طاؤس بن کیسان (724م)

20

طاؤس بن کیسان انحولانی البہدانی ابو عبد الرحمن (724م) اکابر تابعین میں سے تھے۔ دین کا تفقہ رکھتے اور سادہ زندگی بسر کرتے تھے امراء اور سلاطین کے منہ پر سچ بات پوری بے باکی سے کرتے تھے عقیدے کے بھی صاف تھے اور عمل کے بھی سُتھرے۔ حج کے دوران مزدلفہ یا مینے میں فوت ہوئے ان دنوں خلیفہ ہشام بن عبد الملک بھی حج پر آئے ہوئے تھے نماز جنازہ انہوں نے پڑھائی۔ سلاطین اور امراء سے دور بھاگتے تھے ابن عیینہ کے مطابق عرب میں ضرب المثل بن گئی تھی کہ امراء اور سلاطین سے تین آدمی دور بھاگتے تھے۔ ابوذر غفاری، طاؤس اور ثوری۔

(تہذیب التہذیب 8/5- حلیۃ الاولیاء 3/4- ابن خلکان 233/1)

آپ قدری مسلک کے دوسرے گروپ سے تعلق رکھتے تھے ایک بار دو آدمی آپس میں اُلجھ پڑے ایک نے کہا اللہ نے ہمیں پھوٹ اور انتشار کے لئے پیدا کیا ہے۔ طاؤس نے سنا تو کہا یہ اللہ پر جھوٹ ہے۔ پہلے فریق نے کہا۔ اللہ نے خود ہی تو فرمایا ہے ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربک و لذلک خلقہم

یہ ہمیشہ جھگڑتے رہتے ہیں بس اللہ اپنی رحمت سے جسے ڈھانپ لے اور

اسی لئے انہیں پیدا کیا ہے۔ (ہون 11)

اس سے معترض کا استدلال تھا کہ خلقہم۔ میں ہم۔ کا ضمیر مختلفین سے متعلق ہے یعنی اللہ نے انسان کو اختلاف اور نزاع کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ اس کے برعکس طاؤس کا استدلال تھا کہ۔ ہم۔ کا ضمیر ”رحم ربک“ کی طرف راجع ہے جو مرجع کے لحاظ سے قریب ہے اور معنی ہو گئے۔ اللہ نے انہیں اتحاد اور اپنے رحم کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ نہ کہ پھوٹ اور انتشار کے لئے۔ (ط۔ م طبع بیروت صفحہ 13/16 تا 17)



قاسم بن محمد (725م)

21

قاسم بن محمد (725م) حضرت صدیقہ عظمیٰ (678م) کے حقیقی بھتیجے تھے مدینہ کے بلند پایہ فقہا میں شمار ہوتے تھے یہ کسی طے شدہ دبستان فقہ کے امام نہیں تھے براہ راست قرآن سے لیتے اور غور و تدبر کے سلسلہ میں قرآن ہی سے رہنمائی کو حرز جان بناتے تھے آپ کی فقہ۔ فقہ القرآن تھی۔ فنون لطیفہ جنہیں روایات میں موجب

ہلاکت کہا گیا ہے آپ قرآن کی رو سے مصوری سے بطور خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ شرف الدین نووی (1277م) نے اس جرم پر آپ پر شدید ننگی کا اظہار کیا اور انکا حدیث کی پھبتی کسی اور ناشائستہ الفاظ استعمال کئے تھے جس پر حافظ ابن حجر (1449م) جو خود بھی احادیث کے بڑے پشتیبان اور وکیل تھے نووی کے جواب میں کہا کہ قاسم بن محمد کی سوچ کو باطل نہیں کہا جاسکتا کہ وہ پہلی نظر میں قرآن پاک کی پالیسی کو نظر میں رکھتے اور دوسرے مرحلے میں عقل کی یادری طلب کرتے تھے جبکہ سوچ کے ان پختہ مأخذوں کے بعد غلط یا صحیح معلوم کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ حدیث کے حرام کو حرام اور حلال کو حلال نہ کہیں۔ بنا بریں ان کی سوچ کو باطل نہیں کہا جاسکتا۔ حدیث کی کمزوری ان پر عیاں تھی وہ خود بھی گروہ سلف سے وابستہ تھے۔ سفیان بن عیینہ (814م) کہتے تھے کہ قاسم اپنے زمانے کے افضل ترین انسان تھے۔ ادیب قرآن تھے خطیب مدینہ تھے علمی قد و قامت فزوں تر تھا۔

(تہذیب التہذیب طبع دکن جلد 330/8. حلیۃ الاولیاء طبع مصر 183/2)



محمد بن سیرین (729م)

22

بصرے کے دانشور حسن بن ابی الحسن (728م) اور مطرف بن عبد اللہ بن الأشجیر (۔۔۔) کہتے ہیں کہ ابن سیرین کے پاس ایک مجوسی (آتش پرست ایرانی) رہتا تھا۔ اس کے حسن و شباب کو دیکھ کر کسی نے کہا۔ وہ ایسے ہے جیسے اللہ نے چاہا ہو۔ فرمایا ایسا نہ کہو۔ یوں کہو کہ۔ جیسا اللہ کے علم میں تھا۔ کیونکہ یہ اگر اللہ کی چاہت اور مشیت کے مطابق پیدا ہوتا تو نیک بندہ ہوتا۔ اللہ کا فرماں بردار ہوتا۔ اس طرح ابن سیرین نے اللہ کی چاہت اور علم کے حوالہ سے فرق بتا دیا کہ۔ کسی بُرے کی پیدائش کا اللہ کو علم تو ہوتا ہے مگر مشیت شامل تخلیق نہیں ہوتی۔ یہ ابن سیرین اپنے وقت کے امام تھے علوم دین کے ماہر استاد تھے تابعی تھے لکھاریوں کے اونچے طبقے سے تعلق رکھتے اور حسن بیان کے مالک تھے فقیہ تھے محدث تھے کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ کان سے بہرے تھے۔

(تہذیب التہذیب جلد 214/9۔ المحجوب صفحہ 379 و صفحہ 480۔ حلیۃ الاولیاء 263/2)

ابن سیرین سے کسی نے قدر۔ کے بارے میں سوال کیا تو یہ آیت تلاوت کر دی۔ واذا فعلوا

فاحشة قالوا وجدنا علیہا آباءنا واللہ امرنا بہذا۔ قل ان اللہ لا یامر بالفحشاء

اور یہ مشرکین جب بے حیائی اور فحش کی باتیں کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمارے بڑے بھی ایسا ہی کرتے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ اللہ نے (بھی) ایسا ہی حکم دیا ہے۔ (اے پیغمبر) ان سے کہہ دو خدا کبھی بھی بدی کی باتوں کا حکم نہیں دیتا۔

(اعراف، 28)

اس پر سوال ہوا کہ۔ جناب والا میں نے قدس کے بارے میں سوال کیا تھا؟ اس پر ابن سیرین نے یہ آیت پڑھ کر اپنی ذمہ داری پوری کر دی ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان۔

(النحل، 90) بلاشبہ اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

اب دیکھا جائے تو ابن سیرین نے ہر دو آیات میں سائل کا جواب دے ہی دیا ہے مگر وہ اتنی واضح اور بدیہی بات کو سمجھنے کے شعور تک سے عاری تھا اور نہ سمجھ سکا کہ ”قدری“ عقیدے کے مطابق برائیوں کا اللہ کی ذات سے صدور نہیں ہوتا جبکہ اللہ عدل و انصاف جیسی خوبیوں کا حکم دیتا اور پسند کرتا ہے۔ اس کے باوصف سوال کرنے والے نے تیسری بار اپنے سوال کو پھر سے دہرایا۔ آپ نے فرمایا اتقوا من عسی او لا قوم عنک۔ اگر اتنی موٹی بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آتی کہ دونوں آیتیں قدریوں کے (خود میرے) استدلال کی بنیاد ہیں کہ اللہ بدی کا فاعل نہیں انسان خود ہے اور کہ عدل و توحید ان کا مسلک ہے اب یہی ہو سکتا ہے کہ۔ یا تو تم میری مجلس سے چلے جاؤ یا پھر میں خود ہی اٹھ کر جاؤں گا۔ (طبقات المعتر لہ صفحہ 137)

(مزید تفصیل ملاحظہ ہوتا رہنما بغداد 331/5۔ المحبر 379-380۔ و فیات الاعیان 453/1)



مکحول دمشق (730م)

23

مکحول بیروٹی کے ہم نام۔ مکحول بن ابی مسلم سہراب بن شاذل ابو عبد اللہ دمشقی (730م) قد آور معتر لی تھے کا بل۔ بلکہ ہرات کے رہنے والے تھے زبان پر عجمیت غالب تھی قاف کو کاف۔ جاء۔ کو ہا پڑھتے تھے قزاقوں نے پکڑ کر مصر میں ہذلی قبیلہ کی ایک عورت کے پاس فروخت کر دیا۔ جس کی وجہ سے اسے ہذلی بھی کہا جاتا تھا وہاں سے جب آزاد ہوئے تو عراق چلے گئے۔ مدینہ منورہ گئے، طلب علم کے لئے بلاد اسلامیہ کے چکر کاٹے۔ بالآخر دمشق میں مستقل رہائش کی اور وہیں پر فوت ہو گئے۔ اپنے زمانے کے مفتی اعظم تھے ایک بار یزید بن عبد الملک (744) اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ان کی زیارت کو آئے۔ جابر کا کہنا ہے کہ ہم سب نے ارادہ

کیا کہ یزید کے لئے کھلی جگہ نکال لیں۔ مگر کھول نے کہا۔ مکانکم دعوه یجلس حیث ادرك۔ اپنی اپنی جگہ بیٹھ رہو اس کا خیال چھوڑ دو۔ جہاں سائی ہوگی بیٹھ جائے گا۔ یہ کھول اور یزید دونوں ہی معتزلی تھے۔

(ط، م صفحہ 136) (تذکرۃ الحفاظ 101/1. تہذیب التہذیب 289/10)



وہب بن منبہ (732م)

24

اسرائیلیات اور عرب کی تاریخ کا عالم وہب بن منبہ الانباری الصنعانی (732م) عرب قدیم کے حالات کا علم رکھتے تھے وہ کہتے تھے اذا دخلت الهدیۃ من الباب خرج الحق من الکوة رمی بالقدر جب کوئی تحفہ یا رشوت، کسی دروازے سے داخل ہو تو حق روشن وانوں اور کھڑکیوں سے نکل بھاگتا ہے۔ اعتزال سے متہم تھے۔

اس کا قول ہے کہ۔ ان من اضاف الی نفسه شیئا من المشیۃ فقد کفر جس نے کسی بُرے عمل کی مناسبت سے اللہ کی مشیت کو اپنی طرف منسوب کیا تو کفر کیا یعنی اپنی بدی کو اللہ کی مشیت سے مربوط کیا تو کافر ہو گیا۔ یہ معتزلہ کا بنیادی سلوگن ہے۔

(تاریخ الاسلام ذہبی 14-16/5. شذرات الذهب 150/1. ابن سعد 395/5) ابن قتیبہ نے اسے بڑے معتزلیوں میں شمار کیا (ط، م صفحہ 135) امام احمد اسے معتزلی تسلیم کر کے بھی کہتے تھے کہ اس کی روایت مقبول ہے وضین۔ بن عطاء کہتے تھے وہ بڑے زاہد تھے۔ (ط، م صفحہ 135)



قناوہ بن دعامہ (736م)

25

بصریوں کے بڑے امام قناوہ بن دعامہ (736م) برملا ’عدلی‘ یعنی معتزلی تھے جو غالباً معبد النجفی کے شاگردوں میں سے تھے جو کہتے تھے۔ برائیوں کو اللہ کی طرف منسوب نہ کرو اللہ کے عذاب سے ڈرو۔ (طبقات صفحہ 137) ایاس بن معاویہ بن قرہ المزنی ابو داثلہ۔ قاضی بصرہ (740) نے جب اُن سے کہا کہ تم برملا اپنے عقیدے کا اظہار کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا میں نے غیلان دمشقی (723م) سے بارہا تبادلہ خیال کیا اور ان کو حق پر پایا مگر حق پرستی کا انجام یہ نکلا کہ اس کے شاگرد عمر بن عبدالعزیز (720م) کا انتقال ہوتے ہی اس کے جانشین

ہشام نے اسے پھانسی دیدی اور لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ (طبقات صفحہ 137)

غیلان کی شہادت کا پس منظر یہ ہے کہ۔ یہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے گہرے ساتھیوں میں سے تھے خلیفہ ان کے خیالات سے بہت ہی متاثر تھے اور اسے مملکت کے سیاہ و سپید کا مالک بنارکھا تھا ادھر خلیفہ اور غیلان اس باب میں ہم خیال تھے کہ بنی امیہ خصوصاً بنو مروان فیملی نے مملکت کی بہتر اراضی اور اونچے مناصب جو نائرس لوگوں پر دان کر رکھے تھے وہ سب کی سب چھین کر بیت المال کی ملکیت بنا دی جائیں چنانچہ غیلان نے اپنے عدالتی اختیارات سے کام لے کر کروڑوں، اربوں کی جائدادیں واگذار کر کے بیت المال کے سپرد کر دیں جس پر اموی شہزادوں نے دھمکی آمیز رویہ شروع کر دیا اور پھر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے انتقال کرتے ہی نئے جانشین خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے اسے دربار میں طلب کیا ادھر محدث امام عبدالرحمان اوزاعی (747) جو ہشام کے یار باش تھے اسے بھی بلوا بھیجا۔ جس نے غیلان سے قدر کے بارے میں سوال کیا غیلان نے برملا اپنے عقیدے کا اظہار فرمایا۔ اس پر اوزاعی نے ”قتل“ کا فتوے صادر فرمادیا جس کے بعد دمشق کے کیسان گیٹ پر اسے قتل کر کے پھانسی پر برائے عبرت لٹکا دیا گیا۔

(عمیون الاخبار ابن قتیبہ جلد 2/345، لسان المیزان 4/424۔ اللباب 2/186)

یہ عبدالرحمان اوزاعی خود بھی ریاست علم کے بادشاہ تھے لیکن سلفی ہونے کی وجہ سے حدیث کو قرآن پر فائق سمجھتے تھے جبکہ غیلان اس وحی شکن فکر کو تسلیم ہی نہیں کرتے تھے۔ اوزاعی کا فرمان ہے الكتاب احوج الى السنة من السنة الى الكتاب

قرآن کلی طور پر حدیث کا محتاج ہے بلکہ احوج (محتاج تر) ہے۔

(جامع بیان العلم ابن عبدالبر 1071 طبع مصر 19/2۔ شاطبی 1388 جلد 2/10، 8)

اس طرح دونوں کے نظریات میں بعد المشرقین تھا۔ اوزاعی نے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی اور ہشام نے اپنا انتقام لے لیا کہ بنی امیہ کی اربوں کی جائداد چھین کر۔ ان کی ساکھ ختم کی۔ (مزید تفصیل غیلان کے تعارف میں موجود ہے)



جعده بن درهم (736م)

26

شعیبی اور نخعی کی طرح جعد بن درهم (736م) اور جهم بن صفوان۔ یہ دونوں وہ عناصر تھے جو کسی طرح تحریک قرآن میں درآئے تھے اور پھر اس حادثہ کے بانی ٹھہرے جو اہل اعتزال کی رسوائی کا موجب بن گیا۔

ان دونوں کی یہ تخریب کاری تھی کہ شاہوں کے ہاتھوں بے داغ اماموں کا قتل عام کراتے۔ جبکہ حکم یہ تھا کہ۔ ان
 تحکمو بالعدل۔ اللہ نے تمہیں عدل کا حکم دے رکھا ہے (نساء، 58)۔ اور ان اللہ یأمر بالعدل
 والا حسان۔ اللہ تمہیں عدل و احسان کا حکم دیتا ہے (نحل، 90)۔ ان واضح آیات کو دیکھتے ہوئے اگر یہ
 لوگ عدلی تھے۔ تو حیدری تھے۔ قدری۔ اور معتزلی تھے تو قرآن سے کھلا انحراف نہ کرتے بلکہ یہ بھی
 فرمایا کہ۔ لا اکراه فی الدین۔ دین ہر زاویہ سے روشن ہو چکا ہے اس میں جبر و اکراہ ہے ہی نہیں۔ (بقرہ،
 256)۔ لیکن افسوس کہ عقل والوں نے عقل سے بیگانہ ہو کر سوچا۔ اور امام احمد بن حنبل جیسے بے ضرر انسان کے
 لئے پیشگی اذیتوں اور رسوائیوں کا سامان کر گئے۔ بلکہ نامعلوم کہ امام احمد بن ابی داؤد جیسے قاضی کو کیا ہو گیا کہ
 انہوں نے اپنی عقل کو جہالت کے پاؤں میں ڈال کر جعد اور جہم کے مخلوق ہونے پر استدلال کیا وہ استدلال ہی غلط تھا۔
 لاگو ہو گئے۔ ان حضرات نے جس آیت سے قرآن کے مخلوق ہونے پر استدلال کیا وہ استدلال ہی غلط تھا۔
 استدلال تھا کہ انا جعلناہ قرآنا عربیاً (زخرف، 3)۔ ان لوگوں نے ”جعل“ کو بمعنی خَلَقَ۔ لے کر
 استدلال کیا ہے کہ قرآن مخلوق ہے لہذا غیر مخلوق نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ جعل کا لفظ شاذ و نادر ہی ”خلق“ کے
 مفہوم میں آیا ہے۔ فرمایا انسی جاعلک للناس اماماً۔ ہم آپ کو نوری انسانی کی پیشوائی کا منصب دینے
 والے ہیں (بقرہ، 123) یہاں حضرت ابراہیم پیدا ہو چکے ہیں امام بنائے جانے کی بات بعد میں ہو رہی ہے
 اس طرح جاعلک۔ بمعنی خالق۔ ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتے۔ نیز فرمایا یجعلون اصابعہم فی اذانہم
 (کانوں میں انگلیاں ڈال دیتے ہیں۔ بقرہ، 19)۔ یہاں یجعلون بمعنی یخلقون اصابعہم کے بالکل
 نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ارشاد ہے وجعلوا القرآن عضین۔ اور انہوں نے قرآن کو خواہاں پریشان کہا
 (ج، 91)۔ یہ نہیں کہ انہوں نے قرآن کو خواہاں پریشان پیدا کیا؟ ان آیات کی ضوء میں کہنا چاہوں گا کہ
 ان جعدیوں اور جہمیوں کا استدلال ہی غلط تھا بعد میں امام ابن ابی داؤد اسے ہی لے کر عقل و خرد سے کیوں بیگانہ
 ہو گئے؟ حالانکہ وہ کوئی سطحی ذہن والے نہیں تھے گہرائی سے سوچتے اور علم کے دریا بہا دیتے تھے۔ عقل آپ کے
 آگے دست بستہ کھڑی رہتی تھی اور دانش کو آپ پر ناز تھا۔ سخاوت پیشہ تھے آپ کی سخا کا دور دور تک شہرہ تھا بلکہ
 سخا میں بھی۔ بنی عباس سلطنت میں برا مکہ کی مثال دی جاتی تھی یا قاضی ابن ابی داؤد کی کیا آپ بشرط جرم۔ غفوا
 درگزری کی سخا نہ کر سکتے تھے۔ یعنی آپ جعد اور جہم کی فتنہ پرداز کی کا ادراک کر کے ایک بڑی برائی میں ملوث
 ہونے سے نہ بچ سکتے تھے؟

(البدایۃ والنہایۃ 319/1)

ادھر یہ بھی حادثہ ہے کہ امام احمد بن حنبل (853 م) نے اپنے منصب اور مقام کا احساس نہیں کیا اور

قرآن نے اگر اپنے کو حادث۔ یا مفصل کہا ہے تو اسے حادث تسلیم کرنے میں کیا حرج تھا؟ کیا یہ انصاف سے بعید نہیں کہ وحی قرآن نے اپنے لئے حادث (محدث) کو صفت ٹھہرا کر رہنمائی فرمائی تھی کہ جعد اور جہم کا سرے سے استدلال ہی غلط تھا وہ قرآن کے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے سے بحث ہی نہیں کرتا۔ کیا امام احمد بتلا سکتے ہیں کہ قرآن نے کن الفاظ میں اپنے کو غیر مخلوق کہا ہے؟ بات کیا ہوئی کہ قرآن کے مخلوق ہونے کی جسطرح جعد اور جہم کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی اسی طرح امام احمد بن حنبل کے پاس بھی غیر مخلوق بنانے کا ساز و سامان نہیں تھا۔ دونوں ہی لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار نہیں ہے۔ (نیز نمبر 80 ملا کر پڑھیں۔)



ایاس مزنی (740م)

27

قرآن کی نگرانی میں پروان چڑھنے والی عقلی تحریک کے ایک صاحب بصیرت سپاہی۔ ایاس بن معاویہ (740م) بن قرۃ المزنی کا نام ہمیشہ روشن رہے گا آپ بصرے کے قاضی تھے لیکن ذہانت و فطانت میں ضرب اللش بن چکے تھے جاظ کہتے تھے کہ۔ ایاس نے عقل و فراست سے الہامی توانائی پائی تھی۔ بڑے بڑے امراء اور خلفاء آپ کا احترام کرتے تھے۔ (البیان والتبيين طبع مصر جلد 56/1. حلیۃ الاولیاء 123/3) ایک دفعہ کسی نے استفسار کیا کہ آپ ”عدل“ کے بڑے مداح ہیں اور بصیرت رکھنے کے باوصف اس باب میں کوئی تصنیف نہیں کی؟ فرمایا میں نے غیلان دمشقی سے تین بار مناظرے کئے اور ان ہی سے حق اور عدل کا عقیدہ پکڑ لیا لیکن مجھے ڈر ہے کہ جس طرح غیلان اور عمر بن عبدالعزیز نے مل کر نظام عدل اور معیشت قرآن کا احیاء کیا اور پھر عمر بن عبدالعزیز کے مرنے کے بعد اس کے جانشین کا وقت آیا تو اس نے غیلان کو پکڑ کر اس کے نکلے نکلے کر ڈالے۔ کہیں میرا بھی ایسا ہی حشر نہ ہو۔ (طبقات المعتمزلہ صفحہ 131)

(البیان والتبيين 56/1. وفیات الاعیان 81/1 حلیۃ الاولیاء 123/3)



امام زید بن علی (740م)

28

ہاشمی خانوادہ۔ الامام زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب (740م) جن کی بابت امام ابوحنیفہ کہتے تھے۔ میں نے اپنے دور میں ان سے زیادہ فقیہ۔ زیادہ حاضر جواب اور زیادہ صاف گو نہیں دیکھا۔ آپ تحریک اعتراض کے سرکردہ زکن امام واصل بن عطاء (798م) کے نہ صرف شاگرد تھے ان کے اعتراضات سے بہت



ایاس حنی



عمرو بن دینار (743م)

29

عمرو بن دینار الحنفی ابو محمد المکی (743 م) مکہ کے مفتی اعظم تھے ان کی بابت مشہور نقاد رجال امام شعبہ کہتے تھے صراحتاً ثبت فی الحدیث منہ حدیث کے باب میں اس سے زیادہ پختہ کاری میں نے نہیں دیکھا۔ (تاریخ الاسلام ذہبی جلد 114/5، تہذیب التہذیب جلد 30/8)

ایک دفعہ ہمارے ممدوح ابن دینار کا مکہ میں کسی جگہ گزر ہوا۔ دیکھا کہ پولیس نے ایک شخص کو باندھ رکھا تھا۔ پوچھا کہ کیا ماجرا ہے اسے کیوں باندھ رکھا ہے؟ جواب ملا کہ ”معتزلی“ ہے فرمایا کیا اس نے خیر کو رب اور شر کو اپنی طرف منسوب نہیں کیا؟ کہا گیا کہ نسبت دی تھی۔ فرمایا تو پھر وہ تم سے زیادہ حق پر ہے۔ (طبقات صفحہ 135) لوگوں نے کہا تو آئیے آپ خود بھی برملا اظہار کیجئے۔ فرمایا تو میرا حشر بھی یہی کچھ ہوتا جو اس کا ہوا ہے۔



یزید الناقص (744م)

30

بنی امیہ کی مروانی شاخ کے خلیفہ ابو خالد یزید (744 م) بن الولید بن عبد الملک بن مروان جن کا شہرہ ”الناقص“ کی صفت سے ہے وہ یہ بنی کی اس نے بنو امیہ کے وظائف میں کی کردی تھی جو نومردان نے ان پر عام کر دیے تھے۔ رجب 126 ہجری میں انکی بیعت ہوئی تھی صرف پانچ ماہ حکمرانی کی۔ بڑے ہی خطیب تھے۔ متکلم تھے اور جری قسم کے معتزلی تھے۔ عمرو بن عبید سے جب دریافت کیا گیا کہ یزید الناقص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا۔ او الکامل امرباالحق وقام بالعدل وشری نفسہ.....

وکان نکالا علی اہلبہ

ناقص نہیں وہ تو کامل تھے عدلی جو کہ معتزلہ کا عقیدہ ہے انہوں نے اس کو فروغ دیا۔ انصاف بالحق کو پروان چڑھایا۔ اپنے خاندان کی لوٹ مار کے لئے ”روک“ بن گئے۔ (طبقات صفحہ 120)

اور تمام معتزلہ کا اتفاق ہے کہ امام بالحق تھے۔ (صفحہ 120) صاحب تقویٰ اور صاحب اصلاح تھے۔

نشوان الحمیری کہتے تھے لم یکن فی بنی امیہ مثله ومثل عمر بن عبد العزیز

بنی امیہ میں یزید الناقص اور عمر بن عبدالعزیز کے پائے کا کوئی نہیں

گذرا۔

(ابن خلدون جلد 3/106 - البدایہ والنہایہ 11/10 - ابن الاثیر 5/115)



الکمیت الاسدی (744م)

31

الکمیت بن زید بن حنیس الاسدی ابوالمستهل (744م) ہاشموں کے شاخوایں شاعر تھے۔ شیعہ تھے، عدلی تھے (ط، م، 136) عربی ادب کے تمام سوتوں پر گہری نظر رکھنے والے تھے۔ جنگی شاعر تھے۔ حربی واقعات پر قادر الکلام راجز تھے پانچہزار سے زیادہ ان کے ذاتی اشعار تھے۔ ادب عربی کے مستند عالم تھے ابو عبیدہ (826) کہتے تھے کہ۔ اگر بنو اسد قبیلے کی کوئی اور خاصیت یا شناخت نہ ہوتی تو تنہا کمیت کی شخصیت ہی کافی تھی۔ ابو عمر مہضمی کہتے تھے کہ۔ اگر کمیت کا شعر نہ ہوتا تو عربیت کی ترجمانی مسئلہ بن جاتی۔ اس میں مختلف اوصاف جمع ہو گئے تھے یعنی مجمع الاوصاف تھے۔ جنگی وقائع کے شاعر تھے۔ شجاع تھے سیف و قلم کے مالک تھے۔ اپنی قوم میں تیر اندازی کا جواب نہ رکھتے تھے خطیب تھے۔ شیعہ کے خطیب تھے۔ ”عدلیہ“ کے شیدائے تھے۔ میدان کی کہتے ہیں کہ۔ کمیت کے نام سے تین شعراء ہو گزرے ہیں اور تینوں ایک ہی قبیلہ بنی اسد سے تعلق رکھنے والے تھے۔

(الاعانی 15/108 - خزائن الادب بغدادی 1/69-71-86-87)



جہم بن صفوان (745)

32

جہم بن صفوان ابوحرز السمرقندی 745م گھلے ظرف کے نہیں تھے تحریک اعتراض کے لئے رسوائی کا باعث بن گئے سازش عجم کے مطابق مفردات قرآن کو لغت، ادب اور استمالات عرب کے مطابق سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتے اور اصرار ہوتا کہ وہ اپنے مکتبہ فکر کے صحیح ترجمان ہیں مثلاً قرآن پاک میں بہت سے مقامات پر ”جعل“ کا لفظ آیا ہے اور مختلف مناسبتوں سے معانی بھی مختلف ہو سکتے تھے مگر یہ لفظ کہیں بھی ”خلق“ کے مفہوم میں متعارف نہیں ہوا اس کے قابل فہم معنی صرف ”بنانے“ کے ہیں مثلاً۔ اللہ خلق سید احمد۔ سر سید کو اللہ نے پیدا کیا یہاں ہم جعل سید احمد۔ کہہ کر پیدا کرنے کا مفہوم ہرگز نہیں لے سکتے بلکہ یوں کہیں گے وجعلناہ زعیما۔ اور ہم نے اسے قائد بنا دیا۔ اسی طرح زخرف میں ہے۔ انا جعلناہ قوآنا

عرب بیا۔ ہم نے قرآن کو عربی زبان کا شاہکار بنایا (زخرف، 3)۔ لیکن اس کے معنی جہم اور اس کا فکری ہم زلف جمعہ یہ کرتے تھے کہ ہم نے قرآن کو عربی میں پیدا کیا۔ اس طرح ان کا استدلال تھا کہ قرآن ”مخلوق“ ہے کہ اس پر ”پیدا“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ غرض کہ اللہ نے جہاں قرآن کو ”ذکرِ محدث“ کہا تھا انہوں نے۔ ”ذکرِ غیرِ محدث“ بنا کر تحریف کی بنیاد رکھی اور پھر حکام اور علماء میں سے جس نے بھی ان کا راستہ اپنایا وہ قرآن کو ”خالق“ کہنا چلا گیا اور یہ نہ سوچا کہ اس طرح تو خداؤں اور خالقوں کا تعدد لازم آتا ہے جو بجائے خود عقیدے کے فساد کو مستزہم ہے یہ اور اس طرح کے دیگر اسباب بھی ہو گئے کہ وسط ایشیاء کے گورنر نصر بن سيار (748 م) نے اسے جب گرفتار کیا تو اس نے زندہ رہنے کی اپیل کی مگر نصر نے یہ کہہ کر اسے قتل کر دیا کہ ایک یمنی عورت کا بچہ بغاوت کے بعد اتنا عرصہ زندہ نہ رہ سکتا تھا جتنا عرصہ کہ تم رہے ہو (میزان الاعتدال 197/1- لسان المیزان 142/2) اس کا عقیدہ تھا کہ جنت و جہنم فنا ہو گئے۔ اور کہ ایمان صرف اقرار کا نام ہے عبادات اور اعمالِ صالحہ اس میں شامل نہیں ہیں۔ فعل بُرا ہوا یا اچھا اس کا فاعل حقیقی۔ صرف خدا ہے انسان اپنے ہر عمل میں مجبور ہے۔ (المغروب المطورزی 101/1)

اگر جہم کے یہ عقائد تھے تو وہ تحریکِ اعتزال کے رکن بھی نہ ہو سکتے تھے ہمیں بدل کر ان کی صفوں میں گھس آئے تھے اور عقیدہ۔ قرآن۔ غیر مخلوق۔ کا فتہ کھڑا کر کے ”عقلیات“ کا کباڑہ کر گئے۔ میں نے اس زاویہ سے کہ بہت سے لوگوں نے بعد اور جہم کو اعتزالیوں میں شمار کر کے پھر مشہور کر رکھا ہے کہ سبھی اعتزالی بد عقیدہ تھے۔ میں نے اس الزام کا ازالہ کر کے صرف بحث کی خاطر طبقہ عقل پسندوں میں شمار کیا ہے نیز ملاحظہ ہو



نمبر 26۔

نعمان بن المنذر (750)

33

بنو امیہ چونکہ دفاعی اور بحالتِ مجبوری جارحیت کی جنگوں میں مصروف رہے لہذا انہیں صرف آخری ایام میں علم و حکمت کی پرورش کا موقع ملا۔ اور وہ بھی بھرپور طور پر نہیں۔ با ایں ہمہ دانش و فرزانگی اور دینی فراخ دلی سے خطہ دمشق بھی خالی نہیں رہا جناب۔ نعمان بن المنذر۔ الغسانی (750 م) اپنے عہد میں سر عام مذہبِ اعتزال کی طرف بلاتے رہے بلکہ اعتزال کی حمایت میں ایک کتاب بھی تصنیف کر رکھی تھی۔

(طبقات ابن سعد قسم دوم جلد 167/7. میزان الاعتدال 237/3. تہذیب التہذیب 457/10)



خلیفہ ابو العباس (754م)

34

ابو العباس عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن العباس (754م) سلطنت عباسیہ کے پہلے فرماں رواں تھے۔ بنی امیہ کے زوال کے بعد ان کے استیصال میں لگے رہے۔ بائیں ہر معتزلی بھی تھے (ط۔م صفحہ 120) سختی تھے اور پہلے حکمران تھے جنہوں نے اسلام میں وزارت قائم کی۔ فصیح تھے۔ دائیں ہاتھ میں انگشتی پہنتے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین بھی دائیں ہاتھ ہی میں پہنتے تھے۔

(ابن الاثیر 152/5 - طبری 154/9 - ابن خلدون 180/3)



سعید بن المسیب (713م)

35

سعید بن المسیب بن حزن بن ابی وہب القرشی (713م) معتزلہ کے دوسرے طبقے سے وابستہ تھے۔ مدینہ منورہ کے سات فقہا میں شمار ہوتے تھے، تابعین کے سردار تھے۔ حدیث اور فقہ کے امام تھے، زاہد تھے، پرہیزگار تھے، تیل کا کاروبار کرتے تھے، کسی کا ہدیہ یا عطیہ قبول نہ کرتے تھے۔ سیدنا عمر بن خطابؓ کے فیصلوں کا زیادہ علم رکھتے تھے حتیٰ کہ مشہور ہوئے کہ وہ ترجمان عمر ہیں۔

(ط م، صفحہ 16 طبقات ابن سعد 88/5، صفوة الصفوة 2، 44، الوفيات 206/1)



الفضل الرقاشی (757م)

36

قافلہ دوجی کے راہواروں میں الفضل بن عیسیٰ بن ابان الرقاشی (757م) کا نام قد آور دانشوروں میں ملے گا جو اپنی بے پناہ علمی صلاحیتوں، زہد و پارسائی اور اسالیب سخن کے ناطے سے بے پناہ شہرت کے مالک تھے۔ قدری طوقان۔ معتزلہ کے انداز استدلال میں لکھتے ہیں۔ لقد سلك علماء المعتزلة في تفسير القرآن طرقا مبتكرة فاتبعوا لطريقة اللغوية الصارحة كما يسميها جولدزيهر فيحا ولون اولاً. ابطال المعنى المشتبه في اللفظ القرآني. ثم يثبتون لهذا اللفظ معنى موجودا في اللغة يزيل هذا الاشتباه في اول الامر

معتزلہ نے تفسیر القرآن کے لئے مختلف اسالیب اختیار کر رکھے تھے آخر

میں لغوی طریقہ جو پختہ اسلوب پر مشتمل ہوتا اسے ہی رہنے دیتے اسکی وضاحت میں گولڈزیہر کہتے ہیں۔ ان کا طریق عام طور پر یہی ہوتا تھا کہ وہ قرآن میں پہلے مشتبہ اللفظ کے اُس معنی کو رد کرتے جو قرآن کے مزاج سے میل نہ کھاتا۔ پھر اس معنی کو پختہ بنا لیتے جس کے لئے ادب اور لغت میں گنجائش ہوتی۔ تاکہ مشتبہ معنی کا پوری طرح ازالہ ہو۔ (مقام العقل عند العرب صفحہ 86)

یعنی کہ اول و آخر ان کا لغوی استدلال پر مدار ہوتا کہ خود قرآن پاک بھی عربی زبان میں تھا اور ان کی زبان بھی عربی تھی وہ اگر کسی لفظ کے معنی اور مفہوم میں اشتباہ محسوس کرتے تو اس اشتباہ کو مسترد کرتے ہوئے ان معانی کو سامنے لے آتے جو قرآنی مزاج اور ادبیاتِ عالیہ کے حسبِ حال بھی ہوں اور لغت کے گہرے تناظر میں موزوں اور متناسب بھی۔

رقاشی کے بارے میں زرکلی لکھتے ہیں۔ واعظ من اهل البصرة كان من اخطب الناس متكلماً قاصداً مجيداً۔

وعظ اور خطابت میں اعلیٰ معیار کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اعلیٰ قسم کے خطیب اور متکلم تھے۔

(357/5 بحوالہ الیہام والتبيين 290/1 - تهذيب التهذيب 283/8)



عمرو بن عبید (761م)

37

امام الامہ۔ ابو عثمان۔ عمرو بن عبید (761م) معتزلہ میں بڑا اونچا مقام رکھتے تھے جناب سفیان بن عیینہ اور ابن ابی نجیح کہتے تھے ہم نے عمرو بن عبید سے بڑا عالم قرآن نہیں دیکھا۔ خلیفہ منصور عباسی کہتے تھے کلکم طالب صید غیر عمرو بن عبید۔ ہر انسان مفاد کا شکاری ہے ماسوا عمرو بن عبید کے (زرکلی 252/5) یہ مکہ المکرمہ کے نزدیک مران (MARRAN) میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کئے گئے۔ خلیفہ منصور جب حج پر گیا تو اسکی قبر پر حاضری دے کر۔ مرثیہ پڑھا۔ جس سے عمرو بن عبید کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ مؤرخین اور شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ۔ منصور نے کسی بھی انسان کا مرثیہ نہیں لکھا ماسوا عمرو بن عبید کے۔ منصور کو جب کہا گیا کہ وہ کسی بھی انسان کو خاطر میں نہیں لاتا آپ کے خلاف بھی باتیں کرتا ہے۔ اس نے کہا میری نظروں

میں وہ ریاکار نہیں۔ پاک و صاف ہے مجرم نہیں ہے۔ (طبقات المعتمزلہ صفحہ 40) خلیفہ مہدی کی جب بیعت ہوئی تو شعیب بن شہر۔ سے کہا۔ حدثنا وزین مجلسنا بحديث عمرو بن عبیدہ۔ ہمیں عمرو بن عبیدہ کی باتیں سنا کر ہماری مجالس کو رونق بخشو (طبقات صفحہ 122) امام شافعی عمرو بن عبیدہ کے بالواسطہ شاگرد تھے یعنی معویٰ پوتے تھے اور ان ہی کی وجہ سے نظریہ ”عدل“ کے قائل ہو گئے تھے (صفحہ 129)۔ امام مجاہد بن جر کہتے تھے۔ عمرو بن عبیدہ انہ لم یر افضل منه۔ اس نے عمرو بن عبیدہ سے زیادہ صاحب فضیلت نہیں پایا۔ (صفحہ 135) جاہظ کہتے تھے اس کے پاس سواری کے لئے اونٹ تھا مگر حج پر پایادہ گئے۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ اونٹ بھی ہے اور پایادہ بھی ہو؟ فرمایا ہو سکتا ہے کہ راہ گیروں میں یا قافلہ میں کوئی تھک جاتا ہے چل نہیں سکتا تو اس اونٹ پر سوار ہونے کا زیادہ حق دار ہے۔

(وفیات الاعیان 384/1۔ البدایہ والنہایہ 78/10۔ میزان الاعتدال 294/2)



امام ابو حنیفہ (767 م)

38

علم و دانش، فہم و فراہنگی کا نام ابو حنیفہ (767 م) ہے آپ نے کوئی تصنیف نہیں چھوڑی کہ دین قرآن میں ہے اور قرآن اپنے اعلان کے مطابق دین کو مکمل کر چکا ہے اور اس کی جہاں تشریح و تفہیم ہوگی وہ فہم انسانی کی مناسبت سے ہوگی اور اسے ”تخیل“ سے موسوم نہیں کیا جائے گا۔ اس طرح ان کے نزدیک عقل کے ارتقائی منازل کے مطابق تفہیم کے زاویے مختلف تو ہو سکتے ہیں ”مرتقی“ نہیں کہلا سکتے دوسرے لفظوں میں دین اپنی ارتقائی منزلیں طے کر کے ”مرتقی“ اس وقت ہو چکا تھا جب وحی الہی نے آخری مرتبہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ کہہ کر وحی اور نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے منقطع کر دیا تھا لہذا ابو حنیفہ کے نزدیک دین کی تفہیم کو۔۔ دین کی تکمیل نہیں کہا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے تفہیم کے ذرائع۔ عقل و دانش اور فراہنگی کو۔ اساس ٹھہرا کر ہی دفاع قرآن کے لئے اپنی سمیت سفر کا تعین کر دیا تھا۔ امام شافعی کی کتاب ”الام“ میں امام ابو حنیفہ کے شاگرد قاضی ابو یوسف کے حوالے سے لکھا ہے کہ

جو روایت قرآن کے خلاف ہو فرمان رسولؐ نہیں ہو سکتی۔

(ضعی الاسلام طبع مصر جلد 193/2، 195)

مثلاً حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب کبھی سفر پر روانہ ہوتے تو ازواج مطہرات کے مابین قرعہ



امام ابو حنیفہ

ڈالتے جس کا نام نکلتا اسے ہمراہ بنا لیتے۔ اس حدیث کو امام ابو حنیفہ قمار (جوا) سے موسوم کرتے تھے جبکہ پیغمبر جوا نہیں کھیلتے۔

☆ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ گھڑ سوار کے دو اور پیادہ سپاہی کا ایک حصہ متعین فرماتے تھے۔ امام ابو حنیفہ کہتے تھے کہ میں ایک چوپایہ کا حصہ ایک مومن سے زیادہ برگز نہیں سمجھتا۔

☆ آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ جب تک خریدار اور فروخت کنندہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتے تو بیع توڑنے کا ہر فریق کو اختیار ہے۔ امام ابو حنیفہ اسے نہیں مانتے اور کہتے تھے۔ تو کیا خواہ دونوں ایک ہی جہاز میں ہوں خواہ ایک ہی جیل میں ہوں یا ایک ساتھ ہی سفر کر رہے ہوں؟ یعنی ان صورتوں میں وہ علیحدہ نہیں ہو پاتے تب بھی بیع توڑنے کا اختیار نہ ہوگا اور بیع پختہ ہی شمار ہوگی۔

☆ روایت ہے کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں میں دے کر کچل ڈالا تھا آنحضرت ﷺ نے اُس قاتل یہودی کا سر دو پتھروں میں دے کر کچل دیا۔ امام ابو حنیفہ نے کہا یہ سزا غیر فطری ہے کیونکہ سزا بالمثل یعنی کان کے بدلے کان۔ ناک کے بدلے ناک۔ دانت کے بدلے دانت۔ آنکھ کے بدلے آنکھ پھوڑ دینا ضروری نہیں۔ یہودی چونکہ شدت پسند تھے نارمل سزاؤں کو خاطر میں نہ لاتے تھے لہذا فرمایا وکتبنا علیہم فیہا۔ ہم نے سزا بالمثل کے احکام دیتے وقت تورات ہی میں ان پر واضح کر دیا تھا کہ مذکورہ جرائم کی سزا بالمثل ہی ہوگی۔ (مائدہ، 39) تاہم معاف کر دینے پر پابندی نہیں ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام میں سزا بالمثل نہیں ہے یہاں سزا اثبات جرم کے بعد پنچائت (جرگہ) یا منصف مجاز (عدلیہ) کی صوابدید سے طے ہو سکتی ہے۔ جہاں تک قصاص کا تعلق ہے تو قرآن اسے انسانی بقاء کا ضامن قرار دیتا ہے اور وہ قرآن ہی کا حکم ہے و فی القصاص حیاة (بقرہ، 179) تاہم یہ چونکہ انتہائی جرم کی انتہائی سزا ہے لہذا اسے بھی مرحلہ وار نافذ کرنے کا حکم ہے کہ ایک انسان تو مارا گیا اب دوسرے کی جان بچائی جاسکتی ہے تو پچائی جائے۔ فرمایا (1) اگر درءاء معاف کر دیں تو یہ سب سے بہتر ہے۔ (2) یا پھر خون بہا پر انہیں راضی کر لیا جائے۔ (3) تب بھی اگر کام نہ بنے تو اب سنگین جرم کی سزا بھی سنگین ہوگی۔

قصاص کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ مجرم کا اس حد تک پیچھا کیا جائے کہ مقتول کا حق تلف نہ ہونے پائے۔ اس کی دوسرے تعریف یہ بھی ہے کہ قاتل اور مقتول میں نسلی، صنفی اور عقائدی امتیاز نہ برتا جائے لیکن میرے سنی بھائی دوسری تعریف کو نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ

”مسلمان قاتل کو غیر مسلم مقتول کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔“

(نبیل المرام طبع مصر 1929 صفحہ 17 سطر 13)

اور کہ بان الذکور لا يقتل بالانثی۔ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

(تفسیرات الاحمدیہ طبع 1904) خاٹھوف جازان (سابقہ روس) صفحہ 17 سطر 22 تا 27)

جس طرح قصاص میں عنصری (مرد عنصر اعلیٰ ہے اور عورت عنصر ادنیٰ) جنسی، نسلی اور گروہی امتیاز کو

روا رکھا گیا ہے۔ دیت میں بھی اسی امتیاز کو ابھارا گیا ہے مثلاً مرد مقتول کی دیت ایک لاکھ ہے تو عورت کی دیت پچاس ہزار ہوگی بلکہ بعض نے مرد کی قاتل عورت ہو تو اضافی دیت کی بات بھی کی ہے مثلاً ایک لاکھ پچاس ہزار روپے۔ اس طرح غیر مسلم اور لوہڑی و غلام جو کہ مسلم معاشرے کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں ان کی دیت بھی نصف ہے۔ (حوالے کے لئے مذکورہ کتابیں دستیاب ہیں کسی بھی مذہبی درسگاہ میں جا کر دیکھ سکتے ہیں)

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ان دشواریوں اور رکاوٹوں کے باوصف ہمارے ابو حنیفہ تعزیر بالمثل کو انسانیت کی تذلیل کہتے اور صرف قرآنی تعزیرات کو انسانیت کی عزت اور بقا کا ضامن تسلیم کرتے اور کہتے تھے کہ یہودی کو سزا بالمثل دینا مثلہ ہے۔ اور مثلہ کرنا کسی رسول کے شایان شان نہیں ہو سکتا۔

☆ ایک شخص نے حدیث کے حوالہ سے بات کی۔ آپ نے فرمایا۔ ایسی روایتوں سے معاف رکھیو۔

(ہمارے دینی علوم علامہ جیراچپوری صفحہ 14/15 تا 125)

☆ ابو اسحاق فزاری نے ایک حدیث پیش کی۔ آپ نے اسے خرافات (زُمل) کہہ دیا۔

☆ آپ سارع موتی کے قاتل نہیں تھے فرماتے تھے مَر دے اگر بولتے تو اپنے پجاریوں سے کہتے پکارو اسے جو سزا اور جواب دے سکتا ہے۔

☆ کسی نے کہا۔ بچہ کا جب تک عقیقہ نہیں کیا جاتا وہ آگ میں گر وی رہتا ہے۔ (کتب احادیث)

☆ آپ نے فرمایا یہ حکم۔ فطرتِ احکام کے منافی ہے۔ بچہ ابھی احکامِ الہی کا مکلف ہی نہیں ہوا۔ عذاب و ثواب نے پہلے ہی اسے گھیر لیا؟

اسی طرح لوگوں نے 200 ایسی احادیث کا سُراغ لگایا ہے جنہیں ہمارے امام اعظم نے موج کے عصا سے ناکارہ بنا دیا۔ بایں ہمہ آپ بلند پایہ قرآنی دانشور اور مفکر تھے۔ امام مالک کہتے تھے کہ میں نے ایک ایسا انسان پایا ہے جو اگر پتھر کے ستون کو چاہے تو دلائل سے سونا ثابت کر سکتا ہے اور وہ ہے ابو حنیفہ۔

(زر کلی طبع قاہرہ 5/9)

یہ چند مسائل بطور نمونہ پیش کئے ہیں تاکہ ہمارے پاکستان میں ان کے نام لیوا عبرت پکڑیں اور ان کے مشن اور اصولوں کے خلاف چل کر ان کا دل نہ دکھائیں اور مشغلہ تکفیر سے باز آجائیں جو آئے دن ان مسلمانوں کے درپے آزار رہتے ہیں جو خرافات کو جزو ایمان نہیں مانتے اور تکفیر کا نارگٹ بناتے رہتے ہیں جن کی نہ مسجد الگ ہے۔ نہ قرآن۔ نہ اسلام۔ نہ پیغمبر۔ نہ رشتے ناٹے الگ۔ نہ برادریاں جدا جدا۔ جو ختم نبوت کا اس انداز سے عقیدہ رکھتے ہیں جس سے انتظاری عقیدے کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے۔ جبکہ تمام سُنی فرقے عقیدہ رکھتے ہیں کہ مسیح آئیں گے اور ایک ہی ”ہلہ“ میں ساری دنیا کو اپنا ہمنوا بنا ڈالیں گے۔ سوال یہ ہے کہ وہ اگر اتنی ہی توانائیوں کے حامل ہونگے جن کے سامنے رسالت محمدیہ دُب کر رہ جائے گی تو خاتم النبیین ﷺ کا کیا مقام ہوگا؟ نیز سنیوں کا یہ عقیدہ کہ مسیح اُمّتی بن کر آئیں گے انصاف کے ترازو میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ خاص کر نبوت دے کر پھر چھین لینا سنت اللہ کے خلاف بھی ہے اور علم الہی پر دھبہ آتا ہے کہ اللہ جن کو نبوت عطا کرتا ہے پھر کسی وقت ان سے چھین کر کسی دوسرے پیغمبر کا اُمّتی بنالیتا ہے اور یہ کہ وہ اُمّتی ہو کر بھی جزیہ کو بھی منسوخ کریں گے اور جہاد و حج کو بھی اور ایک ہی ہلہ میں ساری دنیا کو ہمنوا بھی بنالیں گے۔ یا روکھ تو رحم کرو اتنی تو بین خاتم الرسل مکی۔ کہ غیر قوم کا نبی نبوت چھنوا کر بھی روحانی توانائیوں سے اتنا لامال۔ مزید ستم یہ کہ مسیح کے لئے طویل العمری کہ لاکھوں، اربوں اور کھربوں سال گذرنے پر لافانی زندگی خاص کرنا۔ جس سے وہ بھی اللہ کی طرح نہ ہو کر بھی ”حی و قیوم“ کا روپ ضرور دھار سکیں۔ بڑا افسوس ناک رویہ ہے۔

پس ہر کاہ کہ یہ طے شدہ بات ہے کہ امام ابوحنیفہ عقلیات کے امام تھے آپ نے عقل کے خلاف احادیث کو مسترد کر دیا ایسے میں کسی سے اگر یہ معلوم ہو کہ آپ ”بے عقلی“ کی راہ بھی چل پڑے تھے تو نہ صرف یہ کہ ذہن اس بات کو قبول کرنے سے ابا کرے گا۔ دھچکا بھی محسوس کرے گا۔ لیکن گھبرانے اور حواس کھو بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے ہم ان کے عمومی طرز استدلال کے تناظر میں فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہاں بھی ان کا وہی فیصلہ ہے جو ان کے عمومی طرز استدلال کا مابہ الامتیاز ہے۔ ❀

امام مالک (790م)

39

مسلمانوں کے انقلابی امام، دارالہجرت مدینہ منورہ کے روشن چراغ امام مالک (790م) ابن انس اپنے عقیدے میں روایات کو مشتبہ جانتے اور نبی اکرم ﷺ سے تصدیق کا یقینی ذریعہ نہ پا کر روایت کرنے سے پرہیز کرتے تھے تو اس کے برعکس آپ نے اہل مدینہ کے عدالتی اور پنچاسی فیصلوں کو جمع کرنے کا اصولی فیصلہ۔



کر لیا اور ”مؤطا“ کے عنوان سے اپنی کاوشوں کو سامنے لے آئے۔ آپ بلاشبہ انقلابیوں کے امام اور وقت کے فقیہوں کے سردار تھے دربار شاہی میں سروِ نچا کر کے چلتے اور داخل ہوتے تھے۔ کسی صلہ و ستائش کے خواہاں نہیں تھے حق بات کہنے میں پچکا پھٹ محسوس نہ کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک بار خلیفہ جعفر عباسی کسی بات پر امام موصوف سے خفا ہوئے اور آپ کو اتنے بید مروانے کہ آپ کا مونڈھا اتر گیا۔ مسئلہ غالباً جبری طلاق کا تھا کہ حنفی مذہب میں جبری طلاق واقع ہو سکتی ہے جبکہ خلیفہ یہی بات امام مالک سے بھی کھلوانا چاہتے تھے کہ وہ کسی نکاح بستہ خاتون کو طلاق دلوا کر اپنی آغوش گرم کرنا چاہتے تھے لیکن امام فرماتے تھے طلاق المکروہ لیس بشیئنی، جبری طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔ اس پر آپ کو گلیوں اور بازاروں میں پھرایا گیا۔ کوڑے مارے گئے کوڑے کی ہر چوٹ پر فرماتے کہ میں مالک بن انس ہوں ایتونی بشیئنی من کتاب اللہ حتی اقول بہ۔ میں مالک بن انس کسی کے فتوے پر صا و نہیں کرتا میرے سامنے قرآن پیش کرو تا کہ بات کر سکوں۔ یہ بات کہ ثلاثہ جدھن جدھز لھن جد، تین چیزوں میں سے دو چیزوں کا حقیقی اظہار بھی حقیقت ہے اور یوں ہی باتوں باتوں میں اظہار بھی حقیقت ہے غلط روایت ہے مذاق میں اور جہر میں حقیقی نکاح اور حقیقی طلاق نہیں ہوتے۔ غرض کہ ایسے نازک وقت میں جبکہ خلیفہ شوہانیت سے پاگل ہو رہا تھا چیف جسٹس ان کے حق میں فتویٰ بھی دے چکا تھا امام مالک کا ڈٹ جانا اور قرآنی فیصلہ کا مطالبہ کرنا ایمان کی اعلیٰ و ارفع کوالٹی کا اظہار ہے اور عقیدہ حسنا کتاب اللہ کی صدائے بازگشت ہے۔ ایتونی بشیئنی من کتاب اللہ۔



ابن جریج (767م)

40

عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج ابو الولید (767م) فقیہ الحرم المکی تھے اپنے زمانے میں اہل حجاز میں واحد انسان تھے جنہیں امام اہل الحجاز کے امتیاز سے یاد کیا گیا۔ اور یہ پہلے انسان تھے جنہوں نے اسلامی عہد میں تصانیف کیں اور معتزلی تھے۔

(طام صفحہ 133-135۔ تذکرۃ الحفاظ 160/1۔ ابن خلکان 286/1۔ تاریخ بغداد 400/10)



موسیٰ الاسواری (767م)

41

موسیٰ بن سیار الاسواری (767م) قصہ گو عالم تھے ہمرے میں حدیث کے امام تھے۔ ضعیف الحدیث

تھے یوں بھی معتزلہ احادیث کے بارے میں پھسڈی واقع ہوئے تھے کیونکہ انہوں نے حدیث کو حیثیت فن حاصل ہی نہیں کیا ہوتا بہر حال جاہظ کہتے تھے کہ موسیٰ اسواری دنیا کا ایک عجوبہ انسان تھے بیٹھے تھے تو عربی مگر فارسی۔ اہل زبان کی طرح بولتے تھے۔ جب درس کے لئے بیٹھتے تو داہنے جانب عرب اور بائیں جانب ایرانی بیٹھ کر درس سنتے۔ وہ جب کوئی آیت تلاوت کرتے تو عربوں کے لئے عربی میں اور ایرانیوں کے لئے فارسی میں تشریح کرتے۔ عقیدے میں بلند فکر معتزلی تھے۔ ﴿البیان والتبيين 368/1- لسان الميزان 120/6﴾

محمد بن اسحاق مؤرخ (768م)

42

محمد بن اسحاق بن یسار المصطفیٰ المدنی (768م) سیرت نبوی ﷺ کے نامور مؤرخ۔ قدیم تاریخ نویس تھے اہل علم تھے قدری مسلک کے تھے۔ ﴿طبقات ابن سعد قسم نمبر 2 جلد 7- وفیات 483/1﴾

معمر راشد (770م)

43

امام معمر بن راشد ابو عمرو۔ الاسدی (770م) جاہظ کے بقول قرآنی فکر کے تھے (ط۔م۔ صفحہ 139) حافظ الحدیث تھے ثقہ تھے، بصرے میں پیدا ہوئے اور یمن میں سکونت اختیار کی پھر جب بصرے میں لوٹ آنے کا ارادہ کیا۔ تو یمن والوں پر آپ کی جدائی شاق گذری۔ آخر کسی کے مشورے پر آپ کو مقید کر کے شادی کرادی گئی تب آپ نے مستقل طور پر یمن ہی کو وطن بنا لیا کہ بیوی سے زیادہ پیار کا بندھن کیا ہو سکتا تھا اس کے ہاتھ کا تو زہر ہلا ہل بھی ”ترياق“ ہو جاتا ہے اب ابن راشد کو دولت کونین مل گئی تھی۔ بصرے جا کر کیا کرتے۔ (تذکرہ الحفاظ 178/1۔ تہذیب التہذیب 243/10)



سعید بن ابی عمرو (773م)

44

امام سعید بن ابی عمرو یہ مہران العدوی البصری (773م) ذہبی کہتے تھے۔ امام اہل البصرہ رمی بالقدر۔ اہل بصرہ کے امام تھے قدری تھے۔ (تہذیب التہذیب 63/4۔ میزان الاعتدال 387/1)



ابو عمرو بن العلاء (774م)

45

زبان بن عمار بن العریان المازنی ابو عمرو بن العلاء (774 م) ایک تومند طالب قرآن تھے ابو عبیدہ کہتے تھے ادب۔ عربیت۔ قرآن۔ اور شعر کے زیادہ شاعر تھے اور یہی اصنافِ سخن آپ کی پہچان تھیں۔
(وفیات الاعیان 164/1۔ ابن خلکان 386/1)



زفر بن الہذیل (775 م)

46

امام ابو حنیفہ کے چار شاگرد تھے ابو یوسف۔ محمد۔ حسن اور زفر۔ چاروں مشاہیر میں سے تھے فقہ اور فہم کے دہنی تھے ان میں زفر بن الہذیل بن قیس الغیری (775 م) کے بارے میں۔ ابن یزید۔ ابو القاسم۔ اور قاضی عبد الجبار کہتے تھے کہ زفر۔ ابو حنیفہ کے قدیم اصحاب میں سے تھے جو معتزلی تھے۔ جب امام ابو حنیفہ سے شکایت کی گئی کہ وہ تو مرجیہ نہیں معتزلی ہے تو فرمایا اسے اپنے حال پر رہے دو مناظرے کی ضرورت نہیں ار جہاء میں لبرل ازم کی زیادہ گنجائش ہے فقہ خود ہی اسے رد کر دے گی۔ (الجواهر المصنیۃ جلد 243/1)



ابن ابی ذؤیب (775 م)

47

محمد بن عبد الرحمن بن المغیرۃ بن الحارث بن ابی ذؤیب (775 م) بڑے علم والے تھے، راسخ العقیدہ قدری تھے۔
(تہذیب التہذیب 301/9۔ میزان الاعتدال 87/3)



ابو سلمہ الکندی (780 م)

48

عثمان بن مقسم البری۔ ابو سلمہ الکندی (780 م) حدیث کے بڑے امام تھے۔ ابن حجر عسقلانی (1449 م) کہتے ہیں حدیث کے موضوع پر خوب لکھا۔ خوب جمع کیا۔ "قدری" تھے۔ قیامت کے دن۔ ترازو رکھ کر۔ اعمال کو مادی اشیاء کی طرح وزن کرنے کے منکر تھے وہ کہتے تھے کہ۔ میزان۔ عدل و انصاف کا استعارہ ہے۔ حاجی نے کہا کہ عثمان بری۔ اگرچہ حدیث کے امام تھے مگر اعتزال میں غلو کی وجہ سے اہلحدیثوں نے اس سے روایت کرنی چھوڑ دی تھیں۔ تاہم یہ بھی کہتے تھے کہ۔ روایت میں توجیح بیان کرنا تھا مگر دیگر باتوں میں غلط بیان تھا۔ (کن باتوں میں اس کی وضاحت نہیں ہوئی؟) (لسان المیزان 157, 155/4)



بشیر الرحال

49

چوتھے طبقے سے تھے۔ الرحال۔ اس طرح مشہور ہوئے کہ ہر سال حج یا کسی غزوے کے لئے جو سفر رہتے تھے نفس زکیہ کے ساتھ جو معتزلہ مل گئے تھے ان ہی میں سے تھے۔ چنانچہ اس کی حمایت میں نکلے مگر صدمہ یہ کہ دونوں ہی مع ساتھیوں کے مارے گئے۔ کسی نے کہا آپ نے خلیفہ منصور کے خلاف بغاوت میں حصہ کیوں لیا؟ فرمایا منصور مجھے بلو کر ایک مکان میں لے گئے میں نے اندر داخل ہو کر دیکھا عبد اللہ بن الحسن کی لاش پڑی تھی۔ میں دیکھ کر غش کھا گیا۔ جب افاقہ ہوا تو میں نے عہد کر لیا کہ ظلم کا ساتھ نہیں دوں گا جو بھی منصور کے خلاف اُٹھے گا۔ ساتھ دوں گا۔

(ط۔ م صفحہ 41)



یہ بشیر چوتھے طبقے سے تھے۔

عیسیٰ بن صبیح

50

عباسیہ کا ابتدائی دور تھا جب قرآن کا فخر یہ نام لیا جاتا تھا اور کوئی نہ تھا جو کسی کو منکر حدیث کہہ کر مطعون کرتا اسی دور میں ہمارے قرآنی دانشور ابو موسیٰ عیسیٰ بن صبیح بن مردار پیدا ہوئے۔ اپنے مشن کا برملا اظہار کرتے تھے۔ وہ قرآنی دانشوروں کے ابتدائی طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور ان ہی کی وجہ سے بغداد میں قرآنی تحریک کو فروغ اور مقام ملا۔ اس کے کلام میں رمز آشنائی کا عنصر زیادہ ملتا تھا۔ ایک بار ابو الہذیل علاف جو اپنے زمانے کے بڑے قرآنی دانشور تھے عیسیٰ بن صبیح کو دیکھ کر آب دیدہ ہو گئے کہ ان کو دیکھ کر واصل بن عطاء اور عمرو عبید کی یاد آگئی کہ یہ بھی ان ہی کی طرح صاحب علم تھے رمز شناس قرآن بھی تھے اور صاحب عمل بھی جب حالت نزع کا اندازہ ہوا تو گھر میں جو کچھ اٹا تھا اہل حاجت میں بانٹ دیا کہ یہ ان ہی کا حق ہے ان کی عظمت کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ وہ ”الجعفرین“ یعنی ابو الفضل جعفر بن حرب اور ابو محمد جعفر بن بشر اشقی کے اتالیق بھی تھے۔



خلیفہ مہدی عباسی (785م)

51

خلیفہ مہدی عباسی (785م) ابو عبد اللہ محمد بن منصور جن کی 85 ہجری میں بیعت ہوئی راسخ العقیدہ معتزلہ تھے عالم تھے اور شجاع تھے۔ ابو معن شیب بن شبہ۔ سے فرمائش کرتے تھے کہ۔ عمرو بن عبید (761م) کی باتوں سے ہماری مجالس کو منور کریں۔ دراصل ہوا یہ کہ مہدی کے عہد حکومت میں زنادقتہ زور میں آگئے اور مہدی سے

بڑے معرکے ہوئے ان ہی معرکوں میں مہدی کی دلیری کام آئی اور صالح بن عبدالقدوس جیسے قرآن کے حریف کا مقابلہ میں کام تمام ہوا دیگر زنا دقتہ قیدی ہوئے یا بھاگ نکلے اسی تناظر میں مہدی کو احساس ہوا کہ معتزلہ کو ہر وقت چوکنا رہنا چاہئے کہ صرف وہی علمی سطح بلکہ ہر سطح پر ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔



امام واصل بن عطاء (798م)

52

امام المحکمین سید البلغاء واصل بن عطاء (700 پ 798 م) مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے جب عتقوان شباب زوروں پر تھا تو مدینہ کے اس نوجوان نے بصرے کا رخ کیا کیونکہ اُن دنوں بصرہ ہی علوم و فنون کا مرکز بنا ہوا تھا۔ کہ مدینہ منورہ سے جوں ہی سیاست ملیہ ختم ہو کر سیاست ملکیہ میں تقسیم ہو کر دمشق اور بصرہ میں مرکوز ہوئی۔ علم کے پیاسوں کا مختلف جہات کی طرف سفر شروع ہو گیا۔ واصل کو روایات سے دلچسپی نہیں تھی۔ وہ عقلیات اور لغت و ادب کے شید اور والدہ تھے مدینہ منورہ میں رہ کر بھی علوم عقلیہ کے حصول کے لئے کوشاں رہے۔ اُن دنوں عراق کے شہروں پر نسبتاً شیعہ اہل علم اور دیہات پر خوارج کا قبضہ تھا۔ چنانچہ واصل نے خوارج سے علوم حاصل کرنے کے لئے دیہات اور شیعہ سے استفادہ کرنے کے لئے شہروں کا رخ کیا اور وقت کے بڑے بڑے اماموں اور یگانہ روزگار ادیبوں سے علوم فلسفہ اور علم دین حاصل کیا کیونکہ واصل کے دور کا عراق علمی قیادتوں کا مرکز بن چکا تھا۔ اسیں فقہ پروان چڑھی اس میں فلسفہ ابھرا، اسی میں علم نحو کی نشوونما ہوئی جاہلیت کا ذخیرہ اشعار جمع ہوا حکمت یونان اور فلسفہ عجم اوج کمال تک پہنچے۔ تاہم واصل نے تمام علوم پر عقلیات اور ادب کو ترجیح دی اور عقلیات ہی کو ہضم کرنے کا سامان کیا واصل اپنے زمانے کے زبردست مناظر اور باحث ہونے کے ساتھ بڑے متحمل مزاج۔ غصہ تھوکنے والے اور چہرہ خنداں کے مالک تھے ان کے برعکس ان کے ہم سفر وہم فکر امام عمرو بن عبید (761 م) تنگ مزاج اور غصہ ور تھے واصل نے۔۔۔ کی آیت۔۔۔ پڑھ کر اس کے غصے کو ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا کر دیا۔ واصل بڑے ہنس مکھ اور ملنسار تھے اونچے درجے کی جدلی توانائی سے لیس تھے۔

اس حد تک قادر الکلام تھے کہ مخالف سامنے آتے ہی کاٹنے لگتا اور اس کا دل خوف سے بھر جاتا۔ واصل کی تمام تر توانائی اسلام اور قرآن کے دفاع میں صرف ہو جاتی وہ مخالف کی بات پوری توجہ سے سنتے پھر اس کا رخ موڑنے کے تمام وسائل اور ہمداسالیب اختیار کرتے جس سے مخالف پر سکتہ طاری ہو جاتا اور بغیر کسی



امام داود بن عطاء

احتباسِ فکری کے وہ قائل ہو جاتا۔ واصل اور ابو حنیفہ ایک طرح ہم شغل تھے ابو حنیفہ کو نے میں کیڑے کا اور واصل بصرے میں ریشم کا کاروبار کرتے تھے دونوں غنی بھی تھے اور سیرِ چشم بھی یہی وجہ ہے کہ واصل نہ کسی صلے کے طالب ہوتے نہ جاہ و منصب کے۔ خاص کر ابو حنیفہ ہوں یا واصل پابندِ حریتِ فکری کے قائل نہیں تھے یعنی کسی ”فقہی راج“ کی ”رعایا“ نہیں تھے واصل کے بارے میں مؤرخین لکھتے ہیں،

كان يلتبس حججه من القرآن دائما ولا يعتمد على السنة في الاستدلال للعقائد لان كلها اوجها ليست اخبارا متواترة والاخبار غير المتواترة لا تثبت بها العقائد

وہ عموماً قرآن ہی سے دلائل کشید کرتے اور سنت پر خاص کر عقائد کے باب میں اعتماد نہ کرتے تھے کیونکہ سنتیں سب کی سب یا کم از کم زیادہ تر غیر متواتر ذرائع سے نقل ہوتی ہیں جبکہ غیر متواتر ذریعوں سے عقائد اور ایمانیات کا اثبات نہیں ہو سکتا۔

واصل دراصل کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ایمانیات اور عقائد کا تعین صرف قرآن کے ذریعہ ہوتا ہے اور قرآن ہی اس باب میں حرفِ آخر ہے۔ واصل کا عقیدہ تھا کہ قرآن میں سمیع و بصیر۔ یا اس طرح کی جتنی صفات ذاتِ باری کے سلسلے میں بیان ہوئی ہیں وہ عین ذات ہیں کسی تاویل اور توجیہ سے نفی لازم نہیں آتی اور یہی عقیدہ ہمارے سرسید (1898 م) کا بھی تھا وہ کہتے تھے کہ انسان اپنے اچھے یا برے اعمال کا خود ہی فاعل ہے وہ آزاد ہے مجبور نہیں ہے اپنی برائیوں کو اللہ سبحانہ کے کھاتے میں نہیں ڈال سکتا۔

(مقریزی 345/2_ وفیات الاعیان 170/2_ مروج الذهب 398/2_ اسد الغابہ 80/5)



خلیل عروضی (791م)

53

معتزلہ قدام میں سے نحو اور عروض کے امام۔ خلیل بن احمد (791 م) بصری فرہودہ دانشورانِ قرآن میں سے تھے نہایت ہی پارسا۔ نیک اور حلیم تھے موسیقی سے علم ”عروض“ کشید کیا تھا بڑے درویش مزاج تھے۔ خلیل خود ہی وضاحت کرتے ہیں کہ۔ میں پہلا شخص ہوں جس نے ”اوعیہ“ (برتنوں) کو ”ظروف“ کا نام دیا۔

(وفیات الاعیان 172/1۔ انباہ الرواة 341/1)

آپ حکیم فرہود کے نام سے مشہور تھے جواز و۔ قبیلہ کی شاخ تھی۔ ان کو جمع کے صیغے سے فراہید بھی

کہتے تھے۔



امام سیبویہ (796م)

54

عمرو بن عثمان بن قیس الحارثی عرف سیبویہ (796م) نے نحو کو وسعت دی۔ بغداد پہنچنے پر کسائی سے مناظرہ ہوا اور غالباً جیت گئے ہارون الرشید نے اپنے استاد کسائی کی شکست کا احساس نہیں کیا اور علم کی قدر افزائی کی سیبویہ کو دس ہزار درہم انعام دے دیا آپ بڑے خوبصورت تھے۔ معتزلہ میں اونچا مقام رکھتے تھے مگر جواں سال تھے کہ بے رحم موت نے دبوچ لیا۔

(تاریخ بغداد 168,166/12 - مفتاح السعادة 35/2)



ابراہیم الاسلمی (800م)

55

ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ سماعی الاسلمی المدنی (800م) طعن فیہ رجال الحدیث وقالوا قدری ومعتزلی جمعی۔ اہلحدیث اس پر طنز کرتے تھے کہ وہ قدری تھا۔ معتزلی تھا اور جمعی تھا اس سے ہم حدیث روایت کریں تو کیسے کریں۔ لیکن امام شافعی کہتے تھے۔ حدثنا من لا اتهم۔ میرے نزدیک ابراہیم بن محمد بے داغ ہے۔ الاسلمی (800م) بڑے قدر آور عالم ہو گزرے ہیں۔ مدینہ منورہ کے مولود اور امام شافعی کے ایک استاد تھے اہلحدیثوں نے سہ آئندہ معتزلی ہونے کے باعث۔ آپ پر جرح کی ہے تاہم امام شافعی جب حدیث بیان کرتے اور کہتے کہ مجھ سے حدیث بیان کی اس نے جس پر میرا کوئی الزام نہیں۔ تو اس سے ابراہیم بن یحییٰ کی ذات ہی مراد ہوتی تھی۔ یعنی میرے نزدیک ابراہیم اسلمی۔ غیر مجروح تھے۔ ثقہ تھے۔

(میزان الاعتدال 27/1. تذکرۃ الحفاظ 227/1)



حفص بن سالم

56

حفص بن سالم علم مناظرہ میں باکمال شخصیت تھے۔ واصل بن عطاء کو ان پر ناز تھا۔ سکہ بند معتزلی تھے۔ ان کی ذات اور علمیت مرجع اعتماد تھی اور اسی اعتماد پر قرآن کے بڑے دانشور واصل نے اسے خراسان بھیجا تا کہ جہم کی پھیلائی ہوئی گمراہی کے ازالے کے لئے اس سے دبدوبات ہو جائے۔ چنانچہ حفص نے خراسان پہنچ کر اسے دبوچ لیا وہ لا جواب ہو کر بھاگ گیا۔ بے شمار لوگ اس کے پھیلانے ہوئے گمراہی کے

(ط - م صفحہ 42)

جال سے آزاد ہو کر قرآن کی صداقت کے قائل ہو گئے۔ حفص کو بڑا اعزاز ملا۔



عمرو بن فائد

57

ایک مناظرہ کے متکلم تھے (ط - م صفحہ 60) یہ معتزلہ کے چھٹے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک بار سلیمان بن علی بن عبد اللہ بن العباس بن عبد المطلب البہاشی - تلوار سونٹے کھڑا ہو گیا اور ابن فائد کے آنے پر قرآن کھول کر یہ آیت پڑھی۔ وما کان لنفس ان تؤمن الا باذن اللہ۔ کسی انسان کی مجال نہیں ہے کہ۔ اللہ کے اذن کے بغیر ایمان لے آئے۔ (یونس، 100)

سلیمان نے سوال کیا کہ۔ اس آیت میں ایمان لانے کو اللہ کے اذن سے مربوط کیا ہے۔ اب تم بتاؤ تمہارے پاس اس کا جواب کیا ہے؟ تلوار میرے ہاتھ میں ہے۔ جواب میں عمرو بن فائد نے فی الفور یہ آیت پڑھی۔ یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً۔ فامنوا باللہ۔ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ تم اللہ پر ایمان لے آؤ۔ (اعراف، 158)

عمرو بن فائد نے کہا اس آیت میں۔ فآمنوا۔ کے صیغے میں اللہ سبحانہ نے ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔ بتاؤ اس سے واضح اور بڑا۔ اذن۔ کیا ہوگا؟ سلیمان (759) نے یہ سن کر تلوار نیچی کر لی اور کہا۔ یہ بتلاؤ میرے سوال کا پیشگی جواب کیسے دیدیا؟ فرمایا۔ بتائید اللہ۔ اللہ کی مدد شامل بنی اور میں نے صحیح جواب دیدیا۔



ابو عبد اللہ الغزال

58

ابو عبد اللہ الغزال۔ واصل بن عطاء کے دودھ شریک بھائی تھے دو چار سال چھوٹے ہی ہو گئے واصل نے اس کی ڈیوٹی لگا دی تھی کہ۔ پاکدامن عورتوں کا پتہ چلائے تاکہ ان تک صدقات کی امدادی کمک باقاعدگی سے پہنچا تا رہے کیونکہ واصل کو یہ کام اچھا لگتا تھا اور اپنے با اعتماد بھائی کے ذریعہ سرانجام دینا چاہتا تھا خاص کر غزال۔ واصل ہی کی طرح عدلی بھی تھے۔ (ط - م صفحہ 29)



واصل کی شریک حیات

59

مشہور معتزلی امام عمرو بن عبید۔ کی بہن کا رشتہ واصل بن عطاء سے ہوا تھا۔ آپ چونکہ ہردو جانب سے علمی گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں اس لئے بعض حساس معلومات کی امین تھیں ایک دفعہ کسی نے دریافت کیا کہ محترمہ عمرو بن عبید اور واصل میں سے کون اچھا تھا۔ کہا دونوں میں آسمان وزمین کا فرق تھا۔ سوال ہوا کہ عملی طور پر کون بہتر تھا۔ جواب میں وضاحت ہوئی کہ۔ واصل کا معمول تھا کہ جو بھی رات کی تاریکی چھا جاتی وہ جا نماز بچھا کر نماز شروع کر دیتا جبکہ قلم و دوات اس کے پاس ہوتے اور نماز ہی میں جوں ہی کوئی علمی نکتہ ذہن میں آتا جو مخالف کا منہ بند کر کے اس پر حجت قائم کرنے والا ہوتا۔ نماز سے رک جاتے اور اسے قلمبند کر کے پھر دوبارہ نماز شروع کر دیتے۔ (ط۔ م صفحہ 32۔ ان کا تعلق چوتھے طبقے سے تھا)

ہشام الدستوائی

60

معاذ کے والد ہشام بن ابی عبد اللہ الدستوائی بڑے عبادت گزار زاہد تھے ذہنی ان کی جلالہ شان کا اعتراف کرتے اور لکھتے ہیں۔ الحافظ۔ احمد الاثبات۔ حافظ تھے اور ثابت الروایت محدثین میں سے تھے یعنی جن کی روایتیں ضعیف کے شاہجے سے پاک تھیں (میزان الاعتدال 254/3)۔ ابو داؤد و طیالسی (۔۔۔) کہتے تھے۔ دستوائی۔ حدیث کے امیر المؤمنین تھے۔ البتہ علی، ابن سعد اور یحییٰ ابن معین کہتے تھے کہ یہ معتزلی تھا لہذا اس کی روایت نہ لینی چاہئے یعنی اس کا عقیدہ ہے کہ خدا نہ غلطیاں کرتا ہے اور نہ غلطیوں کا خالق ہے انسان معاصی کا خود ہی خالق ہے اور خود ہی فاعل ہے۔ (ط۔ م صفحہ 138)

محمد بن حسن الشیبانی (804م)

61

امام ابو حنیفہ کے بعد دوسرے شاگرد ابو عبد اللہ محمد بن الحسن الشیبانی (804م) بڑے قد آور عالم تھے۔ زاہد تھے، عابد تھے شب بیدار اور خدا ترس تھے علم کی راہ میں پیسہ خرچ کرنے والے تھے اسے ہارون الرشید نے ایک سال تک گھر میں بند رکھا تھا آپ کے شمار سے باہر شاگرد تھے جن کے ذریعہ فقہ ابو حنیفہ کو فروغ ملا۔ آپ نے فقہی احادیث کا الگ مجموعہ لکھا جو موطا امام محمد کے نام سے مشہور ہے۔ طبقات المعز لہ میں آپ کے فضائل کے اعتراف کے ساتھ انہیں معتزلی بھی لکھا ہے۔ (طبقات المعز لہ صفحہ 128)

امام محمد حنفی (804م)

62

محمد بن احسن بن فرقد الشیبانی (804م) امام ابو حنیفہ کی فقہ کو اُجاگر کرنے والے تھے۔ (زرکلی 6/309)



معزلی تھے۔ (ط۔م)

امام کسائی (806م)

63

ابو الحسن علی بن حمزہ الکسائی (806م) نحو، علوم قرأت اور لغت کے امام تھے۔ دنیا بھر میں جہاں کہیں عربی کا شعر ہوتا کسائی سے پوشیدہ نہ ہوتا آپ ہارون رشید کو عربی ادب سکھانے پر مامور تھے نیز اس کے بیٹے کے مؤدب بھی تھے۔ آپ عالم فاضل اور لسانیات کے ماہر لوگوں کی مجالس میں جاتے تھے۔ ایک دفعہ تھکاوٹ محسوس کی تو کہا۔ ”قد عیبت“۔ لوگوں نے کہا ہماری علمی مجلس ”اثینہ“ کرنے کے باوجود بات کرنے کا سلیقہ نہیں ہے۔ فرمایا کیا مطلب؟ کہا گیا اگر تم نے تھکاوٹ محسوس کی تھی تو کہنا چاہئے تھا۔ ”اعبیت“ اور اگر مجلس سے اٹھنے کا بہانہ بنا رہے تھے تو کہنا تھا ”عیبت“ یہ سن کر آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور فوراً اٹھ کر خلیل نحوی (791م) اور ”الہراء“ معاذ بن مسلم (803م) کی مجلس میں جانا شروع کر دیا۔ کہتے ہیں کہ آپ نے عربی ادب لکھنے پر۔ روشنائی کی 15 بوتلیں صرف کیں۔ یادداشت کا مواد اس کے علاوہ تھا جا حظ کہتے تھے۔ جب خلیفہ کے استاد بنے تو ایک طرح سے قیدی بن کر رہ گئے نہ کہیں جاسکتے تھے نہ کچھ کر سکتے تھے چنانچہ خلیفہ کا ہمنشین بنا کر تلافی کی گئی۔ (ابن خلکان 535/1۔ تاریخ بغداد 403/11۔ طبقات النحویین صفحہ 138)



ابو شمر

64

ابو شمر چھٹے طبقے سے تھے ایک صاحب فکر عالم تھے مروجہ کی طرف مائل تھے۔ معتزلہ کے زیادہ دلدادہ تھے جب کسی سے مناظرہ کرتے تو نہ ہاتھ کو حرکت دیتے نہ جسم کو جنبش۔ اور کہتے کہ ضرورت نہ ہو تو حرکت کرنا عیب ہے۔ ایک دفعہ حاکم بصرہ نے حسن بن ایوب الباشمی کی مجلس میں نظام (845م) نے ان سے مناظرہ کیا اور اس مناظرہ میں اسے اتنا دباؤ تلے رکھا کہ ان کی مہر سکوت ٹوٹ گئی اور بولنے کے ساتھ اعضاء بھی حرکت کرنے لگے۔ جا حظ (871م) کہتے تھے ابو شمر حنفی اپنے مداحین کے سامنے بات کرتے وقت اعضاء کو حرکت بالکل نہ دیتے تھے لیکن جب نظام نے اس کے سکوت کی گانتھ کھول دی تو وہ حرکت کرنے لگے۔ (ط۔م صفحہ 57)





امام کسائی

الاصم

65

ایک جلیل القدر قرآنی دانشور ابو بکر عبدالرحمان بن کیسان الاصم بہت بڑے صاحب تفسیر و ادب تھے یہ بصرے کی جامع مسجد میں درس دیتے اور اسی 80 مشاہیر علماء ان کی نگرانی میں کام کرتے تھے ایک بہت بڑے دانشور قرآنی ابو علی جبائی جب بھی اپنی تفسیر میں کسی کا حوالہ دیتے تو صرف ابو بکر اصم کا حوالہ دیتے کیونکہ ان کی فقہ اور ان کے لغوی استدلال پر اعتماد کرتے تھے۔ ویسے یہ نوٹ کرنے کی بات ہے کہ۔ قرآنیات کے ماہرین اور دانشور صرف عقائد، توحید اور ایمانیات کے معاملہ میں تو ہم سفر و ہم فکر ہوتے تھے کہ قرآن ہی کو مآخذ مانتے تھے لیکن سیاسی سطح پر اپنے حالات کے مطابق ہر مفکر اپنا ہی راستہ اختیار کر لیتا تھا مثلاً حسن بصری جو کچھ تھے سیاست میں سیدہ عائشہ کے مخالف اور علیؑ کے ہموار تھے اسی طرح کیسان بن الاصم کے بارے میں ہے۔ کسان یخطی علیاً علیہ السلام فی کثیر من افعاله ویصوب معاویۃ فی بعض افعاله

وہ حضرت علیؑ کی بہت سی پالیسیوں کو ٹھیک نہیں سمجھتے تھے اور بہت سی باتوں

میں معاویہؓ کی پالیسی کو صوب حال کہتے تھے۔ (طبقات المعنزلہ صفحہ 56 و صفحہ 57)

اس تناظر میں ہم کسی کی دلی وابستگی یا کسی کے لوح قلب سے احترام و عقیدت کے خاص رنگ کو کھرچ نہیں سکتے۔ قرآن نے واضح الفاظ میں نظام عدل رائج کرنے کا حکم دیا ہے یعنی انصاف کو فریق بنانے کی بجائے جس کا حق ہے اسے دیا جائے، اب وہ طرز حکومت جمہوری ہو سلطانی ہو اپنے وقت میں جیسے ہو اس سے بحث نہیں کرتا۔ مثلاً خلفائے ثلاثہ موروثی طرز حکومت کے قائل نہیں تھے مگر سیدنا علیؑ موروثیت کو لازمی سمجھتے تھے۔ ویسے قطع نظر ان باتوں کے وہ دین اور سیاست میں تفریق کے قائل تھے۔ یعنی دین۔ قرآن، حج، اسلام و صلاۃ۔ پیغمبر کے بارے میں ان کا کوئی اختلاف نہیں تھا مگر سیاست اور طرز حکومت اپنی پسند کی چلاتے تھے۔



عبدالرحمان اللؤلؤی (814م)

66

عبدالرحمان بن مہدی بن حسان العنبری ابوسعید اللؤلؤی (814م)۔ احمد بن حنبل کی تحقیق کے مطابق قدری تھے (صفحہ 139) حافظ الحدیث تھے۔ امام شافعی کہتے تھے لا اعرف لہ نظیرا فی الدنیا۔ وہ دنیا میں اپنی نظر آپ تھے۔ (تہذیب التہذیب 279/6۔ تاریخ بغداد 240/10)



سفیان بن عیینہ (814م)

67

سفیان بن عیینہ بن میمون الصلالی الکوفی (814م) احمد بن حنبل نے انہیں مکہ المکرمہ کے قدریوں میں شمار کیا ہے (صفحہ 135) وسیع العلم تھے لوگوں میں قدر و منزلت سے دیکھے جاتے تھے امام شافعی کہتے تھے لو لا مالک و سفیان لذهب علم الحجاز۔ اگر مالک اور سفیان نہ ہوتے تو حجاز کا علم مٹ چکا ہوتا۔
(تذکرۃ الفاظ 242/1 - ابن خلکان 210/1 - حلیۃ الاولیاء 270/7)



معاذ الدستوائی (815م)

68

معاذ بن بشام بن ابی عبد اللہ الدستوائی (815م) بڑے کھرے اور ذہبی کے بقول راست گورائی تھے۔ ابن معین نے راست گو کہنے کے باوصف اس کی روایت کو حجت تسلیم نہیں کیا۔ بڑے قد آور محدثین نے اس پر جرح نہیں کی البتہ حمیری نے کہا ہے کہ معاذ جب مکہ المکرمہ میں داخل ہوا تو لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ لا تسمعوا من هذا القدوری۔ یہ معترزی ہے اور عقیدہ رکھتا ہے کہ برائیوں کا خالق اللہ نہیں ہے لہذا اس جرم کی یاداش میں اسکی بات نہ سنو۔ یہاں حمیدی نے کہنے والوں کی نشاندہی نہیں کی جس سے معلوم ہوتا ہے اس نے اپنے دل کے پھپھو لے پھوڑے ہیں۔ ویسے معاذ کھرے آدمی تھے اپنے جرم کا گھلے دل سے اعتراف کرتے اور کہتے تھے لو ضرب عنقی لم اقل ان المعاصی بقدر۔ اگر میری گردن تلوار سے اڑادی جائے تب بھی میں یہ نہ کہوں گا کہ۔ گناہ مقدر میں لکھے تھے۔
(ط۔ م صفحہ 138)



امام شافعی (820م)

69

امت اسلام کے ایک بہت بڑے مجتہد حضرت امام محمد بن ادریس شافعی (320م) جو علم اور اجتہاد میں بلند مقام پر فائز تھے۔ ”اہل عدل“ جو کہ معتزلہ کا شعار ہے میں شمار ہوتے تھے (طبقات صفحہ 129) کیونکہ آپ ابراہیم بن یحییٰ مدنی کے شاگرد تھے اور ابراہیم مشہور قرآنی مجتہد عمرو بن عبید کے تربیت یافتہ۔ نیز یہ ابراہیم مسلم بن خالد زنجی (795م) کے شاگرد بھی تھے جو عمر بن عبد العزیز کے یار غار غیلان دمشق کے صحبت یافتہ تھے۔ اس طرح امام شافعی کی تربیت و تعلیم میں دو اہل حق جو کہ۔ توحید و عدل کے راہوار تھے جمع ہو گئے تھے۔ اس تناظر میں امام شافعی کا عدلی ہونا شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ امام شافعی کی ذہانت ضرب المثل تھی، ادیب



امام شافعی

تھے، شاعر تھے، لسانیات کے ماہر تھے فقیہ تھے غرض کہ علم اور شافعی ایک دوسرے کے وصف لازم تھے۔



قطرب (821م)

70

قرآن کی ظاہری اور عملی حیثیت ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے لیکن ظاہر پرستوں نے اس کی نظری اور عقلی حیثیت کا انکار کر کے کسی اچھی ذہنیت کا اظہار نہیں کیا امام ابوعلی محمد بن مستنیر بن احمد عرف قطرب (821م) ذہانت و فطانت میں بلند مقام رکھتے تھے انہوں نے ”مثلثات“ اور ”معانی القرآن“ لکھ کر قرآنی دانشوروں کی حمایت میں بھرپور حصہ لیا ہے آپ نظام (NAZZAM) کے زیادہ عقیدت مند تھے کہ وہ بھی لسانیات اور عربی ادب سے زیادہ رجوع کرتے تھے۔

(تاریخ بغداد۔ 298/3- ابن النديم صفحه 52. شذرات الذهب 15/2)



امام فراء (822م)

71

قرآنی دانشوروں میں امام یحییٰ بن زیاد بن عبد اللہ بن منظور فراء (822م) ایک بلند پایہ عالم۔ گرامر اور ادب کے بڑے تخلیق کار تھے۔ مشہور ہو چلا تھا کہ الفراء امیر المؤمنین فی النحو۔ فراء نحو کے امیر المؤمنین تھے۔ امام ثعلب (904م) کا قول ہے کہ اگر فراء نہ ہوتے تو گرامر اور ادب کا وجود نہ ہوتا۔ یا یہ کہ وجود میں نہ آتے۔ خلیفہ مامون نے اسے اپنے بیٹوں کی اتالیقی پر متعین کیا تھا۔ آپ خلیفہ کی نظروں میں اونچا مقام رکھتے تھے۔ عمر کے آخری حصے میں اپنے مادر وطن چلے آئے خاندان کے تمام افراد کو اکٹھا کر کے جو کچھ اندوختہ تھا سب میں بانٹ دیا اور مکتہ المکتہ مد روانہ ہو گئے اور راستہ ہی میں روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ آپ اگرچہ گرامر اور ادب کے خلاقین میں سے تھے تاہم فقیہ بھی تھے متکلم اور عربی تاریخ کے عالم بھی۔ عقیدتاً تاحکیمت قرآن کے قائل تھے اعتزال ہی آپ کا پسندیدہ مسلک تھا۔

(وفیات الاعیان 228/2- ابن النديم فلولک ایڈیشن صفحہ 66، صفحہ 67)

کہتے ہیں کہ امام فراء کسی ضرورت کے تحت اُٹھے تو مامون کے دونوں بیٹے جو ان کے شاگرد تھے ان کی جوتی سیدھی کرنے کے لئے دوڑے۔ لیکن جھگڑا یہ تھا کہ پہلے کون سیدھی کرے؟ فیصلہ ہوا کہ پہلے ایک بیٹا سیدھا کرے اور پھر دوسرا یہی عمل دہرائے امام موصوف کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ گرامر کے

دریا۔ لغت کا تانا پیٹا بننے والے فقہ میں ایسا امام جو اقوام کے مزاج سے آشنا۔ ستارہ شناسی میں اچھی دسترس رکھتے اور طب میں ماہر نباض اور معالج تھے تاریخ عرب اور اشعار میں اُستاد تھے،۔ ابو بکر انباری کہتے تھے۔ بغداد اور کوفہ میں کسائی اور فراء کے ماسوا کوئی بھی دانش و بصیرت والا عالم نہیں تھا اور یوں بھی حقیقت ہے کہ علوم کی ان دونوں پرانتھا تسلیم کر لی گئی ہے امام فراء کی تحریروں کے تین ہزار ورق تھے۔



بشر بن المعتمر (825م)

72

بشر بن المعتمر البغدادی ابو سہل (825م) معتزلہ کے بڑے فقیہ اور مجتہد ہوئے مناظر تھے۔ شریف مرتضیٰ کہتے ہیں کہ۔ ان جمیع معتزلہ بغداد کانوا من مستحبیہ۔ لہ مصنفات فی الاعتزال۔ بغداد کے تمام معتزلہ آپ کے ہوا خواہ تھے بے حد احترام کرتے تھے۔ اعتزال کی حمایت میں کئی کتابیں تصنیف کیں۔

(امالی المرتضیٰ جلد 1/131۔ دائرة المعارف الاسلامیہ 660/3)

یہ بشر بڑے ہی زاہد تھے عابد تھے خدا کی طرف بلانے والے تھے۔ کچھ مجرہ عقیدے والوں نے بشر کے ساتھیوں سے کہا تم لوگ اپنے مومن ہونے کی وجہ سے اللہ کا حمد (اور شکر) بجالاتے ہو؟ بشر کے ساتھیوں نے کہا۔ ہاں۔ ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔ اس پر مجرہ نے کہا کہ تو گویا اللہ ایسے فعل پر خوش ہوتا ہے جو ہوا ہی نہیں۔ حالانکہ اس نے خود ہی فرمایا ہے و یحییون ان یحمدوا بما لم یفعلوا

یہ چاہتے ہیں کہ ان کاموں پر سراہے جائیں جو انہوں نے کبھی نہیں

(عمران، 188)

کئے۔

ایسے میں شمامہ۔ سامنے آیا اور کہا کہ مجرہ نے جو جواب دیا سو دیا اب یہی بات ابو مضر سے دریافت کرو۔ ابو مضر نے کہا۔ لا بل ہو یحمدنی علی الایمان انہ امرنی بہ ففعلتہ وانا احمدہ علی الامر بہ والتقویۃ علیہ۔ فانقطع المجبر۔ فقال بشر شنت الممسئلہ فسهلت

اللہ نے مجھے ایمان لانے کی توفیق بھی اور حکم بھی دیا چنانچہ حکم کے مطابق

ایمان لایا جس پر اللہ نے میرے کردار کو سراہا۔ اور میں اللہ کی ذات کو سراہتا ہوں

کہ اس نے مجھے عمل کا حکم بھی دیا اور توفیق بھی۔

(طبقات المعنزلہ صفحہ 4/53 تا 8)

اس پر مجبورہ۔ لا جواب ہو گیا اور بات ختم ہو گئی۔ بشر نے کہا بات کچھ مشکل تھی جو خود بخود ہی آسان

ہوتی چلی گئی۔



ثمامہ بن اشرس النمیری (828م)

73

ثمامہ بن اشرس النمیری ابو معن من كبار المعنزلہ۔ (زرکلی 86/2) یہ قد آور معتزلی تھے فصاحت و بلاغت میں بے مثل تھے۔ علمی نوادرات اور دیگر دلچسپ باتوں کا حافظے میں بڑا محفوظ ذخیرہ رکھتے تھے۔ جاظ کہتے ہیں:

ما علمت انه كان في زمانه قروي ولا بلدي بلغ من حسن الافهام مع قلة عدد الحروف
ولا من سهولة المخرج مع السلامة من التكلف ما كان بلغه

میں نے ثمامہ کے زمانے میں کسی بستی میں کسی شہر میں ایسا کوئی نہیں پایا جو
ثمامہ کی طرح نابغہ عصر ہو۔ فہمائش کا بہترین انداز رکھتا ہو توڑے لفظوں میں معانی
کا دریا بہا دیتا ہو اور یہ کہ آسان لہجہ میں ایسے الفاظ جو زبان پر آسانی سے اور بغیر
کسی تکلف کے چڑھنے والے ہوں استعمال کرتا ہو یعنی اس کا کلام محاسن سے
بھرا ہو۔

(البيان والتبيين 61/1-تاریخ بغداد 145/7-لسان المیزان 83/2-میزان الاعتدال 173/1)



معمر بن عباد السلمی (830م)

74

عنوان ”ملاحظہ کے سامنے فقہاء کی درماندگی“۔ میں قرآنی ہیرو معمر بن عباد السلمی (830م) کی ناگہانی
شہادت کا آپ پڑھ چکے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسی عہد میں جب علوم عقلیہ کی بہتات ہوئی تو دفاع
اسلام کا روایاتی انداز بھی بدل گیا اور لوگ جب کبھی مبلغین اسلام کے لئے اسلامی مراکز سے مدد طلب کرتے تو
محدثین اور فقہاء قطعی طور پر ناکام ہو جاتے اور حکام کو دانشوران قرآن کی تلاش رہتی تاکہ وہ اپنے کو اپنی زبان
کو اپنے اُبھرتے ہوئے کلچر کو اور اپنے نظریہ حیات کو محفوظ کر سکیں اس طرح دانش قرآن کی طبعی ضرورت نمودار
ہوئی مگر وائے افسوس کہ اہل روایات کی مسلسل معاندت اور پیہم خاصیت نے اس قرآنی تحریک کی راہ میں —

روڑے اٹکائے اور پھر ایسا وقت بھی آ گیا کہ اسلام کے دفاع کے لئے اچھے مدافعت کاروں کی دستیابی ایک مسئلہ بن کر رہ گئی اور اسی کمیابی کا نتیجہ کہ ہمارے ہاں قرآنی دانشوروں میں باصلاحیت کثرت کے لوگوں کو پیش کیا جاتا ہے جب وہ مخالف کی سازشوں سے موت کے گھاٹ اُتار دیئے جاتے تو زبردست خلا واقع ہو جاتا۔ اور نتیجہ یہ کہ آنے والوں میں سے کوئی نہ تھا۔ جو جانے والوں کا خلا پُر کر لیتا ہمارے معمر بن عباد سلمیٰ ایسے ہی قرآنی ہیرو تھے جو موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔ ❀

ابو زید لغوی (830م)

75

سعید بن اوس انصاری بصری عرف ابو زید لغوی (830م) لغت اور نوادرات لغت کے امام تھے آپ مفضل ضمی (836م) کے شاگرد اور اصمعی (832م) اور ابو عبیدہ (840م) سے نحو میں زیادہ فائق تھے۔ کتابیں بے شمار تصنیف کیں۔ موضوع قرآنیات تھا اور مسلک ”حسبنا کتاب اللہ“۔

(وفیات الاعیان 207/1 - تاریخ بغداد 77/9 - وجمهرة الانساب صفحہ 352)



ابن علیہ (833م)

76

ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم الاسدی ابو اسحاق بن علیہ (833م) بنیادی طور پر راوی حدیث تھے مگر عقلیت پسندی نے در قرآن پر پہنچا دیا۔ امام شافعی کے ساتھ آپ کے مناظرے اور مباحثے مشہور ہیں۔ فقہ میں جتنی کتابیں لکھیں انداز مناظرانہ اور جدلی تھا۔ ایسا بھی ہوا کہ معتزلہ نے اسے حدیث کا ایجنٹ اور اہلحدیثوں نے اسے قرآن کا ایجنٹ کہنا شروع کر دیا جبکہ حقیقت صرف اتنی تھی کہ روایت الکی ”ہابی“ تھی اور ایمان بالقرآن ان کا عقیدہ۔ وہ بلاشبہ خلق القرآن پر زیادہ بحث کرتے تھے جبکہ مسئلہ قرآن حادث یا غیر حادث کا تھا بہر حال وہ مؤمن بالقرآن تھے۔ ❀

(تاریخ بغداد 20/6)

خلیفہ مامون عباسی (833م)

77

قرآن کے راہواروں میں مامون عباسی (833م) عبداللہ بن ہارون الرشید بن محمد المہدی جس کی بابت احمد بن یحییٰ لکھتے ہیں کان اوسع العباسیین علما و ابعدهم غورا واعظمهم عفوا و انداهم راحة و افصحهم منطقا و قوله بالعدل مشہور



خلیفہ مامون عباسی

یہ عباسیوں میں سب سے زیادہ علم والے تھے نہایت گہرائی سے سوچنے والے اور سب سے زیادہ درگزر کرنے اور لوگوں کو آسائش فراہم کرنے والے اور گفتگو میں سب سے زیادہ فصیح تر تھے خاص کر عقیدتا مشہور توحیدی اور عدلی تھے۔

(طبقات صفحہ 122، صفحہ 123)

مامون صاحب تصنیف بھی تھے۔ مانی کے پیروکار بڑے زور میں تھے ان کے اور یہود و نصاریٰ کے جواب میں بڑی کتابیں تصنیف کیں اسی طرح صاحب سیف و قلم بھی تھے۔ انہیں جب پتہ چلا کہ - ملاحظہ (مکرمین قرآن و محمدؐ) کہتے ہیں کہ ان اہل الاسلام قہر و ابوالسیف لا بالحجة فوق العجرح علیہم جمع من کل فرقة فی حضرتہ جماعۃ و امر متکلمی الاسلام بمنظور انہم اسلام تلوار سے پھیلا ہے دلیل و برہان سے نہیں۔ یہ بات مامون کے دل میں تیر بن کر اُتر گئی اور چاہا کہ اس کو اس کا علمی جواب دیا جائے چنانچہ اس نے ہر فرقے سے عالموں کو جمع کیا اور ان کو معقولیت سے جوابات دینے کے لئے معزلہ کو زحمت دی کہ وہ ان سے دود و ہاتھیں کریں۔

(طبقات صفحہ 123)

کہتے ہیں کہ اسلام کے تلوار کے زور پر پھیلنے کے طنز پر مامون کا دل اتنا دکھا کہ اس نے دفاع اسلام کے لئے الگ ادارہ قائم کیا جس میں فقہاء، محدثین، متکلمین، اہل لغت اور تاریخ کا عمیق درک رکھنے والے نیز انساب اور گذشتہ واقعات پر ناقدانہ شعور رکھنے والے جمع کئے گئے اور سب سے کہا گیا کہ پوری آزادی سے خیالات کا اظہار کریں اور متکلمین و فلاسفہ کے ذمہ لگایا کہ دفاع کی ذمہ داری صرف وہی پوری کریں۔

(تاریخ بغداد جلد 183/10 . ابن اثیر 148,144/6 . طبری 293/10)

مامون کے آزادی اظہار کے بعد معزلہ نے اپنا کام شروع کیا اور پھر مخالفین سے پوری آزادی سے باتیں کیں اور اس کا اثر یہ ہوا کہ مخالفین کا لب و لہجہ از خود ہی درست ہونے لگا اور محاسن کا اعتراف کرنے لگے۔



بشر المریسی (833م)

78

بشر بن غیاث بن ابی کریم عبدالرحمان المریسی (833م) معتزلہ کے بڑے قد آور فقیہ اور اسالیب فلسفہ کا گہرا درک رکھنے والے تھے۔ فقہ کے لئے قاضی ابو یوسف کی شاگردی اختیار کی۔ ہارون رشید کے عہد

میں اعتزال کی راہ میں بڑے دُکھ ہے۔ 70 سال کی عمر پائی۔

(وفیات الاعیان 91/1۔ تاریخ بغداد 56/7۔ میزان الاعتدال 150/1)



موسیٰ ابو العباس (839م)

79

موسے بن ثابت عرف ابو العباس (839 م) 219 ہجری میں مصر کے گورنر بنادیئے گئے۔ سخت گیر قسم کے معتزلی تھے مصری علماء کو تشدد اور اکراہ کے زور پر قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل کر دیتا تھا۔ جبکہ یہ قرآن کے نام پر قرآن سے گھلا تصادم تھا۔ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق سرے سے قرآن کا مسئلہ ہی نہیں ہے۔ قرآن نے اپنے کو جب ”محدث“ (ذکر حادث) کہا ہے تو اسی پر اکتفا کرنا چاہئے۔ لیکن ہمارے اکابر نے پتہ نہیں جبر اور تشدد کی راہ کیوں اپنائی۔ یہ موسے ابو العباس گورنری کے 4 سال پورے کر کے واپس بغداد پہنچے۔

(الوالة والقضاة صفحہ 195۔ النجوم الزاهرة 231/2)



خلیفہ معتصم عباسی (841م)

80

خلیفہ معتصم باللہ عباسی (841 م) ابواسحاق محمد بن رشید۔ یکے معتزلی تھے (طبقات صفحہ 123) ویسے تو خوشی کی بات ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کی فیملی کے افراد خردافرو زور اور خردافرا تھے لیکن خوشی تب ہوتی جب معتصم بھی اپنے اکابر کی طرح صلح و مدارات، علم اور نظر سے مخالفین سے نمٹ لیتے۔ نظریئے کی خاطر تشدد کا راستہ اختیار کرنے سے کبھی کوئی رام نہیں ہوتا اس سے تو مخالف کہہ سکتا ہے کہ تلوار کے زور سے معتصم امام احمد بن حنبل پر مشق ستم روا نہ کہہ کر تمام روایات پرستوں کو متحد کرنے کا سبب بنا ابجدیوں نے گھر گھر پہنچ کر اپنی مظلومیت کی داستانیں سنانا شروع کر دیں اور ساتھ ہی غیر اعتزالی افکار کی حمایت میں وضعی احادیث کے انبار لگا دیئے جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ حدیث کسی بھی معیار کی ہو لوگ رسول اللہ ﷺ کی نسبت سے قابل احترام اور قابل عمل سمجھتے تھے۔ معتصم کے قاضی ابن ابی داؤد کے اکسانے پر امام ابن حنبل کو جسمانی اذیت پہنچانے سے بہتر تھا کہ خاموش ہو جاتے کہ عفو و درگزر سب سے بڑی ڈھال ہوتی ہے جس پر کوئی وارکارگر نہیں ہوتا۔ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق ایک سراپا کلامی مسئلہ ہے جبکہ کلامی مسائل میں گشتی علم کی لڑی جاتی ہے۔ قلم کے مقابلے میں ظلم ناکامی کی سب سے بڑی دلیل ہوتی ہے۔ معتزلہ کا غالباً یہ خیال ہو گا کہ قرآن۔ کو غیر مخلوق کہہ دینے سے

قرآن کا قدیم ہونا لازم آجاتا ہے جس سے قدماء کا تعدد لازم آجاتا ہے جو کہ عقیدہ توحید کے خلاف ہے اور اسے جبر سے مٹانا چاہئے۔ اور یہی صفات باری کے بارے میں ان کا فیصلہ ہے جبکہ ضروری نہیں کہ صفات کو عین ذات کہہ دینے سے قائم بالذات کا اصول مجروح و متاثر ہو۔ ادھر امام ابن حنبل کے استدلال کی خامی اس سے ظاہر ہے کہ آپ مایاتہم من ذکر من رہم محدث

انہیں جب کبھی اللہ کی جانب سے نئی ہدایت (ذکر) ملتی ہے۔ (انبیاء، 2)

سے کشید کرتے تھے کہ

”وہ ذکر بھی ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوتا ہے اور وہ ذکر بھی ہے

جو نبی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ ”محدث“ کا لفظ اس ذکر کے بارے میں ہے جو

نبی کی وساطت سے ہوتا ہے۔ جہاں صرف قرآن کا ذکر ہو وہاں محدث یا مخلوق کا

لفظ بولنا صحیح نہ ہوگا۔“ (نوادر اسلم جہر ابجوری صفحہ 183)

اس طرح امام احمد نے ”ذکر“ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے بلاوجہ قرآنی تصریح میں دست اندازی

فرمائی ہے کیونکہ ابن حنبل نے من ذکر میں ”من“ کو تبعیضیہ سمجھ کر وہ ذکر بھی ہے۔ اور وہ ذکر بھی ہے۔

کی گردان کر ڈالی جبکہ یہ ”من“ بیان ہے کہ وہ ذکر من رہم سے متعلق ہے

یعنی وہ ذکر جو رب کی جانب سے ہے اب فرمائیے۔ حدیث کب سے۔ رب۔ کی جانب سے تسلیم کی گئی ہے؟

یہ یاد رہے کہ قرآن کے مخلوق ہونے کا دعویٰ جعد بن درہم (736 م) اور پھر جہم بن صفوان

(745 م) نے اس بنا پر کیا کہ اہلحدیثوں نے معتزلہ کے واجب القتل ہونے کا فتوے دے کر اشتغال دلایا تھا اور

پھر انہوں نے بھی سلفیوں کو سنگین انتقام کا نشانہ بنا کر ظالمانہ تشدد کا جواز ڈھونڈا اور مقتسم کے زمانے میں قاضی

ابن ابی داؤد کے فرمانے پر ابن حنبل کو تیر جفا کا شکار بنا دیا گیا حالانکہ درمیانی اور قابل مفاہمت صورت نکالی

جاسکتی تھی آخر سلفی اور حنبلی مسلمان تھے۔ توحید کا انہیں بخوبی ادراک تھا خاص کر اہل قبلہ تھے قرآن کو مخلوق کہنے

سے مشرک تو نہ ہو سکتے تھے خاص کر قرآن کو اگر غیر مخلوق نہیں کہا گیا تو مخلوق بھی نہیں کہا گیا۔ معتزلہ نے کس بنا پر

اہل قبلہ کا قتل عام روا رکھا وہ قرآن کو حادث کہہ کر قرآن کا منشا پورا کر سکتے تھے۔ اب ماننا نہ ماننا حنبلیوں کی

ذمہ داری تھی منوانے کے معتزلی جو ابود نہیں تھے۔ ادھر ان ہی ایام میں حدیث سازی کا آغاز ہو چکا تھا غلیفہ

متوکل اپنے اجداد کے برعکس سلفیت کا خواہاں بن کر تمام عقلیت پسندوں کے استیصال پر کمر بستہ ہو چکا تھا

فتوے اور احادیث کی پشت پناہی نے سلفیوں سے فہم و ادراک کا عنصر چھین رکھا تھا۔ انہوں نے ضد میں آکر

بعض یا اکثر قرآنی آیات کے ظاہر مفہوم کو روایت کے تناظر میں مسترد کر دیا۔ روایت باری قرآن کی رو سے قطعاً ثابت نہیں کہ ”بے مثل“ کی روایت ناممکن ہے مگر روایات نے خدائے الایزال کو صورت بھی دیدی اور انکی روایت بھی ممکن بنا دی۔ جادو کے بارے میں قرآن میں قطعی وضاحت ہے کہ لا یفصلح الساحو حیث اتے جادو گر کہیں سے بھی حملہ آور ہو کامیاب نہیں ہو سکتا (۔۔۔) یعنی کسی بھی فرد بشر پر اسکی تاثیر غیر معقول ہے اور کافروں کی اس بات کو رد کرتے ہوئے فرمایا وقال الظالمون ان تصبوعون الا رجلا مسحورا یہ کافر اور ظالم لوگ کہتے ہیں مسلمانو تم تو ایک جادو کے مارے شخص کے پیچھے چل پڑے ہو۔ (اسراء، 47) اس طرح قرآن مسلمانوں کی صفائی بیان کرتا ہے کہ رسول اللہ کی محرز دگی مسلمانوں کا نہیں کافروں کا عقیدہ ہے۔ اب اتنی صراحت کے باوصف روایت کہتی ہیں کہ رسول پر جادو کے اثر انداز ہونے کا انکار کفر ہے اب اتنی ستم ظریفی ہے کہ روایت پوری تحدی سے کہتی ہیں کہ جادو نہ صرف پیغمبر پر اثر انداز ہوا آپ 6 ماہ تک جادو کی اتنی گرفت میں رہے کہ ازواج کے پاس جاتے اور بھول جاتے کہ نہائے ہیں یا نہیں۔

دوستو ہم نے صرف اس خیال سے کہ معتزلہ سے جب کوئی استفسار ہوتا ہے تو وہ صرف قرآن کے حوالہ سے بات کرتے ہیں نہ فقہ کا حوالہ دیتے ہیں نہ روایات کا نہ تصوف کی باطنیت کا نہ صوفیا کے ملفوظات کا۔



ابراہیم نظام (845م)

81

قرآنی دانشوروں میں سب سے اونچا مقام اور سب سے زیادہ اُجلے کام ابراہیم نظام (845م) کے ہیں آپ قرآنی دانشوروں میں بڑے ہی تیز و طراز اور حاضر جواب اور دفاع قرآن کی ایسی صلاحیتوں کے حامل تھے جو ہم عصروں یا بعد کے ادوار میں اپنا مثیل اور مانند نہیں رکھتے تھے آپ قرآن پر کسی بھی اعتراض پر لمحہ ضائع کئے بغیر دلائل کے انبار لگا دیتے اور عصری شعور کے مطابق نہایت فاضلانہ ططنہ کے ساتھ مخالف پر چھا جاتے اور اسے خاموش کر دیتے تھے۔ آپ کی نثر نظم ہی کا نمونہ پیش کرتی تھی۔ ایک بار ہواؤں کے جھکڑ چل پڑے اور بجلی کے خوفناک آواز بے بلند ہو گئے آپ نے دست دعا بلند کیا اور کہا،

”اے اللہ اگر یہ عذاب کی شکل ہے تو ہم سے اسے مائل دے اور اگر

ہماری بہتری کے لئے ہے تو اس میں اضافہ کر دے اللہ حالت ابتلا میں ہمیں

برادشت کی توفیق عطا فرما۔ اور حالت خوشحالی میں ہمیں شکر کی توانائی نصیب ہو۔



ابراہیم نظام

اے اللہ۔ آپ کی طرف سے عطاے بے پایاں ہو تو اپنا احسان جاری فرما۔ اگر عتاب اور تکلیف کا رنگ غالب ہے تو اپنے احسان کو ستر اور پردہ پوشی میں بدل دے۔“

آپ بڑے نخی اور مال کے انفاق کے عادی تھے۔ اپنی ضرورت جتنا روک کر باقی فی الفور مستحقین کے در تک پہنچا دیتے ایک بار نظام اپنے زمانہ کم سنی میں ابو الہذیل علاف کی معیت میں مشہور انٹی قرآن کے رکن صالح بن عبدالقدوس (799ھ) کے بیٹے کی وفات پر تعزیت کے لیے گئے۔ ابو الہذیل نے صالح کو بہت غمگین پایا اور کہا کہ۔ آپ کی غمگینی سے موت کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ ہم آپ کے غم میں شریک ہیں۔ صالح نے کہا میری وجہ پریشانی اس لئے بھی ہے کہ میرا بیٹا میری کتاب پڑھنے سے پہلے ہی فوت ہو گیا۔ ابو الہذیل نے کہا کہ کتاب کا نام اور موضوع کیا ہے؟ صالح نے جواب دیا کتاب کا نام ”کتاب الشکوک“ اور موضوع یہ کہ جو اسے پڑھے شک میں پڑ جائے جتنے کہ جو ہو رہا ہے وہ شک کرے کہ نہیں ہو رہا۔ اور جو نہیں ہو رہا وہ شک میں پڑ جائے کہ ہو رہا ہے۔ اس پر ابو الہذیل سے پہلے ننھا۔ نظام بولا۔ تو تمہیں چاہئے کہ تم اپنے بیٹے کی موت میں شک کرو اور سمجھو کہ وہ نہیں مرا اور اگر زندہ ہے تو شک میں پڑ جاؤ کہ مر گیا ہے۔ اور تم یوں سمجھو کہ تمہارے بیٹے نے یہ کتاب اگر چہ نہیں پڑھی مگر شک کرو کہ پڑھی ہے۔ نظام کے ان منطقی تعاقبات سے صالح نہ صرف حیرت زدہ ہوئے ور طرہ ندامت میں ڈوب بھی گئے۔

اس واقعہ سے نظام کی فطانت و ذہانت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ ”شک“ کی حقیقت سے وہ آگاہ نہیں تھے۔ وہ اہل زبان تھے شک کے مفہیم کا انہیں بخوبی ادراک تھا کہ۔ شک دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو دو متضاد چیزیں کسی شخص کی نگاہ میں ایک جیسی اور یکساں ہو جائیں۔ راغب نے اسی کا ذکر کیا ہے اور دوسرا یہ کہ جس طرح علم سے یقین کی ابتدا ہوئی ہے اسی طرح شک سے ”ریب“ کی۔ یہی وجہ ہے کہ عربی میں ”شک مویب“ تو کہتے ہیں مگر ”مشک“ نہیں کہتے۔ یہ تشریح محیط نے نقل کی ہے کیونکہ جس شک کے شکم سے یقین کی کوئلیں پھوٹ نکلیں وہ قابلِ مذمت نہیں ہوتا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ نظام اور حافظ یقین کا دروازہ شک سے کھولتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو عنوان۔ یقین سے پہلے شک) وہ شک کی نفی نہیں کرتے بلکہ صالح عبدالقدوس کے جس شک کو نشانہ تضحیک بناتے ہیں وہ ”ریب“ کی نوعیت کا شک تھا۔

ہمارے نظام کی روشنی طبع۔۔۔ تھی کہ آپ نے تمام علوم عقلیہ، شعر، ادب، لسانیات، گرامر، فقہ و حدیث کے علاوہ معانی، بدیع، بلاغت، فلسفہ و منطق میں بھی کافی دسترس حاصل کر رکھی اور وقت کے تمام

مدارس فکر کا ورک رکھا بھی وجہ ہے کہ قرآن پاک پر جس زاویہ سے بھی حرف گیری ہوئی گرامر کے زاویہ سے ادب کے زاویہ سے محاورات اور معانی کے زاویہ سے آپ اسی زاویہ سے پیش آئے اور حریفوں کو چاروں شانے چت گرا کر اپنی ذہانت کی دھاک بٹھادی۔ علاوہ ماہیتیں۔ اور۔ دہریتیں کے دوسرے مسائل سے آگاہ تھے۔ خرد نواز تھے۔ خرد افروز تھے خاص کردانشوروں کی آج کی زبان میں بھی ”ترقی پسند“ دانشور تھے جس کی وجہ سے مذہبی حلقے ذہن بگاڑ کر ان کا نام لیتے تھے۔ جاہل آپ کے بڑے معتقد اور طبیعت آشنا اور مداح تھے کتاب الحیوان میں لکھتے ہیں کان ابراہیم مامون اللسان قلیل الزلل والزیغ فی باب الصدق

بلاشبہ نظام لسانی لغزشوں سے محفوظ تھے کلام کی کجی اور کمزوری آپ کی تحریر میں ندارد ہے صدق بیانی میں لا ثانی تھے۔

نظام کی عقلیت پسندی اپنے معاصرین اور اقران سے بہت تیز تھی وہ یقینیات کی اساس شک اور تجربہ پر رکھتے تھے جبکہ آج کا یورپ اسی اساس پر ارتقاء کی منزلیں طے کر چکا ہے اور کر رہا ہے شک جسے نظام بحث کی مبادیات میں شامل کرتا اور کہتا تھا کہ شک تجھ سے زیادہ پذیرائی چاہتا ہے۔ کوئی بھی یقین اس وقت تک یقین نہیں بنا جب تک اس میں شک کا سراغ نہیں ملا۔ کوئی بھی شخص اپنے کسی نظریے سے دوسرے نظریے کی طرف ذہن کو منتقل نہ کرے گا تا وقتے کہ ان دونوں نظریوں میں شک گھس نہیں آیا یقین کا راستہ کھل نہیں سکتا۔ یہ تو تھی نظام کے پاس ”شک“ کی حیثیت۔ اب آئیے اسکے تجربہ کی بات کریں تو اس کی بابت نظام اور جدید سامنڈانوں کا ایک ہی تجربہ ہے کہ۔ تجربہ کسی امر طبیعی یا امر کیمیائی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے آج کل آلات اور لیبارٹریوں کی مدد سے تجربے کئے جاتے ہیں پہلے دماغی لیبارٹریوں میں ان کو دہرایا جاتا یا طبی نسخوں کا بار بار تجربہ کر کے کسی حتمی نتیجہ تک پہنچا جاسکتا تھا تو گویا ”نظام“ کے وقت میں آلات کی مدد یا لیبارٹریوں کا سہارا لینا ممکن ہو جاتا تو نظام دنیا کا سب سے پہلے سامنڈان اور کیمیادان ہوتا۔

نظام کے زمانے میں یونانی فلسفہ کا ایک مسئلہ زور دار طریقہ سے نمودار ہوا اور علمی حلقوں میں گردش کرنے لگا کہ۔ جز۔ تقسیم ہو سکتا ہے یا نہیں؟ نظام کی رائے یہ تھی کہ۔ لا جزء الا ولہ جزء۔ ولا بعض الا ولہ بعض ولا نصف الا ولہ نصف وان الجزء حائز تجزئۃ ابداء اغایۃ لہ فی باب التجزء

کوئی ایسا جز نہیں ہے جو مزید اجزاء میں تقسیم نہ ہو سکتا ہو۔ کوئی بعض نہیں

جس کا مزید بعض نہ ہو سکتا ہو کوئی ایسا نصف نہیں جس کے مزید حصے نہ ہو سکتے ہوں
اس طرح جز۔ ہر دور اور ہمیشہ قابل تجزیہ ہے اور تجزیات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

(کتاب الجزء وتصنيف نظام بحواله كتاب البيان والتبيين جاحظ جلد 7)
اس طرح جز کی تقسیم در تقسیم لا انتہا۔ بن کر آج کی اصطلاح میں ”ایم“ توڑنے کی اصطلاح سے

تعبیر کیا جاسکتا ہے۔



حبیب الطائی (م846)

82

حبیب بن اوس بن الحارث الطائی (م846) جس کی بابت (ط،م) میں لکھا ہے کہ ومن العذلیة من الشعراء شاعروں میں سے جو ”عذلیہ“ (اعتزال) سے وابستہ تھے۔ ابو تمام حبیب بن اوس الطائی اخذ عن ابی الہذیل ورناء بقصيدة فريدة

ان میں ابو تمام اوس بن الحارث بھی تھے جس نے ابو الہذیل (م850)
سے اعتزال کی تعلیم پائی اور ابو الہذیل کے مرنے پر اپنی نوعیت کا منفرد اور لا جواب
قصیدہ لکھا۔ (صفحہ 136)

پھر اسی ہی صفحہ پر ”کمیت“ شاعر کے معترلی ہونے کی خبر بھی دی۔ یہ ابو تمام۔ طائی قبیلے کے بڑے
قد آور شاعر تھے، اویب تھے امام البیان تھے۔ حوران (شام) کے گاؤں ”جاسم“ (Jasim) میں پیدا
ہوئے۔ معر چلے گئے۔ بغداد کے مقسم نے اسے اپنے پاس بلوالیا۔ انعام و اکرام سے نوازا، شعراء عراق پر
اسے فوقیت دی، لہجہ قد اور سفید و سنہرے رنگ کے تھے۔ فصیح تھے۔ باتوں میں لوچ تھی، رس گھولتے تھے۔
پُر وقار تھے طنز والے تھے۔ جاہلیت اور اسلام کے شعرا کے کلام میں سے 14000 رجز یہ اشعار یاد تھے
قصیدے اور قطعات علاوہ۔ اہل زبان ہونے کے ناطے سے لسانیات و ادبیات عرب پر بیشارکتا میں لکھیں
”دیوان الحماسہ“ ان کی مشہور کتاب ہے جو ہندو پاک کے درس نظامی میں شامل ہے۔

(وفیات الاعیان 121/1- خزائن الادب عبد اللطیف البغدادی 1/172، 464)



ابو یحییٰ الزہری (م846)

83

حضرت عبدالرحمان بن عوف کی اولاد میں سے ہارون بن عبداللہ بن محمد ابو یحییٰ الزہری (م846) ایک

زبردست عالم ہو گزرے ہیں۔ مالکی مسلک سے وابستہ تھے۔ اہل مکہ میں سے تھے خلیفہ مامون نے 217 حج میں اسے مصر کا جسٹس بنا کر بھیجا اور اسے حکم دے رکھا تھا کہ۔ جو شخص قرآن کو ”مخلوق“ تسلیم نہ کرے اس کی گواہی قبول نہ کی جائے باایں ہمہ وہ ایسے انتہا پسندانہ حکم کی تعمیل میں تساہل سے کام لیتا اور چشم پوشی کر جاتا تھا۔

❀ (لسان المیزان 179/6، مرآة الجنان 107/2)

الجمحی (846م)

84

محمد بن سلام الجمحی بن عبد اللہ الجمحی (846م) بڑے امام ادب تھے۔ طبقات الشعراء الجاهلیین والا سلامیین جیسی شہرہ آفاق کتاب کے مصنف تھے۔ ان کی تمام کتابیں امتیازی حیثیت رکھتی ہیں قدری (معتزلی) تھے لہذا الحمد یث ان سے روایت تو نہ لیتے مگر ان کو ادبیات اور مشکل الحدیث کی تشریح میں سند مانتے تھے۔

(ارشاد الاریب 13/7 - ابن النذیم صفحہ 113 - میزان الاعتدال 182/3 - تاریخ بغداد 327/5)



محمد بن سماعہ (847م)

85

امام محمد بن الحسن الشیبانی کے ایک شاگرد جو اپنے وقت کے بڑے عالم تھے نظریہ عدل کے بڑے پرچارک اور مبلغ تھے اہل علم کے حلقوں میں ابو عبد اللہ محمد بن سماعہ (847م) کے نام سے متعارف تھے دربار مقتسم اور ابن سماعہ کے مابین نظریہ توحید اور عدل۔ مشترکہ عقیدے کی حیثیت رکھتا تھا ایک بار ابن سماعہ نے مقتسم کے کام کو سراہتے ہوئے کہا کہ۔ امیر المؤمنین آپ نے ابن حنبل کے خلاف جو موقف اختیار کیا تھا۔ اللہ کا حق بھی ادا کیا اور اسے راضی بھی کر لیا۔ اللہ نے آپ کو اس کا صلہ دید یا یعنی ابن سماعہ نے ابن حنبل کے ساتھ اذیت اور توہین آمیز رویہ پر مقتسم کو آفرین کہی حالانکہ یہ ایک فعل شنیع اور ظالمانہ عمل تھا جبکہ اللہ سبحانہ ظلم کے نہ خود فاعل ہوتے ہیں اور نہ ہی مشق ستم کرنے پر راضی ہوتے ہیں۔ مقتسم نے جو کچھ کیا اس پر اسکی سرزنش ہونی چاہئے تھی کیونکہ یہ سب کچھ اگر قرآن کے مشن اور علم کو اونچا کرنے کے لئے تھا تو اسے سوچنا چاہئے تھا کہ قرآن انسانوں سے محبت سکھاتا اور اپنی ہر وہ بات جو کسی کے فہم کی رسائی سے باہر ہے منوانے پر مجبور نہیں کرتا (زمر، 18) کیونکہ اولی الالباب تو وہی ہیں جو بات کو دل کی گہرائی سے قبول کریں لیکن افسوس کہ یہاں ابن سماعہ اور مقتسم کی دل کی گہرائیوں میں قرآن نہیں اتر سکا۔ ابن حنبل اگر قرآن کو غیر مخلوق یا قدیم کہہ کر قدما کے تعدد میں اضافہ

کے قائل تھے تو بھی عقیدے کی تطہیر یا پاکیزگی کے یہ معنی نہیں کہ اس سے لوگوں کی گردنیں ناپنے یا ننگے جسم پر کوڑے برسائے کا پروانہ مل گیا ہو۔

یہ ابن ساعد ہارون رشید کے زمانے میں چیف جسٹس آف بغداد تھے۔ روزانہ 200 رکتیں بطور عبادت ادا کرتے تھے۔ سو سال کی عمر پائی تھی آخر میں بصارت کم زور ہو چلی تھی احادیث کو بہت کم ہی مانتے تھے اہل الرائے جسے اہل حدیث منکر حدیث کہتے تھے ان سے تعلق تھا۔ امام اعظم کے فقہی مسلک کے حامی تھے اور ان کی تائید میں کئی کتابیں تصنیف کیں۔ ادب القاضی۔ اور ”النوار“۔ ان کی مشہور تالیفات ہیں۔

(الجواهر المصنعة 58/2، تاریخ بغداد جلد 341/5)



ابن الزیات (847م)

86

محمد بن عبد الملک بن ابان بن حمزہ ابو جعفر الزیات (847م) معتمد اور واثق کے وزیر تھے، شاعر تھے بلوغت پر معتمد نے مملکت کے اہم امور اس کے سپرد کر دیئے تھے آخر میں عباسی وارث کے تعین میں فریق بن گئے جس پر دوسرے فریق نے اسے قتل کر دیا۔

(وفیات الاعیان 54/2۔ طبری 27/11۔ تاریخ بغداد 342/2)

اسی ابن الزیات نے جاحظ کے افلاس کو دیکھ کر بصرے میں چار سو جریب کا زرعی رقبہ دیدیا۔ اب جس وقت ابن الزیات قتل ہوئے تو اس کے ساتھیوں میں سے جاحظ کو گرفتار کر کے گردن میں زنجیر ڈال کر گھسیٹا گیا۔

(طبقات صفحہ 69)



ابن عائذ دمشقی (847م)

87

محمد بن عائذ۔ بن احمد القرشی الدمشقی (847) حافظ الحمدیث تھے ثقہ تھے، معتزلی تھے۔ خلیفہ مامون کے ہاتھوں ساتھ ہی تھے مامون نے اُسے ”غوطہ“ (دمشق) کا خراج وصول کرنے پر مقرر کیا تھا۔

(الوافی بالوفیات 181/3۔ الاغالی 60/2)



جعفر بن مبشر (848م)

88

جعفر بن مبشر بن احمد الشافعی (848م) علم اور تقویٰ کا نمونہ تھے خیاط نے اس سے یصل من یشاء و

یہدی من یشاء (الخل، 93- فاطر، 8) اور۔ ختم اللہ۔ اور طبع کی بابت سوال کیا تو فرمایا۔ ان باتوں کا فرداً فرداً جواب چاہئے یا یکبارگی؟ میں نے کہا یکبارگی!۔ تو فرمایا۔ اعلم انہ لا يجوز علیہ احکم الحاکمین ان یأمر بمکرمۃ ثم یحول دونہا ولا ان ینہی عن فاذورۃ ثم یدخل فیہا وتأمل الایات بعد ہذا کیف شئت؟

آگاہ رہو کہ ناممکن ہے کہ اللہ سبحانہ کسی احسان یا اچھائی کا حکم دیں پھر تعیل میں خود ہی رکاوٹ بن جائیں؟ اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ گند و غلاظت کے ڈھیر سے دور رہنے کا حکم دیں پھر خود ہی اس میں گند و پڑیں اسی اصول کو ملحوظ رکھ کر مسئلہ آیات کی تم جو تاویل کرنا چاہو کر لو۔

(طبقات صفحہ 76۔ تاریخ بغداد جلد 162/7)

ابن یزید واد کہتے ہیں کہ۔ جس طرح انصاف اور حسن سیرت میں دو عمروں۔ عمر بن خطاب۔ اور عمر بن عبدالعزیز کی مثال دی جاتی ہے۔ اس طرح علم و عمل کی انتہاؤں کی مثال دو جعفروں۔ جعفر بن حرب اور جعفر بن مبشر کی دی جاتی ہے۔

احمد بن یحییٰ اپنے ذرائع سے لکھتا ہے کہ ایک دفعہ جعفر بن مبشر نے کسی تاجر کا خطبہ نکاح پڑھا۔ تاجر نے خوش ہو کر سو (100) دینار۔ نذرانہ پیش کر دیئے آپ نے سوچا کہ یہ تو خطبہ نکاح میں جو دعاء کی جاتی ہے اس کا معاوضہ لینے کے مترادف ہے نیز خطبہ نکاح میں جو وعظ کیا تھا اس کا بھی معاوضہ ہے چنانچہ تمام رقم واپس کر دی۔

کہتے ہیں کہ بعض سلاطین نے آپ کو سو ہزار درہم کی خطیر رقم نذر کی وہ ٹھکرا دی اور اسکے مقابل اپنے دوستوں کے ذریعے دو درہم کی معاونت قبول فرمائی۔ لوگوں نے کہا حضرت یہ کیا ہے؟ فرمایا میں دو درہم کا مستحق تھا جس کا اللہ نے انتظام فرمادیا۔ اب مجھے کیا پڑی ہے کہ کوئی مشتبه امداد لے کر اپنا ضمیر خراب کر لوں۔

احمد بن یحییٰ لکھتا ہے کہ۔ ایک دفعہ خلیفہ واثق باللہ (۔۔۔) نے احمد بن ابی داؤد سے کہا کہ تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ۔ محکمہ قضا (عدلیہ) پر صرف ایسے اشخاص کا تعین کرو جو صرف قرآن کی حاکمیت پر ایمان رکھتے ہوں؟ قاضی ابن داؤد نے جواب دیا۔ امیر المؤمنین کل ہی کی بات ہے کہ آپ نے جعفر بن مبشر کو دس ہزار درہم کی رقم ارسال کر دی اس نے واپس بھجوا دی تب میں بذات خود وہی رقم لے کر اسکے پاس حاضر ہوا تو۔

نتیجہ سے: انما اور بے اجازت پیشکش کو واجب القتل جرم کے برابر کیا۔ اب آپ ہی فرمادیں کہ میں ”عدلیہ“

کے لئے ایسے لوگوں کو کیسے رام کر لوں؟

(طبقات احمد بن یحییٰ صفحہ 77)



خلیفہ منصور عباسی (850م)

89

خلیفہ منصور عباسی (850م) مشاہیر معتزلہ میں سے تھے 136 ہجری میں انکی بیعت ہوئی 22 سال تک حکومت کی ابو بکر ہذلی (---) کے ذریعہ اعتزال سے متعارف اور متمسک ہوئے سیرت اور بلند اخلاق میں نام کمایا۔
(ابن اثیر طبع مصر جلد 93,88,83/6 - جلد 19/7)

جعفر بن حرب (850م)

90

جن لوگوں کا علم - صداقت، پاکیزگی، عبادت اور کفایت شعاری بام شہرت پر پہنچے ہوئے تھے ان میں عظیم دانشور جعفر بن حرب (850م) عرف ابوالفضل کا اسم گرامی نمایاں ملے گا۔ وہ علم کلام کے خفی اور حلی سے بخوبی واقف تھے۔ پرائے مال سے نفرت اس حد تک کہ آخر عمر میں گھر کا اثاثہ - مال و ملکیت حتیٰ کہ جسم کے کپڑے تک لوگوں میں بانٹ دیئے۔ جسم کا نچلا حصہ پانی میں رکھا تاکہ کوئی عریانی نہ دیکھ سکے۔ ایسے میں ایک واقف کار کا ان پر گزر ہوا اس نے لمبا چغہ پہنا دیا اور پانی سے باہر لے آیا۔ پوچھا کہ یہ حالت کیوں بنا رکھی ہے؟ کہا میرا والد سرکاری اعلیٰ منصب پر فائز تھا اور نہ معلوم کہ ان کا مال کس حد تک حلال تھا۔ آخر عمر میں باریک مسائل پر لکھنا چھوڑ کر صرف واضح باتوں پر لکھنا شروع کیا تھا۔ اور پھر لکھ لکھ کر اہل علم کے پاس فروخت کر کے ضرورت جتنا کاغذ و قلم - ہانڈی اور آٹے کا بندوبست کر لیا کرتا تھا یعنی - کتاب الایضاح - نصیحة العامة - المسترشد - التعلیم اور اصول خمسہ - لکھ کر ایک عورت کو دیدیتا وہ جا کر فروخت کرتی اور پھر ہانڈی پکتی۔
(تاریخ بغداد 162/7)



ابو الہذیل علاف (850م)

91

امام محمد بن الہذیل بن عبد اللہ بن کحول العبدی ابو الہذیل علاف (850م) ائمہ معتزلہ میں اونچا مقام رکھتے تھے بصرے کے مولود تھے علم الکلام میں مہارت اور شہرت پائی خلیفہ مامون کہتے تھے - اطل ابو الہذیل علی علم الکلام کا طلال الغمام علی الانام۔ ابو الہذیل علم کلام پر بارش کا پہلا قطرہ تھا جیسے بادل عام آبادیوں پر برستے ہیں (زر کلی 355/7) یعنی ابو الہذیل برستے بادل کی حیثیت رکھتے ہیں - اعتزال سے متعلق ان کے بیشمار مقالات اور مناظرات ہیں - زبردست قوت استدلال کے مالک تھے - حاضر جواب تھے ہر



خلیفہ منصور عباسی

استدلال کے لئے شعر و ادب کے وافر حوالے رکھتے اور نہایت اچھے اسلوب سے کلام کرتے تھے۔

(وفیات الاعیان 408/1، لسان المیزان 413/5، مروج الذهب 298/2، تاریخ بغداد 366/3)

علاف (گھاس بچنا) آپ کا پیشہ نہیں تھا جس محلے میں پیدا ہوئے کسی زمانے میں اس کا نام - حارة العلافین - تھا جگہ بن بشر کا بیان ہے کہ آپ نے ساٹھ کتابوں میں نہایت نازک اور حساس مسائل پر بحث کر کے مخالفین کو خاموشی کی نیند سلا دیا تھا۔ عثمان طویل آپ کے استاد تھے اور ابراہیم نظام (845 م) آپ کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ ان کی ذہانت کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ ایک بار نظام نے ایک نہایت ہی حساس مسئلہ میں یہ خیال کیا کہ ابو الہذیل نے ابھی اس مسئلہ کو موضوع بحث نہ بنایا ہو گا ان سے بحث چھیڑ دی مگر وہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ ابو الہذیل نے جواب کے آغاز ہی میں اشارہ دیدیا کہ وہ اس پر نہایت قابلیت اور حذاقت سے بحث کر سکتا ہے۔ قاضی عبد الجبار کہتے تھے کہ آپ کے اکثر مناظرے بت پرستوں، آتش پرستوں اور منکر بن خدا سے ہوتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی تمام صلاحیتیں اور توانائیاں ایسے ہی فرقوں کی فہمائش کے لئے صرف کر رکھی تھیں اس کے نتیجہ میں تین ہزار سے زیادہ لوگ مسلمان ہوئے۔ مبرد۔ اور۔ جاحظ کہتے تھے کہ اپنی ہر بات میں شعر و ادب سے استدلال ضروری سمجھتے تھے۔ ایک شخص ان سے ملا اور کہا کہ مجھے آیات الہی میں کچھ تناقضات، اور کچھ اشکالات کا سامنا ہے۔ میرا ذہن کام نہیں کر رہا۔ پریشانی کا عالم ہے۔ یہاں میں آیا کہ اپنے اشکالات کی تشفی کراؤں لیکن یہ معلوم کر کے مایوسی ہوئی کہ میری تشفی کوئی نہیں کر سکتا چنانچہ بے نیل مرام واپس جا رہا تھا کہ کسی نے یہ کہہ کر آپ کی نشاندہی کر دی کہ یہیں سے آپ اپنا مطلب پا سکتے ہیں۔ لہذا اب خدا را میری مدد فرماویں۔ ابو الہذیل نے کہا کہ اشکالات کیا ہیں؟ سائل نے کہا۔ قرآن میں لسانی خامیاں اور تناقضات ہیں۔ اس پر سوال ہوا کہ یکبارگی جواب چاہئے یا جُدا جُدا؟ سائل نے کہا یکبارگی چنانچہ ابو الہذیل گویا ہوئے کہ۔ تم جانتے ہو کہ رسول اللہ متوسط خاندان سے تعلق رکھتے تھے جن کی زبان کی خوشنکی مسلمہ تھی اور کسی نے بھی نہ ان کے لہجہ پر اعتراض کیا اور نہ بول چال پر۔ اس نے کہا بالکل ٹھیک ہے۔ ابو الہذیل نے کہا تو ان جھگڑالوؤں نے آپ کی تکذیب میں تمام جتن کئے ہو نکلے اور کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا ہو گا کیا یہ سچ ہے یا اس سے انکار ہے؟ اس نے کہا بالکل سچ ہے۔ اس پر ابو الہذیل نے کہا کہ اتنی ساری وجوہات کے با وصف لوگوں نے آپ کی زبان اور ”کریکٹر“ کو نشانہ نہیں بنایا۔ کیا یہ سچ ہے؟ سائل نے کہا بالکل صحیح ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ جو لوگ اپنی زبان پر نازاں اور اپنے اصنافِ سخن، فصاحت اور بلاغت کے زور پر پچھاڑنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے تم ان کی بات چھوڑ کر ایک متوسط قبیلے کے فرد کی سننے اور ماننے پر تیار ہو جاتے ہو؟ سوچو اور صداقت کو

رکھتے تھے تم ان کی بات چھوڑ کر ایک متوسط فیملی کے فرد کی سُننے اور ماننے پر تیار ہو جاتے ہو؟ سوچو اور صداقت کو انصاف کے پلڑے میں تولو۔ جتنے جب زبان کی ناچنگی اور کردار کی ”چنگی“ پر ان کو اعتراض نہیں ہے تو تمہارے دل میں شکوک و شبہات نے کیوں راہ پائی؟۔ یہ بات سائل کی عقل کو لگی اور وہ عقیدے کی رسمی تجدید کے بعد آئندہ اسلام اور قرآن کا بول بالا کرنے کا عہد کر کے چلے گئے۔ اور جاتے جاتے کہا کہ میرے لئے یہ جوابات کافی ہیں۔

(ط۔ م صفحہ 145/1 تا 146)

ثمامہ۔ کا بیان ہے کہ میں نے خلیفہ مامون (۔۔) سے ابو الہذیل کے حق میں توصیفی کلمات کہے تو مامون نے کہا ابو معن۔ اس پر مجھے ابو الہذیل پر غصہ آیا کہ وہ صرف ثمامہ کہہ کر بلاتا ہے جبکہ خلیفہ تک کنیہ کے ساتھ ابو معن کہہ کر بلاتا ہے۔ لیکن جب مجلس گرم ہو گئی اور ابو الہذیل نے اپنے استدلالات میں سات سو بیت پیش کر دیئے۔ اس پر مرے ہوش کے طوطے اُڑ گئے اور میں نے باادب ہو کر عرض کیا کہ۔ حضور۔ دل کرے تو کنیہ سے بلائیں اور نہ کرے تو خالی نام لے کر۔

الآدمی

92

معتزلہ کے چھٹے طبقے میں اسماعیل بن ابراہیم ابو عثمان۔ عرف آدمی کا نام ملتا ہے جو بلند پایہ عالم تھے۔ فاضل تھے زاہد تھے اور کلامی مسائل میں نہایت قابلیت، حذاقت اور مناظرے کے مسلمہ اصولوں کے مطابق بحث کرتے تھے۔

ابو یعلیٰ زرقان

93

نظام کے ہم نشینوں اور شاگردوں میں ابو یعلیٰ محمد بن شداد بن عیسیٰ المسمعی معتزلہ کے ساتویں طبقے سے تعلق رکھتے تھے جس نے اپنے نظریے کی تائید میں بڑے مقالات لکھے۔ ابو الحیاط کہتے تھے مجھے اسماعیل بن ابراہیم ابو عثمان عرف آدمی نے بتلایا کہ خلیفہ واثق نے سنجے بن کامل کو بلوایا اور زرقان کو کہا کہ اس سے مناظرہ کرلو۔ زرقان نے ارادہ خداوندی پر بات کی اور سنجے کو مات کر دیا تب واثق نے اسی موضوع پر خود بھی مناظرہ کیا اور ہار گیا۔

یوسف الشحام

94

ابو الہذیل علاف کے نامی گرامی تلامذہ میں ابو یعقوب، یوسف بن عبد اللہ بن اسحاق الشحام کا نام ہر

طالب قرآن کی زبان پر ملے گا بلکہ بصرے میں قرآنی دانشوروں کی نظامت ان ہی پر منتہی ہوتی ہے اس نے نہ صرف مخالفین کے جواب لکھے قرآنی مقالات بھی ترتیب دیئے آپ فن مناظرہ کے بے خطا امام تھے ابوعلی جبائی آپ کے متوسلین میں سے تھے کہتے ہیں کہ۔ خلیفہ واثق نے حکم دے رکھا تھا کہ تمام انتظامی دفاتر میں معتزلہ کا آدمی ضرور ہونا چاہئے کہ یہ لوگ دیانتدار بھی ہیں، پاکیزہ کردار اور پرائے مال سے پرہیز کرنے والے بھی۔ خاص کر قرآن کے عالم اور دانشور ہونے کے علاوہ فریادیوں کو انصاف دلانے کے لئے خالموں پر پھرتی سے ہاتھ ڈالنے والے بھی ہیں۔ چنانچہ آپ نے قاضی ابن ابی داؤد اور یوسف الشحام کو اپنے محکمے کا رئیس بنادیا۔ شحام نے تو پہلا کام یہ کیا کہ فضل بن مروان پر ہاتھ ڈالا اور اس کے ظلم کا بدلہ چکا دیا۔ ابوعلی قاضی عبد الجبار کہتے تھے کہ شحام۔ ابو لھذیل کے چھوٹے بچوں میں سے تھا بڑا ذہین اور طویل العمر تھا اسی سال کی عمر پاکی تھی۔



علی الاسواری

95

علی الاسواری۔ ایک بڑے صاحب علم اور مفردات قرآن کے ماہر شناسا تھے زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔ یہ امام ابو الھذیل علاف (850 م) کے شاگردوں میں سے تھے مگر حالات نے اسے دوسرے قرآنی دانشور ابراہیم نظام (845 م) کے پاس بغداد پہنچا دیا۔ نظام نے کہا تم یہاں کیسے؟۔ اسواری نے کہا فقر و فاقہ نے ستایا اور یہاں چلا آیا۔ نظام نے ایک ہزار دینار دے کر کہا اب یہاں سے چلے جاؤ۔

(طبقات المعتبرین صفحہ 72)



ابو عفان

96

ابو عفان الوقی النظامی طبقات کے اعتبار سے ساتویں طبقے سے تعلق رکھتے تھے، نامور قدری تھے نظام (845 م) کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔

(ط، ص 78 سطر 9)



مالک الایادی (854 م)

97

امام احمد بن ابی داؤد بن جریر بن مالک الایادی (854 م) معتزلہ مسلک کے مشہور قاضی تھے۔ ابو العیناء۔ کا کہنا ہے کہ۔ میں نے ابی داؤد جیسا فصیح اور قادر الکلام دانشور نہیں دیکھا۔ تاریخ و انساب میں یہ طو لے رکھتے تھے۔ عباسیوں میں زیادہ اکرام سے دیکھے جاتے تھے۔ خجی تھے۔ خیر کے گرویدہ تھے مامون کے

بعد معتمد نے اسے چیف جسٹس بنا دیا تھا۔ دھمی کے بقول خلق قرآن کا مسئلہ انہوں نے کھڑا کیا تھا۔ (جبکہ یہ قرآن کا مسئلہ ہی نہیں تھا) ﴿ابن خلکان 22/1 - تاریخ بغداد 141/4﴾

اسکافی (854م)

98

محمد بن عبد اللہ ابو جعفر الاسکافی (854م) معتزلہ کے بڑے امام اور متکلم تھے کراچی سے ان کے مناظرے اور تبادلہ فکر کے واقعات مشہور ہیں وہ اصل میں سمرقند کے تھے بعد ازیں مشہور ہوئے خلیفہ معتمد ان کا بہت احترام کرتے تھے مقریزی (346/2) نے ایک عجیب افسانہ تراش ڈالا وہ کہتے تھے:

”اللہ سبحانہ عاقلوں پر ظلم کرنے پر قادر نہیں۔ بچوں اور بے وقوفوں کے ظلم پر قادر ہے۔“

حالانکہ معتزلہ کا بنیادی عقیدہ ہے کہ وما الله بظلام للعبيد۔

اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہی نہیں۔ (معلوم ہوتا ہے مقریزی سے تسامح ہوا ہے انہوں نے بلا وجہ اللہ کی قدرت کو تقسیم کر کے معاملہ کی نزاکت کا احساس نہیں کیا۔ (مقریزی 346/2 - لسان المیزان 221/5)



یحییٰ بن اکثم (857م)

99

جسٹس یحییٰ ابن اکثم بن محمد بن قطن التمیمی الاسدی (857م) اپنے عہد کے بڑے قد آور فقیہ اور مقنن تھے خلیفہ مامون کے دل پر قابض تھے ہمد و ہم نشین اور خلوت و جلوت کے یار باش تھے کہتے ہیں کہ شاید باز بھی تھے۔ ویسے اگر سوچا جائے کہ جب وسائل قیث فراوانی سے میسر اور قرب شاہی کا سہارا ہو۔ شباب ہو اُمگ ہو اور پھر انسان حسب پسند گناہ سے پرہیز کرے تو یہ بڑی قربانی کی بات ہوگی لیکن اگر کوئی ذہنی دباؤ میں آکر کچھ کر ہی بیٹھتا ہے تو بقول اسد ملتان (1961م)۔

یہیں نہ رند یہ داعظ کے بس کی بات نہیں

تمام شہر ہے دو چار دس کی بات نہیں

بہر حال جیسے تھے جس حال میں تھے احمد بن یحییٰ نے انہیں معتزلہ میں شمار کیا ہے کہ خود خلیفہ مامون بھی

معتزلہ کے دامن سے وابستہ تھے اور عین ممکن ہے سلفیوں نے غلط الزامات ہی لگائے ہوں۔

(وفیات الاعیان 217/2. اخبار القضاة 161-167. تاریخ بغداد 203/14، 204)

ایک دفعہ مامون نے فیصلہ کیا کہ منبروں پر معاویہ پر لعنت بھیجنے کا حکم نامہ جاری کریں۔ لیکن میٹھے ابن اسلم نے مشورہ دیا کہ امیر المؤمنین یہ حرکت ہرگز نہ کرنا کہ اس حرکت سے عوام مشتعل ہونگے امیر المؤمنین کے خلاف نفرت پھیلے گی خاص طور پر خراسان اور وسط ایشیاء میں ان دنوں صحابہ کے بارے میں ذہن صاف تھے لہذا آپ عامۃ الناس کو یہ تصور نہ دیں کہ سیاسی فریق ہیں (ط، م صفحہ 65-64) چنانچہ مامون کو یہ بات سمجھ آگئی اور وہ اپنے ارادے سے باز آ گئے۔



شعیب بن سہل الرازی (860م)

100

امام شعیب بن سہل بن کثیر الرازی (860م) مقتسم کے زمانے میں ”رصاصہ“ کے نچ تھے۔ روایت باری (ان آنکھوں سے اللہ کے دیدار) کے منکر تھے۔ قرآن کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھتے اور صفات باری کی تاویل کرتے تھے۔ سلفیوں نے 222 ہجری میں ان کے گھر کو لوٹا اور باہر کے دروازے کو آگ لگا دی۔

(تاریخ بغداد 243/9. تہذیب ابن عساکر 322/6)

اسحاق تنوخی (866م)

101

احمد بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن بہلول الانباری التوفی (866م) ابوالحسنین الازرق۔ علمی فیملی سے تعلق رکھتے تھے علم کلام ابوہاشم عبدالسلام جبائی سے فقہ ابوالحسن الکوفی۔ قرآن ابن مجاہد اور مکرمر کی تعلیم ابن السراج سے حاصل کی۔ حسن اخلاق اور عجز و انکساری نے اس کے علم کو حسن بخشا تھا۔ علاوہ اعتراض کا حسن مستزاد (طبقات صفحہ 108) فقیہ بھی تھے، محدث بھی تھے انبار میں وقار اور وجاہت والی فیملی سے وابستہ تھے۔ بغداد، کوفہ، بصرہ اور حصول علم کے لئے حجاز وغیرہ کے سفر کے متوکل عباسی نے اسے علمی باتیں سنانے کے لئے اپنے پاس رہنے کی زحمت دی اور احترام دیا۔

(تذکرۃ الحفاظ 326/6. تاریخ بغداد 366/6. الجواهر المصیئة 137/1)



جاحظ (869م)

102

معز لدنیا میں اس لحاظ سے خوش قسمت تحریک ہے جس میں کوئی آن پڑھ نہیں ہے سب کے سب نابغہ



عصر اور خلاصہ انسانیت تھے ان میں 5 فی صد تو ویسے ہی سنجیدہ فکر اور اصابت رائے کے حامل تھے باقی 95 فی صد تو بلا مبالغہ درجہ اجتہاد پر فائز اور دریائے معانی کے ماہر تیراک اور غوطہ خور تھے۔ قرآن کی گہرائی اور گیرائی میں اترنا ان کا محبوب شیوہ تھا اور ان ہی غواصانِ معانی میں ہمارے ابو عثمان عمرو بن الجاحظ (869 م) ایک نمایاں شخصیت تھے آپ کی امتیازی شان یہ تھی کہ آپ اپنی فکری چادر بٹتے وقت تانے اور پیٹنے میں تمام علوم کو اس طرح بٹتے کہ نہایت خوبصورت نقش اُبھر آتا۔ علمِ کلام۔ تاویلِ القرآن۔ استعارے۔ مجازات، ایامِ عرب کے علاوہ فصاحت و بلاغت کے نوادر بھی شامل ہوتے موضوعات میں توحید، اثباتِ نبوت، معتزلہ کے فضائل اور حکمرانوں کو مشورے دینا سبھی جا حظ کے پسندیدہ موضوع تھے۔ مناظرہ میں بھی آپ کو خصوصی کمال حاصل تھا ایک دفعہ ابو یعقوب خرمی (KHURAIMY) سے کہا کہ گناہ اور معاصی کا خالق کون ہے؟ خرمی نے کہا اللہ! جا حظ نے پھر کہا کہ گناہوں پر مزا دینے والا کون ہے؟ خرمی نے کہا اللہ!۔ جا حظ نے اپنے سوال کے اگلے مرحلے کو پھر دہرایا کہ وہ کیوں؟ خرمی نے در ماندہ ہو کر کہا کہ واللہ مجھے پتہ نہیں۔

جا حظ کا قول ہے۔ جس سے تمہیں ڈر نہیں اس سے ڈرو جبکہ تم اس سے ڈرتے ہو جس سے ڈر نہیں۔ جا حظ کھلے دل کے تھے۔ گردِ ہیبت اور جانبداری اسے پسند نہیں تھی وہ علم و تحقیق کو ہر ایک کی میراث جانتے تھے وہ کہتے تھے جو بھی کوئی مسلک رکھتا ہو اسے روکا نہیں جاسکتا البتہ اس سے اُمید رکھنی چاہئے کہ حق کے لئے مخلص ہو۔ حصولِ معرفت کا محبت ہو سچائی کا شیدا اور انصاف کا دلدادہ ہو۔ وہ نصیحت کے لہجہ میں بات کرتے ہیں کہ۔

جنبك الله الشبهة وعصمك من الخيوة وجعل بينك وبين المعرفة سياوین
الصدق سببا وحب اليك التثبت وزین فی عينيك الانصاف واذاقك حلاوة التقوی
والشعر قلبك عز الحق

اللہ نے تمہیں شکوک و شبہات سے نکال کر یقین کی راہ پر ڈال دیا ہے۔
تمہیں حیرت کے چور ہے سے ہٹا کر صدق و صفا کی گیلڈنڈی پر چلایا ہے، تمہارے
اور حقائق کی معرفت میں صلہ پیدا کیا ہے۔ اور سچائی اور تمہارے مابین رشتہ قائم کیا
ہے۔ اس نے حق پر قائم رہنے کے لئے تمہارے لئے ثابت قدمی کو پسند کیا اور
انصاف پر کھنے کے لئے تمہاری آنکھوں کو حسین بنایا۔ تقویٰ (خود حفاظتی) اور
پاکیزگی کی منہاس شامل کر دی اور تمہیں حق کی عزت اور شان بڑھانے کا شعور عطا
کیا۔

(الحيوان. بحوالہ. مقام العقل عند العرب قدری طوقان طبع دار المعارف مصر صفحہ 94)
یہاں جاظہ حقیقت پسندی کو انسان کی عقل اور گہرے شعور سے مربوط کرتا ہے وہ حقیقت کی تلاش کو
صرف اور صرف عقل اور حواس کے واسطے سے معلوم کرنے کا مشورہ دیتا ہے جس میں مشاہدہ اور تجربہ کو درمیان
میں لانا ضروری ہے اس طرح وہ کہنا چاہتے ہیں کہ تجربہ، مشاہدہ اور ریسرچ کے ذریعہ ہی انسان کا فطری جوہر
کھلتا، نظریہ اور رائے توانائی حاصل کرتے ہیں کہ خود انسان کے اندر ایسی صلاحیتیں موجود ہیں جو ثقہ م، پیش
قدی اور ارتقاء کی طرف دھکیلتی ہیں۔

جاظہ کہتے ہیں کہ ہمارا سلسلہ دریافت ایسا ہو کہ ہمارے بعد میں آنے والے اسے مثال بنا کر چلتے
جائیں اسکے لئے وہ کہتے ہیں کہ کوئی بھی ثقافت اس وقت تک فروغ نہیں پاسکتی جب تک اس کی بنیاد اعتماد اور
تخلیق پر نہ ہو۔ مصریوں نے بابلیوں۔ کلدانیوں۔ اور فینیقیوں پر اعتماد کر کے اپنے آرٹ اور ثقافت کو فروغ
دینے کا راز معلوم کر لیا اسی طرح یونانیوں نے مصریوں اور بہت سی دیگر اقوام پر اعتماد کر کے راہ کی دشواریاں
آسان بنالیں۔ اسی طرح ہم ایسی قرآنی ثقافت کو متعارف کرائیں کہ ہمارے بعد میں آنے والے بغیر کسی
دشواری کے اسے اپنا سکیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن فہمی کا اول و آخر ایک ہی معیار ہے کہ عقل کا سہارا لیا جائے کہ
بالآخر یہ عقل ہی وحی کی مخاطب ہے بلکہ اس راہ میں وہ آنکھوں دیکھی پر بھی کم ہی اعتماد کرتے اور "الحيوان"
میں لکھتے ہیں فلا تذہب الی ماتریک العین واذہب الی مایریک العقل وللأمور حکمان
حکم ظاہر للحواس وحکم باطن للعقل والعقل هو الحجة

جو کچھ ہمیں آنکھ دکھاتی ہے اس پر مت جاؤ جس کی طرف عقل اشارہ
کرتی ہے اسے ہی چلنے کے لئے مشعل راہ بناؤ تمام امور کے لئے وہی حکم ہیں
حواس کے لئے ظاہری حکم اور عقل کے لئے اندرونی حکم اور عقل ہی سے حجت تمام
ہوتی ہے۔ (الحيوان بحوالہ مقام العقل عند العرب صفحہ 98)

روایات اور منقولات کے بارے میں جاظہ ایک رائے رکھتے ہیں کہ یہ حجت نہیں۔ کیونکہ انکی
اصلیت اور اسباب واضح نہیں ہوتے۔ ولو کان بیروون الامور مع عللها ویرہانا تھا خفت
المؤفة ولكن اکثر الروایات معجودة وقد اقتصر واعلیٰ ظاہر اللفظ دون حکایة العلة
ودون الخبر عن البرهان

اگر یہ محدث حضرات اپنی روایات کے اسباب و علل اور برہان سے بھی

آگاہ کرتے تو بوجھ ہلکا اور اُلجھنیں دور ہوتی چلی جاتیں لیکن یہاں اُفتاد یہ ہے کہ روایات کا بے ہنگم سلسلہ۔ عقل و اسباب سے قطعی طور پر عاری ہے اہل روایات ظاہری الفاظ پر اکتفا کرتے اور علتیں بیان نہیں کرتے نتیجہ ظاہر ہے کہ ان میں حجت کی توانائی نہیں رہتی۔

(الحیوان بحوالہ مقام العقل عند العرب صفحہ 11/99 تا 13)

ہمارے لاثانی جاہل خوش شکل نہیں تھے مگر معنوی حسن یعنی علومِ عصریہ اور قرآنِ فہمی کے حسن سے آراستہ و پیراستہ تھے ان کے معنوی افکار بے حد حسین اور مقابلہ حسن میں اعلیٰ معیار پر فائز تھے یہ فرزندِ عراق تھے اور حکومت نے ان کے اپنے ہی شہر بصرہ میں ”بصرہ یونیورسٹی“ کے مین گیٹ کے اندر ایک نمایاں چبوترہ پر ان کا مجسمہ نصب کر کے خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ جاہل۔ تم کتنے حسین ہو؟



خليفة مهتدي عباسي (870م)

103

معتزلہ میں سے قرآن کے حوالہ سے بات کرنے والے خلیفہ مہتدی عباسی (870م) ابو عبد اللہ محمد بن واثق نے بھی اچھی شہرت پائی تھی 255 ہجری میں بیعت یافتہ ہوئے ابو عمر باہلی اس کے خاص الخاص دوستوں اور ندیموں میں شامل تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ خلیفہ مہتدی عباسی نے اپنے دوستوں سے کہا کہ سامنے حوض ہے۔ ہر ایک بتلائے کہ اسکی خواہش کس سے بھرنے کی ہے۔؟ کسی نے کہا سونے سے۔ بعض نے کہا چاندی سے۔ ابو عمر باہلی نے کہا جو خدا کے لئے اعضا اور جسم مانتے اور لیس کمٹلہ شہمی کا انکار کرتے یعنی ابجدیشوں میں سے فرقہ۔ مشہ کے خون سے۔

باہلی کے مشورے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بیوروکریٹ کو اسلام آباد سے اپورٹ کیا گیا تھا۔ جو بہتری کی بجائے بدتری کا مشورہ دینے میں پیش پیش تھا۔ جبکہ مہتدی اس مزاج کا نہیں تھا وہ معتزلی تھا عدل و انصاف میں ظلم کا حلیف نہیں تھا۔ اس کی بابت لکھا ہے کہ کان حمید السیرۃ فیہ شجاعۃ یاخذ اخذ عمر بن عبد العزیز فی الصلاح

بہادر تھے حسن سیرت والے تھے اصلاحات کے لئے عمر بن عبد العزیز کا

وطیرہ اپنائے ہوئے تھے۔

(ابن اثیر 77,64/7، طبری 162/11، 212 و تاریخ بغداد 347/3)

گیارہ ماہ چند دن حکومت کی پھر ترکی افواج نے بے وفائی کر کے پھر سے خلیفہ معتز کو بٹھا دیا۔



ابو سعید الاسدی

104

ابو سعید احمد بن سعید الاسدی کے بارے میں ابوالحسن زفریہ کتاب المشائخ میں لکھتے ہیں کہ۔ بلا کا حافظہ رکھتے تھے، لغت، حدیث اور فقہ کی اسناد حافظے سے بیان کرتے تھے، جبریوں اور اہل تشیعہ کے بارے میں شدید رائے رکھتے بلکہ شدت پسند تھے۔ مسلک اعتزال میں چلک رکھنے والے نہیں تھے حالانکہ یہ مسلک اعتدال پر مبنی ہے۔ بائیں ہمہ ’’وعید‘‘ کے بارے میں ’’زمرہ‘‘ تھے لیکن وہ جب ’’ارجان‘‘ شہر میں پہنچے تو وہاں یحییٰ بن بشر ارجانی سے بات ہوئی تب سے وہ وعید کے بارے میں پکے ہو گئے۔ ساتویں طبقے سے تھے۔ (ط۔م صفحہ 79)



ابو الحسن الشطوی

105

ابوالحسن احمد بن علی الشطوی آٹھویں طبقے سے تھے۔ زبردست عالم تھے بائیں ہمہ گھلا ذہن نہ رکھتے تھے۔ صرف اہل علم کی تعظیم کرتے اور عام لوگوں کی توقیر سے گریز کرتے تھے جس سے ان کی علییت کا سورج گہنا گیا اور اعتزال کی شمع روشن نہ ہو سکی۔ (ط۔م صفحہ 93)



عمر بن شبہ (876م)

106

عمر بن شبہ بن عبیدہ بن ربطہ النمری ابوزید البصری (876م) شاعر تھے، مؤرخ تھے، قدری اور مانے ہوئے ادیب تھے۔

(طبقات المعتزلہ صفحہ 140۔ تہذیب التہذیب 460/7۔ الوفيات 378/1)



ابو الحسن المنجم (888م)

107

بغداد کے اونچی قامت والے ابوالحسن علی بن یحییٰ بن علی عرف المنجم (888م) ایک زبردست شاعر تھے



ابوالحسن النجم

خطیب تھے۔ فاضل تھے اس کے پاس متکلمین کی بڑی میٹنگیں ہوا کرتی تھیں بغداد کے قدآور معتزلہ میں سے تھے (ط۔ م صفحہ 100) بلاشبہ امویوں نے لوح و قلم کی پرورش کی۔ اپنی لائبریریوں کو کتابی نوادرات سے معمور بھی کیا لیکن عباسیوں کے با اعتماد ابوالحسن علی النخعی نے شاہی اور عوامی لائبریریوں کا جال بچھا کر جس طرح ہر فن اور ہر علمی ذخیرے کو جمع کیا فاطمین مصر کے علاوہ اس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ ابن النخعی کا ایک معاصر اس سے کہتا ہے کہ تم میں بہت سی باتیں اکٹھی ہو گئی ہیں۔ تم ایک قابل ترین طبیب ہو۔ بہترین جانشین ہو۔ ماہر طبایع ہو۔ بے مثل موسیقار ہو۔ ذہین شاعر ہو۔ سخن سنج ہو سخن راں و سخن طراز ہو غرض کوئی ایسی کمی نہیں جس سے ملوک و سلاطین محظوظ نہ ہو سکتے ہوں۔

یوں بھی وہ متوکل عباسی کے ندیم خاص تھے بلکہ معتمد کے زمانے تک جتنے بھی خلفاء گذرے ہیں سبھی کا ہم نشین تھا محلات و قصور کی خواتین میں آزادانہ آنا اور جانا تھا۔ اس طرح گھر اور مجالس و دربار کے تمام اہم راز اس کے سینے میں محفوظ ہوتے۔ بہت با اعتماد آدمی تھے۔ علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔

❀ (تاریخ بغداد 230/14۔ وفيات الاعيان 235/2)

ابن قتیبہ (889م)

108

امام عبداللہ مسلم بن قتیبہ دینوری (882م) قرآن کے بڑے عالم۔ مجازات قرآن کے باخبر راہوار اور مشکلات قرآن کے شناسا راہ رو تھے۔ بلکہ ان کی مشکل القرآن کو دیکھتے ہوئے ہر شخص یہی کہے گا کہ قرآن کے سب سے بڑے دانشور صرف ابن قتیبہ ہی تھے۔ راقم نے اس کتاب سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔

(وفیات الاعیان 251/1۔ دائرة المعارف الاسلامیہ 260/1)



ابو حنیفہ دینوری (895م)

109

معتزلہ کے آٹھویں طبقے میں احمد بن داؤد ابو حنیفہ دینوری (898م) کا ذکر آتا ہے جو اپنے ہمعصوروں میں قدآور اور ڈھیر سارے علوم و فنون میں یکتا تھے ابوعلی ان کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ۔ ”ارجاء“ کے بارے میں بحث چھڑ گئی۔ اور دینوری کے سامنے دو عظیم دانشور جو ایک ہی مسلک کے حامل تھے یعنی ابو عمرو بن العلاء (774م) اور ابو عثمان عمرو بن عبید (761م) ان میں بحث چھڑ گئی یعنی ابو عمرو بن العلاء نے۔ ابو عثمان سے کہا لا ملان جہنم من الجنة والناس اجمعین (ہود 119، السجدہ 13) کیا جہنم واقعی جنوں اور انسانوں سے

بھردی جائے گی؟ جواب میں عمرو بن عبید نے کہا۔ ان اللہ وَعَدَ وَعَدًا وَاوَعَدَ اِيْعَادًا فَهُوَ مُنْجِزٌ وَعَدَهُ وَوَعِيدَهُ

اللہ نے وعدہ بھی کیا ہے اور وعید بھی سنائی ہے اور وہی دونوں کو ایفا

(ط۔ م صفحہ 83)

کرنے والا ہے۔

یعنی بالکل بھردی جائے گی! ابو عمرو ابن العلاء نے کہا اگر نہ بھری جائے تب بھی کہو گے کہ ہاں بھر گئی؟
یعنی اللہ نے اپنے وعدے کی وفا کا ضرور کہا ہے لیکن وعید کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اس پر عمرو بن العلاء
نے کہا تم بالکل غمچیوں کی سی بات کرتے ہو یعنی غمچیوں کی سوچ پر چلتے ہو جبکہ عرب وعید میں خلاف ورزی کو
معیوب نہیں سمجھتے شاعر کہتا ہے،

وَانَسَى وَاَنْ اَوْعَدْتَهُ اَوْ . وَعَدْتَهُ

اِخْلَفَ اِيْعَادِي وَمَنْجَزٌ بُوْعَدِي

میں وعدہ کرتا ہوں یا وعید سناتا ہوں۔ وعدہ تو پورا کرتا ہوں وعید کو نظر

انداز کئے دیتا ہوں۔

اس پر عمرو بن عبید نے جواب میں کہا۔ شاعر کبھی ایک بات کہتا ہے پھر اس کے خلاف بھی بول پڑتا
ہے لہذا اس کی بات میں جھوٹ بھی ہو سکتا ہے مگر اللہ کے۔ کہے میں جھوٹ نہیں ہوتا۔ میں نے اگر اللہ کا کلام
(ہود 119، السجدہ 13) پیش کیا ہے تو تمہیں بھی اللہ کے حوالے ہی سے بات کرنی چاہئے۔ پھر ایک اور شاعر کا
بیت بھی پیش کر دیا جو پہلے شاعر کے برعکس وعید پر بھی ایفاء کا اطلاق کر چکا ہے،

اِنْ اِيْثَابُكَ لِمَجْتَمَعِ السَّوْائِي شَرِيْفِ الْاَبَاءِ وَالْبَيْتِ

لَا يَخْلُفُ الْوَعْدَ وَالْوَعِيدَ وَلَا يُبَيِّتُ مِنْ ثَارَةِ عَلِيٍّ فَوْتَ

اس پر ابن العلاء بالکل ہی خاموش ہو گئے اور جناب دنیوری بھی جو غالباً مرجع عقیدے کو پسند کرتے

تھے خاموش ہو کر رہ گئے۔ (ط۔ م صفحہ 84) ❀

امام مبرد نحوی (899م)

110

ادبیات عرب کے بڑے شاعر۔ معانی اور مفاتیح کے نابض امام ابو العباس محمد بن یزید عبدالاکبر
الشمالی مبرد (899م) جسے طبقات المعترلہ میں دانشوران قرآن میں شمار کیا ہے (صفحہ 131) آپ کی کتاب

”الکامل“ نحو اور ادب میں اتھارٹی مانی گئی ہے۔

(تاریخ بغداد 380/3، طبقات النحویین طبع مصر صفحہ 108 و صفحہ 120)



ابو مجالد بغدادی

111

ابو مجالد احمد بن الحسین بغدادی کا حافظ ضرب المثل تھا۔ ابوالقاسم الصفار بلخی حنفی کہتے تھے۔ بغداد کے اہلحدیثوں نے جمع ہو کر ابو مجالد سے کہا کہ۔ ہمیں نادر اور دقیق قسم کی حدیثیں سناؤ۔ اس پر انہوں نے دین دیکھے صرف حافظے کے زور پر پانچ ہزار حدیثیں سنا دیں جبکہ اسے ایک لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔ بایں ہمہ لاکھوں حدیثیں بھی اسے ”عقلیت پسندی“ سے بیگانہ نہ کر سکیں اور کھلے بندوں اپنے معتزلی اساتذہ جعفر بن حرب (850 م) اور جعفر بن مبشر (848 م) کی حمایت کرتے رہے۔ آپ کا آٹھویں طبقہ سے تعلق تھا۔ ابو الحسین الخياط (912 م) آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔



ابو محمد بن حمدان

112

امام ابو محمد بن حمدان حب الہی میں انتہا درجہ مستغرق رہتے تھے آپ معتزلہ کے نویں طبقہ سے تعلق رکھتے تھے جب کوئی مشبہ یا مجرہ (اہلحدیث) شانِ خداوندی میں ناشائستہ زبان استعمال کرتے بیٹھے کہ اللہ سبحانہ انسانوں ہی کی طرح کرسی پر بیٹھتے اور اُٹھتے ہیں یا اللہ کے پاؤں اور دیگر حساس صفات کا بغیر کسی تاویل و توجیہ بیان کرتے۔ تو یلحقہ الو عشة اعظا ما لله تعالیٰ۔

تو عظمتِ خدا کے تصور سے ان پر کچکی طاری ہو جاتی بیٹے اہلحدیثوں کی
نوکیلی زبان کی وجہ سے آپ پر ریشہ طاری ہو جاتا تھا۔ (ط۔ م صفحہ 102)



ابو القاسم وزیر السلطان

113

ابو القاسم بن سعد الاصفہانی وزیر السلطان — ایک نامور عالم تھے ایک دفعہ بعمرے میں ابن ہاشم اور۔ اشید۔ کے مابین مجلس مناظرہ قائم کی جس پر فساد کا اندیشہ تھا۔ قاضی عبدالجبار (916) کہتے ہیں کہ ہم بھی اس مناظرے کو دیکھنے اور سننے کے لئے پہنچ گئے۔ ابو عبد اللہ جشی نے ازراہِ حقارت کہا کہ۔ وہ کون سی چیز ہے

جو متحرک کرتی اور ساکن کرتی ہے؟۔ اس پر ابو القاسم سیرانی نے غصے اور ناراضگی میں کہا کہ۔ اے حبشی کیا تم اس ذریعہ کو جسے اللہ نے اپنی ذات کے تعارف کے لئے خاص کیا ہے۔ مذمت کا ذریعہ ٹھہراتے ہو؟ اس کے بعد اس نے اپنے دلائل سنانے شروع کر دیئے جس سے لوگوں کو بڑی معلومات ہوئیں۔ مثلاً حرکت سے مراد زندگی اور سکون سے موت ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔ خلق الموت والحیاء لیبلوکم ایکم احسن

عملا 0

برکتوں والی خدائے لایزال کی ذات جس کے قبضہ قدرت میں ساری کائنات اور زندگی و موت پر کنٹرول حاصل ہے۔ (تبارک 1)



الاسفندیانی

114

الاسفندیانی علم کے دریا تھے نویں طبقے سے تھے۔ کلام، تفسیر اور حدیث کے موضوع پر بی شمار کتابیں لکھیں۔ ابو ہاشم (933م) سے جب کہا گیا کہ صمیری اور اسفندیانی میں ماہہ الاتیاز وصف کون سا ہے؟ تو ابو ہاشم نے کہا صمیری (Sumeri) ایک بہت بڑے محل کی مانند ہے جس کے بی شمار کمرے ہیں ان میں آباد بھی ہیں اور ویران بھی اور اسفندیانی ایک ایسے کمرے کی مانند ہے جو متناسب تقسیم کے مطابق تعمیر ہوا ہے۔ یہ اشارہ تھا کہ اسفندیانی کے پاس علم اگر چہ کم تھا مگر جتنا کچھ تنظیم، تسنیق اور حسن ترتیب کے زواہیہ سے تھا صمیری سے بہتر تھا۔ (طام صفحہ 99)



خلیفہ معتضد عباسی (902م)

115

خلیفہ معتضد عباسی (902م) ابو العباس احمد بن موفی۔ اپنے بھائی معتمد عباسی کے ولیعهد تھے اور مثل مشہور ہے کہ معتضدین عباسیوں میں مامون اور متاخرین میں معتضد جیسا کھرا نہیں گذرا۔ یہ بھی قرآنی دانشور تھے۔ مبرد (898) کہتا ہے کہ میں نے رات کو کہانیاں سناتے ہوئے کہا کہ۔ محمد بن الہذیل نے بتلایا کہ۔ اس پر خلیفہ نے کہا محمد بن ابو الہذیل کہو۔ میں نے کہا ٹھیک ہے تب پھر کہا کہ فکنہ اذا۔ تو پھر کنیہ (ابو) کا باقاعدہ اظہار کرو یہ خلیفہ ابو الہذیل کو زیادہ چاہتا تھا۔ اسی طرح یہ اور اکثر عباسی خلفاء رویت باری و دیگر مسائل میں قرآن کی واضح پالیسی پر ایمان رکھتے تھے حتیٰ کہ خلیفہ مامون کو کہنا پڑا کہ۔ میرے اجداد میں سے کوئی نہیں تھا جو مجھ پر عقیدے کا ہو سبھی اعتزال پسند تھے۔ اور جبریہ کے تعارف میں۔ المنجد لکھتا ہے۔ تنکیر الاختیار و

تقول ان الانسان مجبور في اعماله و تخالف بذلك القدرية

جبر یہ مسلک والے انسان کے ارادے اور اختیار کو نہیں مانتے۔ اس طرح وہ قدریہ کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں جو اپنی اچھی اور بری کرتوتوں میں آزاد ہیں۔ (المنجد 27 واں ایڈیشن طبع بیروت صفحہ 208 کالم نمبر 2)

تاریخ بتلاتی ہے کہ معتضد بنی عباس کی ان پانچ نمایاں شخصیات میں سے تھے جنہوں نے منصفانہ عدالتی سسٹم نافذ کیا۔ رعایا پر پیسہ خرچ کیا۔ بگڑے حالات کو سنوارا۔ فریضہ حج ادا کیا، شریکوں کے خلاف جہاد میں حصہ لیا۔ محدثین و دیگر اہل علم و اصحاب فضیلت سے روابط بڑھائے اور ایسے وقت میں حکمران بنے جبکہ بیت المال میں 8 قیراط سونا جو دودیناروں کے مساوی رقم بنتی تھی موجود تھا۔ مگر اسکی ہمت اور حکمت عملی سے کچھ ہی عرصے میں کروڑوں روپے بیت المال میں جمع ہو گئے۔

(شذرات الذهب طبع مصر جلد 199/2 . وفيات الاعيان جلد 45/1 . تاريخ بغداد



(403/4)

الناشی الانباری (906)

116

عبداللہ بن محمد۔ الناشی۔ الانباری (906) بلند پایہ شاعر تھے، ادیب تھے۔ بختری۔ اور روی کے پائے کے تھے دین اور منطق میں خصوصی درک رکھتے تھے۔ معتزلی تھے۔

(طبقات المعتزلة صفحہ 92-93۔ تاریخ بغداد 92/10۔ ابن خلکان 263/1)



رزق الله

117

رزق اللہ ابوعلی (916م) کے مشہور تلامذہ میں سے تھے پھر ان کے بیٹے ابوہاشم (933م) سے منسلک ہو گئے۔ وسیع اور عظیم علمی ورثے کے مالک تھے۔ قاضی کہتے تھے بڑے عمر رسیدہ بزرگ تھے ابوعلی اور ابوہاشم کے بعد میرے پاس بغداد چلے آئے تھے نویں طبقہ سے تھے۔ (ط۔ م صفحہ 99)



عبدالرحیم النخياط (912م)

118

قرآنی دانشوروں میں ابو الحسن الخياط (912م) عبدالرحیم بن محمد بن عثمان کا نام روشن ملے گا قاضی کا کہنا ہے جعفر کے ساتھیوں میں الخياط پیش پیش تھے۔ الخياط کا بڑا کارنامہ ہے کہ اس کی زیادہ کتابیں مشہور منکر قرآن۔ ابن روادندی کے رو میں ہیں حالانکہ وہ فقیہ بھی تھے، حافظ حدیث اور متکلمین کے مسالک سے باخبر نیز۔ ابو العباس حلبی نے الخياط سے دریافت کیا کہ۔ کیا یہ درست ہے کہ ابلیس نے فرعون کو کفر پر آمادہ کیا۔ خياط نے اثبات میں جواب دیا۔ حلبی نے کہا تب تو اللہ کے ارادے پر ابلیس غالب رہا۔ خياط نے جواب میں کہا کہ۔ اس میں اللہ کے ارادے پر غالب آنے کی کیا بات ہے؟ جبکہ اللہ نے پہلے واضح فرما دیا تھا کہ الشیطان یعدکم الفقر و یأمرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرة منه وفضلا

شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور برائیوں کی ترغیب دیتا ہے لیکن اللہ تمہیں ایسی راہ کی طرف بلاتا ہے جس میں اس کی مغفرت اور اس کے فضل و کرم کا وعدہ ہے۔ (بقرہ، 268)

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ اللہ کے ارادے پر ابلیس کا عمل غالب نہیں آیا۔ کیونکہ اللہ نے فرعون کو ایمان کے لئے مجبور کیا ہی نہیں۔ اسی خياط نے۔ ابن روادندی کے رو میں ”الانتصار“ کے عنوان سے ایک جان لیوا تحریر یا دگار چھوڑی ہے نیز۔ ”الاستدلال“ بھی اکی دوسری دھماکہ خیز تالیف ہے۔

(تاریخ بغداد جلد 87/11)



احمد دینوری قاضی (915م)

119

احمد بن مروان الدینوری قاضی ابوبکر (915م) نامور معتزلی تھے وضع حدیث کی تہمت لگائی گئی تھی جبکہ معتزلہ اس جنس فکر سے نامانوس تھے وہ رجال الحدیث نہ تھے۔ انہیں سند اور روایت سے قطع نظر اگر کوئی بات عقلی لگتی۔ یا۔ قرآن کی پالیسی کے ہم آہنگ ہوتی تو اسے حدیث مان لیتے۔ آپ قضاء کے منصب پر فائز تھے 84 سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ (لسان المیزان 309/1۔ کشف الظنون صفحہ 1591)



ابو علی جبائی کبیر (916م)

120

علم کلام کے امام اعظم ابو علی محمد بن عبد الوہاب الجبائی الکبیر (916م) کی بابت ابوبکر احمد بن علی کا کہنا ہے کہ جبائی کو علم کلام میں اس حد تک رسائی حاصل تھی کہ وہ اس علم کو سہل، آسان اور مسخر کرنے پر پوری قدرت

رکھتے تھے یوں سمجھو کہ جس طرح داؤد کے لئے لوہا نرم بنا لیا گیا تھا اسی طرح جبائی کے لئے علم کلام کو۔ وہ فقیہ تھے باورع تھے طلیل القدر تھے اور علم کے اونچے مقام پر فائز تھے ابو الہذیل کے علاوہ۔ کسی بھی درجے کے معتزلی کے لئے تقدم اور فوزیت کے قائل نہیں تھے۔ برکانی نے ابو علی جبائی سے کہا کہ ایک حدیث جسے ابو الزناد۔ اعرج سے اور وہ ابو ہریرہ سے روایت کرتا ہے کہ لا تنکح المرأة علی عمتها ولا علی خالتها بواجبتہی اور خالہ بھانجی ایک نکاح میں نہیں آسکتیں۔

کیا آپ اُسے صحیح مانتے ہیں؟ جبائی نے کہا بالکل صحیح مانتا ہوں۔ اس پر برکانی نے دوسرا سوال داغا۔ کہ اس ہی سند کے ساتھ ابو ہریرہ سے دوسری روایت ہے کہ۔ موسیٰ اور آدم کا جنت میں مناظرہ ہوا۔ موسیٰ نے کہا تم اگر جنت میں معصیت نہ کرتے تو نکالے نہ جاتے۔ جواب میں آدم نے کہا۔ میرے پیدا ہونے سے دو ہزار سال پہلے خدا نے لکھ دیا تھا کہ میں معصیت کروں گا۔ اب بتاؤ میں تو لکھے کو نہ ٹال سکتا تھا۔ موسیٰ نے یہ سن کر کہا برحق ہے۔ برکانی کا مقصد یہ تھا کہ دونوں روایتیں ابو ہریرہ سے مروی ہیں اور دونوں ہی کی سند بھی ایک ہی ہے مگر پہلی روایت کی توثیق اور دوسری کی تکذیب کرتے ہو۔ کیوں؟ جبائی نے کہا کہ دوسری روایت قرآن، اجماع امت اور دلیل عقل کے منافی ہے لہذا باطل ہے۔ کیوں کہ آدم کی اس معذرت کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو آدم کی تمام اولاد کے گناہوں کی پیشگی لکھی جانے والی معصیت اور عذر گناہ کو موجب عفو ٹھہرایا جائے تو جزا دوسرا کا فلسفہ صلہ و سرزنش کی بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔ جبائی کی اس بات پر برکانی کی بات خاموشی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک بار جبائی ایک ایسے مناظرے میں شامل ہوئے جس میں امام ابو حنیفہ بھی موجود تھے اور مسئلہ بھی ”ارجاء“ کا تھا جبائی نے امام ابو حنیفہ سے کہا لا ملائ جہنم من الجنة والناس۔ ہم جہنم کو انسانوں سے بھر دیں گے (ہود۔ 19۔ السجدہ، 13) کیا آپ جہنم کا بھر جانا چاہتے ہیں؟۔ ابو حنیفہ نے کہا بالکل سچ سمجھتا ہوں۔ جبائی نے کہا اگر جہنم بھر جانے کی بات پوری نہیں ہوتی تب بھی کہو گے سچ ہے؟ اس پر امام ابو حنیفہ خاموش ہو گئے نسکت ابو حنیفہ (طبقات المعتر لصفہ 83) (امام صاحب کسی مفروضہ استثناء کا جواب خاموشی کے سوا کیا دے سکتے تھے؟)

ابو الحسن کہتے تھے کہ۔ کان من احسن الناس وجها وتواضعا واكثرهم موعظة فبیتما هو فی صلاقتہ حتی ذکر الموت فتخدر الدموع جبائی حسین تھے خوبصورت تھے وجہ تھے اور نکلیل تھے۔ لمنار تھے ہنس

مکھ تھے۔ اچھی باتوں کی وصیت کرتے تھے (دل کے پتے اور رقیق القلب بھی تھے) ایک بار خوش خوش تھے کہ موت کا ذکر چھڑ گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ آنسوؤں کی جھری لگ گئی آہوں اور سسکیوں سے بھگی بندھ گئی۔

علم الکلام کے بارے میں فرماتے تھے اسہل شینسی لان العقل یدل علیہ۔ آسان ترین علم ہے کہ عقل کے تابع ہے اور عقل ہی اس کا پشت پناہ ہے۔

آپ ابو الہذیل علاف کو صحابہ کے بعد اونچا درجہ دیتے اور انکے شاگردوں واصل بن عطاء۔ اور عمرو بن عبید کی شخصیت کے گرویدہ تھے۔ (طبقات صفحہ 7/82 تا 9)

جبائی کبیر۔ بچپن ہی سے ذہانت و فطانت کی اعلیٰ صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔ مناظرانہ افتاد پائی تھی قطان کہتا ہے ایک دفعہ مناظرہ کی مجلس گرم ہوئی کسی کے انتظار میں وقت گذر رہا تھا اتنے میں مجبرہ (سینوں) میں سے ”صقر“ نامی ایک صاحب تشریف لے آئے۔ ایک نوخیز بچے نے اس کے سینے پر ٹھوکر مار کر کہا میرے ایک سوال کا جواب دو۔ حاضرین حیران ہو کر اس بچے کو دیکھنے لگے۔ سوال تھا کہ کیا۔ اللہ تعالیٰ عدل کے فاعل ہیں؟ صقر نے کہا بالکل فاعل ہیں۔ اس پر بچے نے کہا کہ عمل کرنے پر آپ اللہ کو عادل کے نام پر ہی پکاریں گے نا؟ صقر نے اس کا جواب بھی اثبات میں دے دیا۔ اگلے مرحلے پر بچے نے کہا کہ۔ اللہ ظلم کا فاعل بھی تو ہوگا؟ صقر نے کہا ضرور۔ بچے نے کہا تو کیا اللہ کو ظالم کے نام سے پکارو گے؟ صقر نے کہا نہیں نہیں۔ اس پر مجلس برخاست ہو گئی اور لوگوں نے بچے کی بابت معلوم کرنا شروع کر دیا تو پتہ چلا کہ یہ ”جباء“ کا لوٹا محمد بن عبد الوہاب ہے۔ یہ یاد رہے کہ مشہور عالم دین ابو الحسن اشعری جنہوں نے بغاوت کر کے آپ کے برعکس عقائدی نظام تیار کیا تھا آپ ہی کے شاگرد تھے۔ ❀

الفارسی (917م)

121

امام ابو بکر احمد بن الحسین الفارسی (917م) اعتزال کو دلائل سے پختہ ثابت کرتے تھے۔ آپ نے اصول فقہ میں بھی ایک ضخیم کتاب چھوڑی ہے۔ (کشف الظنون، 1188)

بغداد میں ان کا حلقہ درس تھا جہاں سائنٹفک اور علمی بنیادوں پر اعتزال پر ریسرچ کی جاتی تھی ابن النجیم (۔۔۔) وغیرہ اس کے فیلو تھے۔ ❀ (طبقات المعترفہ صفحہ 102)

قاضی احمد سربح (918م)

122

احمد بن عمر بن سرتج ابو العباس البغدادی القاضی (918م) فقہ شافعی کے بڑے مجتہد تھے۔ بدعات سے محترز تھے (۔۔۔ صفحہ 129) حاضر جواب تھے۔ صاحب فکر تھے قرآن کی محبت کے قائل تھے یعنی معتزلی تھے۔
(البداية والنهاية 129/11 - طبقات الشافيه 87/2 - تاريخ بغداد 287/4)



الحسن نوبختی (922م)

123

الحسن بن موسیٰ بن الحسن بن محمد نوبختی (922م)۔ ابو محمد۔ جسے شیعہ اپنا ہم مسلک سمجھتے اور معتزلہ اپنا آدمی کہتے تھے اُن کی کتابوں۔ النکت علی ابن الراوندی۔ الرد علی الغلاة۔ اور الرد علی اصحاب التناسخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ خالص معتزلی تھے کیونکہ دفاع اسلام اور دفاع قرآن میں عقلیات اور وحی کا سہارا صرف معتزلی ہی لیتے رہے ہیں۔ (لسان المیزان 258/2 - اعیان الشیعہ 333/23)



امام طبری (923م)

124

قدرت نے جن لوگوں کو تمام علمی صلاحیتوں سے نوازا ہے ان میں محمد بن جریر طبری (923م) کا نام زیادہ نمایاں ملے گا لغت ہو کلام ہو شعر ہو سند ہو گرامر اور ادب ہو ان میں جو مقام طبری کا تھا بہت کم لوگ وہاں تک پہنچ پائے ہیں۔ اس کی بنیادی خصوصیت یہ تھی کہ وہ کسی بھی آیت کے بارے میں اگر دو رائیں ہوتیں دونوں کی سند بیان کر دیتے جس سے تاریخ و اختلاف کا پتہ چلتا اور لطف یہ کہ ان میں سے کوئی بات اگر ان کے ذاتی مسلک کے خلاف پڑتی تو بے دھڑک اس کا بھی ذکر کر دیتے جس سے ان کی وسعت علمی اور وسیع الظرفی کا پتہ چلتا ہے آپ رازی، ابن خزم، ابو حنیفہ اور واصل کی طرح مالدار مصنف نہیں تھے فاقہ مست قلم کار تھے ایک بار ایسا ہوا کہ اپنے وقت کے تین مشہور علماء ایک مکان میں رہنے لگے۔ تینوں مفلس اور قلاش تھے کئی دن کے فاقوں کے بعد فیصلہ ہوا کہ ان میں سے ہر ایک۔ ایک دن گداگری کرے گا چنانچہ ان میں سے قرعہ اندازی میں ایک صاحب کا نام نکل آیا یہ تینوں شرم و حیا کے مجسمے اور در پوزہ گری جیسے حیث شکن پیشے سے نفور تھے مگر اب پیٹ کے اندھن کو کسی طرح بھرنا تھا چنانچہ جس کے نام پہلے بھیک مانگنے کا نمبر نکل آیا اس نے چند لمحے کی مہلت مانگی اور وضو کر کے دو گنا شروع کیا اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے کہ

”اے رب کریم تو وسیع رحمتوں کا مالک ہے یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ ہم



امام طبری

تیری ذات کو چھوڑ کر غیروں سے حاجت روائی کی التجا کریں؟ اے کریم تو ہمیں رسوائی سے بچا۔“

چنانچہ ابھی اس نے دُعا ختم ہی کی تھی کہ غریبوں میں وظائف اور صدقات تقسیم کرنے والوں کی سرکاری ٹیم پہنچ گئی جس نے اتنا بے انتہا پیسہ اور مال دیا کہ انہیں درپوزہ گری کا دل میں خیال ہی نہیں آیا۔ یہ تھے ہمارے ممدوح امام محمد بن جریر طبری جو علم کے لحاظ سے بڑے مالدار اور پیسے کے لحاظ سے مفلس ترین انسان تھے۔

طبری کے بارے میں امام محی الدین تمنا عمادی (1971م) نے شدید تنقیدات کیں اور شیعہ ثابت کیا ہے لیکن میرا نقطہ نظر اپنے ہم سفر ناقدوں سے مختلف رہا ہے میرے نزدیک کوئی صاحب کسی بھی مدرسہ فکر سے وابستہ رہ کر ایک گونہ اطمینان محسوس کرتے ہیں تو بہ صد شوق کریں۔ لیکن اگر اپنے اقوال اور تحریروں میں 5% فی صد تک بھی قرآن کی حمایت کرتا اور عصمت نبی میں واضح مسلک رکھتا ہے تو اُسے قرآنی دانشوروں کے زمرے میں شامل کرنا چاہئے بلکہ ارشاد ہے کہ لا یجوز منکم شنان قوم علیے ان لا تعدلوا۔ اعدلوا۔ اگر کسی مخالف کے منہ سے کلمہ حق نکلا ہے تو انصاف یہ ہے کہ یہ انصاف اسی کے نام سے ذکر کیا جائے۔ اس اصول کے مطابق ابن جریر طبری کی ایک دو باتیں ذکر کروں گا تاکہ ان کے عقلی مذہب کا احساس کیا جاسکے۔

عقلیت پسندوں کا استیصال کرنے کے لئے امام احمد بن حنبل بطور خاص آلہ کار بنے ہوئے تھے ابھی آپ کا کفن بھی میلا نہیں ہوا تھا کہ بغداد مکمل طور پر حنبلیوں اور سلفیوں کے استعلاء میں چلا گیا تھا ان ہی دنوں ابن جریر طبری بغداد میں وارد ہوئے تو انہیں قرآن سے معلوم ہوا کہ ابن حنبل محدث تھے فقیہ نہ تھے یعنی وہ اللہ کی صفات میں تاویل۔ یا توجیہ کو جرم سمجھتے تھے ان کا مذہب تھا کہ الرحمن علی العرش استوی (طہ، 5) میں عرش سے یہی کری نما تخت مراد ہے جو کارپٹر سے بنا کر ہم آرام سے بیٹھتے ہیں بلکہ ابن تیمیہ استواء کی تفہیم میں تخت سے اتر کر پھر بیٹھ جاتے اور کہتے کہ اسی طرح اللہ سبحانہ اترتے اور چڑھتے رہتے ہیں۔ اسی طرح حنبلیوں اور داؤد ظاہری (۔۔) کے مسلک میں اللہ کی تزیینہ و تقدیس کا پتہ نہیں چلتا۔ ایسے ہی حالات میں ابن جریر طبری بغداد کی جامع مسجد میں صلاۃ الجمعہ قائم کرنے کے لئے گئے۔ آپ کو حنبلیوں نے گھیرے میں لے کر امام احمد کے بارے میں سوال کیا آپ چونکہ جری اور ہڈ رتھے فرمایا۔ احمد بن حنبل فلا یعد خلافا۔ احمد بن حنبل کے خلاف کچھ کہنے میں مضائقہ نہیں ہے اس پر انہوں نے اللہ کے ساتھ عرش پر بیٹھنے کی بات چلائی۔ ابن جریر نے کہا یہ بحال ہے اور یہ شعر پڑھا۔

سبحان من ليس له انيس

وليس له في عرشه جليس

اس کا مفہوم ہے کہ

”پاک ہے وہ ذات جس کا کوئی مونس و ہمد نہیں ہے اور نہ ہی اسکے

عرش (حکمرانی) پر کوئی بیٹھ سکتا ہے۔“

بس یہ کہنا تھا کہ حنابلہ اور اصحاب الحدیث کے ہاتھوں معقولیت کا دامن چھوٹ گیا اور ہزاروں لوگ ان پر جھپٹ پڑے۔ اور اتنی سنگباری کی کہ دروازے کے آگے پتھروں کا ٹیلہ بن گیا۔ ابن جریر میں یہ جرأت اور بے باکی علم اور عقل نے پیدا کی تھی آپ نے لغت کا علم اپنے دور کے سب سے بڑی لغوی شناور امام ثعلب (904) اور علم نحو امام مبرد (898) اور امام زجاج (924) سے حاصل کیا تھا جو اپنے عہد کے نابغہ تھے اور علوم عقلیہ کے بڑے شہسوار۔ غرض امام طبری جو کچھ تھے عقلیات کے علمبردار تھے آیات۔ اللہ یستہزی بہم (بقرہ، 15) یخادعون اللہ وھو خادعہم (نساء، 141) اور۔ نسو اللہ فنیسہم (توبہ، 68) واللہ خیر الماکرین (عران، 24) کی لغت ادب اور اصناف سخن کی مراعات سے تشریح فرماتے تھے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر طبری دارالمعارف مصر جلد 303/1_304_ بہ تحقیق احمد شاکر)۔ اسکے باوجود کہ طبری اپنے مفہوم میں پیچیدگی سے گریزاں تھے بعض جزائیہ فقرہوں کو اتنا کھینچ لے جاتے تھے کہ کئی کئی سطروں کے بعد۔ جاکر ”جزاء“ معلوم ہوتی۔

ابن جریر کی دل میں چھپنے والی باتیں بھی ہیں کہ وہ صرف ”سند“ کے سہارے سید البشر کے حضرت زہب سے معاشقہ کو صحیح ٹھہراتے ہیں جبکہ یہ انتہا درجہ جھوٹی روایت ہے اور تعجب ہے کہ گروہ ”مکھی“ ماراں آج بھی اس کو جوں کا توں قبول کئے ہوئے ہے۔ ابن کثیر نے اس روایت کو ”بیاری بڑ“ کہہ کر بالکل مسترد کر دیا ہے جسکے بعد ہی اس پر تنقید کی ریت پڑ گئی۔ ابن جریر نے شادی نہیں کی تھی کتابوں سے رشتہ استوار کر رکھا تھا ربیع بن سلیمان کے ہاں رہائش تھی ایک بار ربیع نے شادی کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا۔ لا ولدلی وما حللت سراویل علی حرام ولا حلال قط۔

میری کوئی اولاد نہیں میں نے حرام (زنا) کے لئے ازار بند کھولا اور نہ حلال (نکاح) کے لئے۔



قرآنی دانشوروں میں امام ابو مسلم محمد بن بحر الاصفہانی (934م) قد آور دانشور تھے۔ تمام اصنافِ علم کے عالم تھے شاعر تھے ادیب تھے اور الفاظ کے مزاج سے معانی کشید کرتے تھے۔ خلیفہ مقتد عباسی (---) کی جانب سے بلاؤ فارس اور اصفہان کے گورنر بھی تھے یعنی کہ 321 ہجری تک حکمران بھی تھے اس کے بعد بنی بویہ نے بغاوت کر کے اصفہان پر قبضہ کیا تو آپ حکومت سے علیحدہ ہو گئے۔ (ارشاد الاریب طبع مصر 420/6)

زر کلی لکھتے ہیں معتزلی من کبار الکتاب کان عالما من صنوف العلم وله شعر.... من

کتبه: جامع التاویل، فی التفسیر اربعة عشر مجلدا

معتزلی تھے اونچے درجے کے رائٹر تھے تمام اصنافِ علم کے سکا کرتے اور شاعر بھی تھے..... کتابوں میں انکی تفسیر ”جامع التاویل“۔ جو چودہ 14 جلدوں میں مکمل ہوئی مشہور ہے۔ امام رازی نے (12) اس تفسیر سے کثرت سے حوالے دیئے اور دفاع اسلام میں بھرپور مدد دی ہے۔

(زر کلی طبع مصر 273/5 بحوالہ ارشاد الاریب 420/6)



الخجندی

126

ابوالحسن الخجندی (KHUJANDDI) بڑے عالم باعمل تھے۔ عدل اور توحید کا عقیدہ رکھتے تھے کتاب ”اللطیف“ الملاء لکھی تھی اور کسی کو دکھلانے سے گریز کرتے تھے لوگوں نے ان کے استاد ابوعلی سے شکایت کی۔ تو اللطیف۔ دوبارہ لکھ دی۔ نویں طبقے سے تھے۔ (ط۔ م صفحہ 101)



قرمیسینی

127

ابوحفص القرمیسینی۔ علم الکلام میں بڑے امام تھے قاضی کہتے ہیں میں نے ”البقاء“ کے موضوع پر اس کی تحریر پڑھی تھی بڑی جاندار تھی وہ ہمارے ہی مشائخ کی طرح ملائکہ اور جن کے بارے میں خیالات رکھتے تھے۔ نویں طبقے میں سے تھے۔ (ط۔ م صفحہ 101)



النقاش

128

ابو مسلم القفاش کا زبیری گروپ سے تعلق تھا۔ دین اور فضیلت میں خاص مقام رکھتے تھے دار۔ بدر کے امیر کی طرف سے ایک انگشتی بھیجی گئی تاکہ اسکی نقاشی کر کے خوبصورت نگینہ جڑ دیں لیکن القفاش نے انکار کر دیا۔ امیر کے ملازم نے کہا اگر اجرت زیادہ چاہتے ہو تو اضافہ کئے دیتے ہیں۔ اور پھر اضافہ کرتے کرتے سو دینار تک اضافہ کرو یا مگر نقاش نے انکار جاری رکھا۔ اس پر اندرون خانہ سے آواز آئی کہ ہم فاقوں مر رہے ہیں تم ہو کہ نگینہ جڑ دینے کا اتنا معاوضہ بھی مسترد کر رہے ہو۔ اس کے بعد ہوا یہ کہ ایک تاجر آیا اور انگشتی پر نقاشی اور جڑائی کے دس درہم دے کر چلا گیا۔ نقاش وہ مبلغ لے کر اندرون خانہ چلے گئے اور دس درہم کو ان کے منہ پر دے مارا اور کہا کہ میں نے چالیس سال تک کوشش کی کہ تمہیں حرام نہیں کھاؤں گا مگر تم ہو کہ حرام خوری پر مصر رہے۔ بھلا جو امیر دس چاندی کے درہم کی بجائے سو دینار سونے کے دے رہا ہے اس کی کمائی کیا حلال کی ہوگی؟۔ اللہ اللہ۔ اس دنیا میں اللہ کے ایسے بندے بھی ہو گئے رہے ہیں۔ نویں طبقے سے تھے۔ (ط۔ م صفحہ 103)



ابن السقطی

129

ابو الحسن بن النباب عسکر کا رہنے والا تھا ابن السقطی کے نام سے مشہور تھا۔ معتزلی تھا ابو علی جبائی کے جاں نثاروں میں سے نویں طبقے سے وابستہ تھا۔ ❖ (ط۔ م صفحہ 98)

الصالحی

130

ابو الحسن الصالحی محمد بن مسلم عظیم القدر معتزلی تھے علم کلام میں اپنی مثال آپ تھے مرجیہ کے لئے بھی نرم گوشہ رکھتے تھے۔ ❖ (ط۔ م صفحہ 72)

زفرویہ

131

ابو الحسن بن زفرویہ کی بابت قاضی کہتے تھے کہ اس کا دین کے بارے میں بڑا مقام تھا جس سے ہر شخص مستفید ہوتا تھا بصرے کے سرسبز اور گھلے باغات میں رہتے اور وہیں پر تدریس کا کام کرتے تھے جس کی وجہ سے ساتھیوں اور شاگردوں میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ ادب، شعر اور مردم شناسی میں بڑا درک تھا۔ ابو علی کے شاگرد تھے عبدالسلام جبائی کے مداح تھے۔ ❖ (ط۔ م صفحہ 100)

المقاصی

132

ابوبکر محمد بن ابراہیم المقاسمی الرازی - 9 ویں طبقے سے تھے یہ بلند پایہ علماء میں سے اگرچہ نہیں تھے۔ تاہم اصفہان میں ان کے شاگردوں کی تعداد کسی بڑے سے بڑے عالم کے شاگردوں سے کم نہ تھی۔ اعتراض کے مبلغ تھے۔ (ط - م صفحہ 102)



ابو القاسم البلخی (931م)

133

امام ابو القاسم البلخی (931م) عبد اللہ بن احمد بن محمود الکلبی - کے بارے میں لکھا ہے کہ ابو القاسم احمد ائمة المعتز لہ۔ ابو القاسم بلخی معتزلہ کے نامور اماموں میں سے تھے۔

(تذکرہ الحفاظ 232/2 - تہذیب ابن عساکر 287/7)

خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ بلخی نے اپنے نظریے کے اثبات میں بہت کچھ لکھا ہے بغداد میں ان کی کلامی تحریک بڑی پذیرائی ہوئی اور لوگوں نے جی بھر کر لطف اٹھایا۔ آپ قرآن کی علی الاطلاق حاکمیت کے قائل تھے اور لطف یہ کہ ساتھ ہی اہل الحدیث بھی تھے۔ بلکہ مشہور ہے کہ تین اشخاص اہل الحدیث بھی تھے اور ہا کمال معتزلی بھی ان میں ہمارے مدوح ابو القاسم البلخی (931م) قاضی القضاہ عبد الجبار الہمدانی (1025م) اور ابن یزید (1067م) بھی تھے۔ (طبقات المعتزلہ صفحہ 133)



ابو ہاشم جبائی صغیر (933م)

134

امام محمد بن عبد الوہاب کی طرح ان کے بیٹے ابو ہاشم عبد السلام بن محمد (933م) بھی بیشمار خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے جب یہ پیدا ہوئے تو باپ نے کہا رزقت ولد ابیخرج من فکیہ کلام الانبیاء۔ اللہ نے مجھے ایسا بیٹا عطا فرمایا ہے جس کے جبروں سے پیغمبروں کا کلام نکلے گا۔ (طبقات المعتزلہ صفحہ 94) جبائی صغیر اپنے باپ ہی کی طرح حسن اور فطانت سے لیس تھے اور بڑے ہو کر باپ ہی کی طرح بڑے دانشور بن کر نمودار ہوئے۔ ابو الحسن کہتے تھے کہ عبد السلام علم کی جن بلندیوں پر پہنچے تھے دوسرا کوئی نہیں پہنچا۔ وہ علم کے اتنے حریص تھے کہ سوالات کے ذریعہ اپنے ابو کو پریشان کئے رہتے تھے۔ سارا دن علمی سوالات کی بوچھاڑ رہتی جو بات حاصل کئے بغیر ملنے کا نام نہ لیتے پھر بھی کوئی بات رہ جاتی تو چپکے سے اپنے ابو کے کمرے میں گھس جاتے اور کھڑے ہو کر سوالات شروع کر دیتے۔ باپ تھک کر منہ پھیر لیتے تو سونے نہ دیتے۔ اب جس انسان

کے حصولِ علم کا یہ حال ہو وہ کیوں نہ آنے والے وقت میں اپنے ہم عصروں پر فائق ہو۔

(طبقات صفحہ 94 مقریزی 348/2. تاریخ بغداد 5/11. وفیات الاعیان 292/1)



مکحول بیروتی (933م)

135

اپنے عہد کے بلند قامت عالم اور اعتزال کی آبیاری کرنے والے۔ عالم بے بدل۔ امام مکحول بن عبد اللہ بیروتی (933م) کا نام روشن ملے گا۔ مجرہ یعنی سلفی سنی کہتے تھے کہ۔ ہم نے معتزلہ میں حسن بصری اور مکحول سے بڑا عالم نہیں پایا۔ (طہ صفحہ 41۔ تذکرۃ الحفاظ 37/3. شذرات الذهب 291/2)



الاحشید (936م)

136

احمد بن علی بن معجور ابوبکر۔ الاحشید (936م) بڑے عالم تھے، فصیح تھے، بلیغ تھے روماء المعتزلہ میں شمار ہوتے تھے عربی ادب اور فقہ اسلامی کے ماہر تھے۔ مرزبانی کا کہنا ہے کہ۔ ابوبکر الاحشید او۔ ابوبکر بن الخنم۔ دونوں معتزلہ کے آخری بزرگ تھے جو ہمارے مشاہدے میں آئے۔ دونوں ہی عزت اور وقار سے دیکھے جاتے اور بغداد کے معتزلہ میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ خلق خدا نے ان کی علییت سے بے پناہ استفادہ کیا۔ (لسان المیزان 231/1)



امام ابو الحسن اشعری (936م)

137

امام علی بن اسماعیل اسحاق ابو الحسن اشعری (936م)۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی نسل سے تھے عالم تھے مجتہد تھے مذہب اشعری کے بانی تھے ابتداء میں معتزلہ کے بڑے امام تھے تمام علوم خاص کر علم کلام معتزلہ ہی سے حاصل کیا تھا قصہ مختصر کہ درس گاہ معتزلہ کے فارغ التحصیل عالم تھے اعتزال ہی آپ کا پسندیدہ عقیدہ تھا۔ لیکن پھر ایسا ہوا کہ سلفیت ہی کو آپ نے اوڑھنا بچھونا بنا کر عقلیت کو خیر باد کہہ دیا تاہم اتنا بھی خیر باد نہیں کہ ابن الرواحی کی طرح شدید رد عمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود قرآن ہی کو ٹارگٹ بنایا ہوا اور پھر واپسی کا دروازہ ہی بند کر دیا ہو۔ کیونکہ سنیوں کا امام ہوتے ہوئے بھی جہاں کہیں وحی قرآن اور اسکی مبادیات پر اعتراض اٹھا آپ نے روایات اور نقل کا سہارا لئے بغیر ہی عقل کی حکمرانی اور دفاع کے متبادل طریقوں کو حکم بنا کر جو بات عنایت



امام ابو الحسن اشعري

فرمائے۔ بلکہ آپ کی دو کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ معتزلہ کو شدید تنقیدات کا نشانہ بنانے کے باوصف ”الرد علی المجسمہ“ لکھ کر سلفیوں اور اہلحدیثوں کو پوری توانائی سے دیوبج لیا ہے کہ اللہ کا کوئی جسم نہیں۔ جسم کے اعضاء نہیں۔ ہاتھ اور چہرہ کا ذکر ہے تو حقیقی رنگ میں نہیں عرب کے وسیع تر محاورات میں ان کے پاکیزہ مفہیم موجود ہیں۔ یہاں تنزیہ و تقدیس کو ملحوظ رکھ کر روایات کو مسترد کیا جاسکتا ہے اسی طرح آپ عرصہ دراز تک اشعری بھی رہے اور لغت، ادب، محاورات عرب اور عقلیات کے تناظر میں قرآن کا دفاع بھی کرتے رہے تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ سلفیوں نے صفات کے بارے میں آپ کی پرانی اور نئی رائے کو تسلیم نہیں کیا اور اشعری کے درمیانے اور عبوری دور کے عقائد جو روایات سے ماخوذ تھے انہیں ہی پرنسپل بنا کر ڈٹے رہے حالانکہ دور انتقال پر رک جانے سے بہتر تھا کہ آپ کی آخری پالیسی کو ملحوظ رکھا جاتا۔ کیونکہ حالات کے جبر نے آپ کو پھر سے قرآن کا حلیف بننے پر آمادہ کر لیا تھا اس ضمن میں آپ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”مقالات الاسلامیین“ لکھ کر واضح کیا تھا کہ دفاع قرآن اور صفات باری کے لئے عقلیات کی چھتری تلے آنا ضروری ہے۔ عہد حاضر کے سکالر اور مؤرخ۔ قاہرہ یونیورسٹی میں قانون کے پروفیسر ابو زہرہ۔ اشعری کے بارے میں اپنا اور علماء کا متفقہ موقف پیش کرتے ہیں کہ بسلاً بالاعتزال ثم مال الی اهل السنة ولكن ابقی علی اسلوب المعتزلہ فی الجدل

اعتزال سے کام کا آغاز کیا پھر سنی بن گئے اس کے باوصف دفاع

قرآن اور دفاع اسلام کے لئے وہی اسلوب اختیار کیا جو معتزلہ کا تھا۔

(العربی الکویت)

اور غالباً یہی وجہ ہے کہ آپ کے سب سے بڑے معتقد امام فخر الدین رازی نے اشعری ہونے کے باوصف آپ کے پہلے اور آخری دور کی کمویحات اور توضیحات کو وسیلہ فلاح بنایا تھا۔ کیونکہ اب آپ نہ معتزلی تھے اور نہ اشعری۔ معتزلی بن چکے تھے۔

(طبقات الشافعیہ 245/2۔ البدایہ والنہایہ 187/11۔ دائرة المعارف الاسلامیہ 218/2)



یحییٰ بن منجم (937م)

138

منجم قبلی کے دوسرے چشم و چراغ اور بغداد کے بڑے علمی خاندان کے ممبر ابو الحسن احمد بن یحییٰ بن علی

الختم (937م) بغداد کے بڑے معتزلہ میں سے تھے۔ مشائخ میں فاضل بھی ہوئے اور وجہ و نمیل بھی لیکن وہ کسی بھی حیثیت سے منجم ہذا کے درجہ کے نہیں تھے ستر سال کی عمر میں فوت ہوئے۔



ابوبکر ابن مجاہد (939م)

139

احمد بن موسیٰ بن العباس الشیبی ابوبکر بن مجاہد (939م) اپنے عہد کے بڑے قاری اور عالم تھے تنزیہی عقیدہ رکھتے تھے معتزلہ تھے (طبقات ص 108) فطین تھے سناوت کے دھنی تھے پاکیزہ سیرت و پاکیزہ کردار تھے۔ (ابن الندیم 31/1)



العبدکی

140

ابو محمد العبدکی۔ ابو ہاشم عبدالسلام 933 کے شاگرد تھے اس نے بہت سی باتیں حفظ کر لی تھیں اور دعویٰ تھا کہ ان کا مولف ہے خراسان پہنچے تو ابو القاسم کی مجلس میں جانے لگے۔ یہاں بہت سی باتیں جو اسکے خیال میں رُجوع کرنے کے قابل تھیں رُجوع کر لیں۔ اس سے بڑی نیک نامی کمائی۔ ابو القاسم اس کا احترام کرتے تھے اور ابوہل محمد بن عبداللہ کو لکھا کہ میرے پاس ایک نوجوان ہے جسے ابن عبدک کہاجاتا ہے بڑا ہی ذہین ہے اس کی ایک کتاب ہے جو نہایت باریک مسائل پر مشتمل ہے۔ یہ عبدکی دسویں طبقے سے تھا۔ (ط۔ م صفحہ 109)



جمل عائشہ

141

ابوبکر البخاری دسویں طبقے سے تھے۔ جمل عائشہ کے لقب سے شہرت رکھتے تھے۔ کیونکہ آپ صدیقہ عظمیٰ کا بیحد احترام کرتے تھے ابو ہاشم جہانی صغیر (933) سے کلام اور ابو الحسن سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ بیحد صاحب علم تھے۔ (ط۔ م صفحہ 109)



الخالدی

142

ابو الطیب محمد بن ابراہیم بن شہاب الخالیدی دسویں طبقے سے تعلق رکھتے تھے مرجیہ کے لئے نرم گوشہ رکھتے تھے فقیہ تھے، متکلم تھے۔ معتزلی تھے۔ البرزعی (961م) کے شاگرد تھے بغدادی مسلک کے معتزلی تھے

بصرے کے معزیوں کو اچھا نہیں سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ ابو ہاشم (۹۳۳م) پر تنقید کرتے تھے۔ (ط۔م صفحہ ۱۱۰)



حسین بن علی بصری

143

الشیخ المرشد ابو عبد اللہ الحسین بن علی وسویں طبقے سے تھے ابو علی الخلالہ کے شاگرد تھے علم کے حریص تھے اپنی محنت اور لگن سے ابو ہاشم (۹۳۳م) کے شاگردوں میں سے بہت آگے نکل گئے تھے فقہ ابو الحسن (۹۵۲م) سے حاصل کی تھی بغداد میں افلاس و تنگدستی میں دن بسر ہو رہے تھے علم الکلام میں اتنے فائق تھے کہ ان کے اپنے استاد ابو الحسن بھی ان سے رجوع کرتے تھے، ورع اور تقویٰ اور پاکیزگی پسند اتنے کہ طہارت کو وہم کی حد تک اپنائے ہوئے تھے، بیت الخلاء کے لئے جوتی الگ ہوتی تھی، وضو کے لئے الگ اور عام استعمال کے لئے الگ، ایک دفعہ — عضد الدولہ — نے خاص کھانا تیار کرا کے بھجوا دیا آپ نے ایک لقمہ تک نہیں لیا واپس بھجوا دیا اور سادہ کھانا کھا کر گزارہ کر لیا۔ (ط۔م صفحہ ۱۰۵)



ابوبکر زبیری

144

حضرت زبیر بن عوام پاکیزہ گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ طلب جاہ سے دور بھاگتے تھے جناب ابوبکر محمد بن ابراہیم الزبیری اسی خانوادے سے نسبی تعلق رکھتے تھے انہوں نے مشکل اور آسان تقریباً ۳۳ کتابیں دفاع قرآن میں لکھیں۔ آپ نے وقت کے بڑے منکر قرآن ابن راوندی کے خلاف چار کتابیں لکھیں۔ اصفہان میں رہائش تھی۔ سلطان اعظم نے حسب رتبہ نوازا۔ اصفہان کی جامع مسجد میں ہر وقت ہزار آدمی جمع رہتے اور آپ کی تعلیمات سے مستفید ہوتے رہتے۔ وہ ہمیشہ دعا کرتے کہ انہیں ”نایافت“ کی موت نصیب نہ ہو کسی کا دینا نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ جو لوگ ان سے گھر پر ملنے جاتے (آخری عمر میں)۔ ان کا اندازہ ہے کہ گھر میں تمام اثاثہ چند نکلوں سے زیادہ نہیں تھا۔ قاضی عبد الجبار کا کہنا ہے کہ۔ اس نے ابوبکر زبیری کی دختر کو جبکہ وہ عمر رسیدہ ہو چکی تھیں دیکھا تھا۔ وہی اپنے باپ کی چال ڈھال نہ گھر میں حسب منشا اثاثہ نہ دیگر ٹھاث باٹ۔ قرآنیات میں ابو الہذیل علاف کا طریق استدلال پسند تھا۔

دوستو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے نام پر کوئی دکان قائم ہوئی نہ روحانی ٹھکانہ لگا و نہ تو زبیری فیلی کا کوئی بھی فرد جہاں کہیں ہوتا خوشحال اور مالدار ہوتا۔



ابو عمران السیرانی

145

ایک اور سیرانی ابو عمران کے کنبہ سے مشہور تھے امام احمد بن حنبل نے اسے توحید اور عدل کے راہواروں میں شمار کیا ہے ابو ہاشم جبائی صغیر کے شاگردوں میں تھے۔ بعد میں ابو بکر الاشید (946م) کے ساتھیوں میں شامل ہو گئے عقیدہ اعتزال کے مؤمن تھے جنہیں مخالفوں نے بڑی اذیتیں دے رکھی تھیں۔

(طبقات احمد بن حنبل صفحہ 108)



ابو الحسن عبید اللہ الکرخی (952م)

146

متاخرین فقہائے احناف میں سے ابو الحسن الکرخی (952م) بلاشبہ قد آور احناف میں سے تھے لکھا ہے انتہت الیہ ریاستہ الحنفیۃ بالعراق۔ عراق میں حنفیت کی سلطانی آپ کی ذات پر منتہی سمجھی جاتی ہے آپ نے اصول کے باب میں ایک رسالہ تصنیف کیا جس پر حنفیت کے فروعات کی تکفیل ہوئی ہے۔ (الفوائد الیہ 107) آپ اپنے عہد کے مسلم پیشوا اور راسخ العقیدہ حنفی تھے۔ لکھتے ہیں کہ۔ ہر وہ آیت جو اس طریقہ کے مخالف ہو جس پر ہمارے اصحاب ہیں وہ یا تو مؤول ہے یا منسوخ ہے!

(تاریخ فقہ اسلامی ترجمہ عبدالسلام ندوی طبع اعظم گڑھ صفحہ 421 سطر 12 تا 13)

اس طرح گویا انہوں نے حنفیہ کو جمود کی نذر کیا اور اہلحدیث کی طرح قرآن کو سپریم لاء تسلیم نہیں کیا تاہم عقائد کے باب میں وہ حنفیت سے مطمئن نہیں تھا۔ ان کا علم اور زہد۔ عقیدہ ”توحید“ میں رسوخ کی ضمانت فراہم کرتا ہے بلاشبہ وہ علمی دنیا میں بلند مقام پر فائز تھے شیخ ابو عبد اللہ سے علم کلام حاصل کیا اور پھر اسی پر قائم رہے آپ کا یہ معمول تھا کہ۔ کان ابو الحسن لا یدخل منزلاً فیہ مصحف علی غیر طہارۃ اعظامالہ

جس گھر میں مصحف مجید رکھا ہوتا اس میں بغیر وضو کے داخل نہ ہوتے۔

(طبقات المعترزلہ صفحہ 8/130)



ابو القاسم تنوخی کبیر (953م)

147

مجتہد علی الاطلاق۔ صاحب فہم و فراست علی بن محمد بن ابو الفہم داؤد بن ابراہیم بن تمیم ابو القاسم تنوخی کبیر (953م) قاضی تھے۔ ادیب تھے، شاعر تھے معتزلہ کے اصولوں کے راہبر تھے فقہ حنفی میں امتیاز حاصل کر

رکھا تھا زبردست فقیہ تھے بایں ہمہ اعتزال ان کے رگ وریشہ میں سایا ہوا تھا۔ زمانہ دراز تک بغداد میں رہے۔ وزیر علی کے خاص ندیموں میں سے تھے۔ بصرہ اور ابواز کے قاضی رہے۔ تنوخ اور قضاء والوں کو آپ پرناز تھا۔ (وفیات الاعیان طبع مصر جلد 1/353۔ تاریخ بغداد 12/77۔ الفوائد البہیة صفحہ 137)



مسعودی (957م)

148

تاریخ، اخلاقیات، مذہب اور ثقافت میں اپنا مقام پیدا کرنے اور حقیقت آفرینی کی صلاحیتوں کا لوہا منوانے والوں میں علی بن الحسین بن علی ابوالحسن مسعودی (957م) کا نام ہمیشہ اونچا رہے گا۔ ان کی بابت امام ذہبی لکھتے ہیں عدادہ فی اہل بغداد۔ نزل مصر مدة وکان معتزلیا

ان کا شمار اہل بغداد میں ہوتا ہے مصر میں کافی عرصہ رہے عقائد میں یکے

معتزلی تھے۔ (تذکرہ الحفاظ 70/3-220)

مسعودی کی کتابیں مسلمان اور یورپ والے یکساں طور پر پڑھتے اور اپنی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں بلکہ مغرب میں بجا طور پر آپ کو عربوں کا ”ہیروڈیٹ“ پکارتے ہیں۔

(العرب والروم صفحہ 283) فوات الوفیات 2/45۔ لسان المیزان 4/224۔ تذکرہ الحفاظ 70/3



العسالی (960م)

149

ابو عثمان محمد بن احمد بن ابراہیم الاصفہانی۔ العسالی (960م)۔ دینی علوم کی ”پہچان“ تھے سب سے پیش پیش تھے اس کی بابت قاضی کا کہنا ہے کہ اس کا گھر صاحبان علم و فضل کا مرکز بنا ہوا تھا وقت کے بڑے بڑے فضلا مثلاً ابوالقاسم بلخی (931م) اور ابوبکر زبیری (۔۔۔) جیسے قد آور علماء کا جگہ گھٹا رہتا تھا۔ اس کے باوصف خود عسالی علمی مشاغل میں اس قدر مصروف رہتا تھا کہ کسی کو وقت نہ دے سکتا تھا۔ ادھر اصفہان پر آپ کی حاکمانہ حیثیت بھی تھی لوگوں سے سال میں صرف ایک مرتبہ اور وہ بھی اپنے خاندان والوں سے ملنے کے لئے نکلتے تھے جس سے لوگوں میں بے چینی راہ پاگئی۔ 9 ویں طبقے سے تھے۔

(ط۔ م صفحہ 102- اخبار اصفہان 2/283- سیر اعلام النبلاء طبقہ نمبر 20)





مسعودی

ابوالحسن البرزعی (961م)

150

فاضلان علم و ادب اور دانشوران قرآن میں ابوالحسن احمد بن عمر بن عبدالرحمان البرزعی (961م) ایک روشن حوالہ ہے۔ بغداد کے علمی حلقوں میں نہایت احترام سے آپ کا نام لیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ ابوالعباس حلبی نے برزعی سے دریافت کیا کہ۔ فعل سے پہلے استطاعت کے ہونے پر آپ کے پاس کون سی دلیل ہے؟ برزعی نے فرمایا۔ اللہ کا یہ قول ہماری دلیل ہے۔ قال عفریت من الجن انا آتیک به قبل ان تقوم من مقامک و انی علیہ لقوی امین۔

سلیمانؑ سے عفریت نے کہا کہ۔ میں اتنی دیر میں کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوں اس کا تخت لاسکتا ہوں! اور میں کہہ سکتا ہوں کہ مجھ میں اتنی سکت (نمل، 39) ہے۔

اس طرح اس آیت میں اللہ نے خبر دی ہے کہ عفریت میں۔ عمل (فعل) سے پہلے۔ سکت موجود تھی۔ اس پر حلبی نے کہا۔ یہ جھوٹ ہے بالکل جھوٹ۔ عفریت کا جھوٹ ہے جو ناقابل قبول ہے اس سے بڑا جھوٹ معتزلہ کی تصدیق ہے اس پر امام برزعی نے فرمایا۔ اللہ کی تصدیق اور۔ سلیمان کے تسلیم کرنے کو جھوٹ کہنے کی آپ نے جرأت کیسے کی؟ معتزلہ دشمنی کے معنی یہ تو نہیں کہ آپ کو سب کچھ کہہ ڈالنے کا پروا نہ مل گیا ہے۔ جب عفریت کی بات سن کر اللہ نے نہیں جھٹلائی۔ اور سلیمان نے انکار نہیں کیا؟ تو جھوٹ کیسے ٹھیری؟ اللہ نے دیگر مقامات پر بھی فعل سے پہلے۔ استطاعت کی خبر دی ہے مثلاً فرمایا لو استطعنا لخرجنا معکم اگر ہم میں استطاعت ہوتی تو ہم (عملی طور) پر تمہارے ساتھ نکل آتے۔ (التوبہ، 37)

پھر دوسرے مقام پر فرمایا و انہم لسکاذبون (انعام 28۔ مؤمنون، 90۔ صافات، 152)۔ تو تمہاری یہ جسارت کہ تمکذیب کا تیر ہر جگہ چلائے جاؤ جبکہ اللہ نے تمکذیب کا اشارہ تک نہیں کیا۔ جبکہ تم نے اس کا انکار کیا جس کا انکار سلیمان نے بھی نہیں کیا؟ اس پر حلبی خاموش ہو گیا اور پھر بولنے کی جسارت نہیں کی۔ (طبقات صفحہ 90، صفحہ 91) ابن الندیم۔ کہتے ہیں کہ میں نے 340 ہجری میں برزعی کو دیکھا تھا انہیں مجھ سے پیار ہو گیا تھا۔ متعہ کے خلاف ان کی کتاب نے بڑی شہرت پائی تھی۔

(الفہرست ابن الندیم طبع مصر صفحہ 237) ❀

ابو الطیب (961م)

151

ابراہیم بن محمد بن شہاب ابو الطیب (961م) بغداد کے بڑے علماء میں شمار ہوتے تھے علم کلام آپ کا پسندیدہ موضوع تھا۔ علماء سے ان کے مناظرے اور مباحثے مشہور ہیں۔ (ابن النديم مقالہ الخامة)



یوسف (975م)

152

یوسف بن الحسن بن عبد اللہ اپنے والد حسن بن عبد اللہ کی طرح قافلہ فکر قرآنی کے راہی تھے ان کے والد نے لغت میں ایک مبسوط کتاب لکھی تھی جو نامکمل تھی یوسف نے اسے مکمل کر لیا تھا۔ (الوفیات، 350/2)



ابو الجیش بلخی (977م)

153

مظفر بن محمد بن احمد عرف ابو الجیش بلخی (977م) بڑے عالم تھے۔ مناظرے تھے۔ متکلم تھے قدری تھے اور جلد ساز تھے۔ (الذریعہ 507/1۔ جلد 2/236، 237)



السیرانی (979م)

154

قرآنی فکر و دانش کے بڑے راہوار امام حسن بن عبد اللہ بن مرزبان السیرانی (979م) نحو و ادب کے قد آور امام تھے بغداد میں نائب قاضی کے ذمہ دار عہدے پر فائز تھے۔ پاکیزہ کردار (متعففا) تھے۔ ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے کتابت روزی کا ذریعہ تھا۔ عقیدۂ اعتزال کے راسخ شہسوار تھے۔ (تاریخ بغداد 341/7۔ وفیات الاعیان 130/1)



ابو بکر جصاص (980م)

155

ابو بکر رازی احمد بن علی جصاص (980م) قرآن کے بڑے پیروکاروں میں سے تھے۔ حاکم کا کہنا ہے کہ فقہا میں نہ ان سے پہلے اور نہ ان کے بعد ان جیسا فائق گذرا ہے نہ علم میں نہ تقویٰ میں نہ تصنیف میں نہ تحریر

میں۔ قاضی القضاۃ بنائے جانے کی پیشکش ہوئی شان بے نیازی سے ٹھکرادی وہ بہت بڑے صاحب تصانیف تھے وہ لوگوں کو تو حکم دیتے کہ فقہ کی کتابیں لکھیں مگر خود۔ علم کلام کی کتابیں لکھتے اور کہتے تھے کہ۔ علم کلام کی کتابت اور تدوین کے ذریعہ میں قرب الہی کا مستحق بن جاؤں گا۔ کہتے ہیں کہ آپ نے احکام القرآن لکھ کر جہاں احناف کو زندہ جاوید بنادیا وہاں ان کے چہرے پر یہ داغ بھی دھوڈا کہ ان لوگوں کو قرآن نہیں آتا آپ حنفی۔ قدری تھے۔

(الجواهر المضية جلد 84/1)



جُعل. الکاغذی (980م)

156

احسین بن علی بن ابراہیم ابو عبد اللہ عرف ”الجعل“ ایک بڑے قد آور عالم تھے زرکلی لکھتے ہیں۔ فقیہ من شیوخ المعتزلة۔ کان رفیع القدر انتشرت شهرته فی الاصفہاء ولا سیما خراسان فقیہ تھے معتزلہ کے قد آور اور بڑی وجاہت والے شیخ تھے۔ خراسان اور اس کے نواحیات اور بیابانی علاقوں میں خوب نام کمایا۔ ابو حیان کہتے تھے کہ بڑے دل چلے تھے گفتگو کے تمام زاویوں پر حاوی تھے۔ بائیں ہمہ مخالف سے بات کرتے وقت کھلے ظرف کا مظاہرہ نہ کر سکتے تھے۔ قلم کے ذہنی تھے لکھتے جاتے اور تھکتے نہ تھے تدریس میں بے مثل قوت کا اظہار فرماتے تھے۔

(زرکلی 266/2 بحوالہ۔ المنتظم۔ 101/7۔ شذرات الذهب 68/3)



عبد الغفار الفارسی (987م)

157

حسن بن احمد بن عبد الغفار الفارسی (987م) علوم عربیہ کے باکمال راہی تھے۔ التذکرہ کے نام سے بیس جلدوں میں علوم کا تعارف کرایا۔ معتزلی تھے۔

(زرکلی 194/2۔ نیزوفیات الاعیان 131/1۔ انباء الرواة 273/1)



المیزوکی

158

ابو القاسم احمد بن علی المیزوکی منفرد صلاحیتوں کے مالک تھے علم قرآن و دیگر علوم، ادب، لغت کے

ماہر تھے علمی زندگی میں متورع اور پاکیزہ تھے نیشاپور وار دہوئے تو صاحب بن عباد (995م) نے اسے اپنے ہاں بلوانے کی استدعا کی تو اُسے جواب میں منظوم خط لکھا کہ

قل للذی لقب یا لصاحب و لست فیما قلت باللاعیب
تعتمد العدل ولا ترعوی أف لهذا القول من کاذب
و تدعی انک مستبصر یا شاهد ا فی صورة الغائب
عاریت من والیت ان لم اکن منک و من فعلک فی جانب

مفہوم :- جس نے صاحب کے لقب سے شہرت پائی ہے اسے کہہ دو کہ میں فضول بولنے کا عادی نہیں ہوں دکھ تو اس بات کا ہے کہ تم ”عدلی“ ہونے پر یقین کر لینے کے باوصف عدل کی آبیاری سے قاصر ہو۔ تو کیا یہ تمہارا جھوٹا دعویٰ نہیں؟

تم اپنے بارے میں بڑی دیدہ ریزی کا دعویٰ کرتے ہو جبکہ نظر ہمیشہ اس پر رکھتے ہو جو نظر سے غائب ہے یعنی خام خیالی اور سراب پر نظر رکھتے ہو جو حقیقت میں وجود ہی نہیں رکھتے۔

میں تمہاری چاہت سے غرض نہیں رکھتا اگرچہ تمہارے فعل اور عمل سے یکسو بھی نہیں ہوں۔

آپ بارہویں طبقے سے تعلق رکھتے اور بڑے لوگوں کی مدنی اور ہم نشینی سے دور بھاگتے تھے۔

(ط - ص 117-118)



علی الجامع

159

ابوالحسن علی بن عیسیٰ - عرف ”الجامع“ تفسیر اور علم کلام کے بڑے جامع تھے فقہ، حدیث، علوم قرآن، صرف و نحو، لغت اور ادب غرض کہ تمام علوم ان میں جمع ہو گئے تھے وہ ایک معنی میں ”جامع العلوم“ تھے اور بجا طور پر ”علی الجامع“ کے لقب سے شہرت پائی تھی جب صاحب بن عباد (995م) سے کہا گیا تم نے تفسیر کے موضوع پر بھی کچھ لکھا ہے؟ تو جواب میں کہا کہ - علی بن عیسیٰ نے کوئی کسر چھوڑی ہوتی تو میں لکھتا۔ یہ علی الجامع دسویں طبقے سے تھے مالی حیثیت صفر تھی مگر شگدستی میں بھی شان بے اعتنائی و شان کج کلا ہی نمایاں تھی وہ اپنی تفسیر کو بہت بڑے ”بستان“ سے تشبیہ دیتے تھے جس میں سایہ تھا۔ گھاس کے تختے تھے، پودے تھے، پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ نیز ہر فن اور علم سے حصہ وافر پایا تھا۔ سیویہ (779م) کی شرح کی۔ اشید (936م) پر تشریحی نوٹ لکھے۔

(ط - ص 110)



ابو الفضل کشی

160

معتزلہ کے علمائے بارزین میں علامہ امام ابو الفضل الکشی معتزلہ کے نویں طبقے سے تعلق رکھتے تھے ابو علی (916م) کے پسندیدہ شاگرد تھے۔ تین کتابیں لکھیں اور اپنے موضوع کے لحاظ سے تینوں ہی لا جواب اور بے مثل تھیں۔ I. المخلوق II. الاستطاعة III. الارادة اور یہ تینوں مسائل معتزلہ کے بنیادی مسائل ہیں۔

اسماعیل البستی

161

امام ابو القاسم اسماعیل بن احمد البستی نیز ابو علی قاضی محمد بن عبد الجبار (916م) سے منسلک تھے زیدی تھے لیکن عقائد اور کلام میں اپنے استاد ابو علی کی کھل کر حمایت کرتے تھے۔ اور اسی نے معتزلہ کے جانی دشمن قاضی ابو بکر بقلانی سے اعتراف کی حقانیت پر مناظرہ کر کے باقلانی کو شکست سے دوچار کر دیا تھا۔ آپ کا تعلق بھی معتزلہ کے نویں طبقے سے تھا۔

سعید باہلی

162

ابو عمر سعید بن محمد باہلی کی بابت قاضی عبد الجبار البہمدانی (1025م) فرماتے تھے کہ باہلی علم کلام میں یگانہ روزگار تھے۔ شعر۔ اور گزشتہ زمانے کے حالات پر کامل دسترس رکھتے تھے جبائی (916م) کے شاگرد تھے اور جبائی ہی کہتے تھے میرے نزدیک ایسی صلاحیتوں والا آدمی قیامت تک پیدا نہ ہوگا۔ آپ کا تعلق نویں طبقے سے تھا عمر بھر اپنے استاد جبائی کے پاس رہے جب کبھی اپنے گھر والوں سے ”عسکر“ میں ملنے جاتے، پھر سیدھا استاد کے پاس پہنچ جاتے اور کہیں نہ جاتے یہ اپنے استاد ابو علی جبائی کی باتوں کا املا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ۔ ابو علی کے دقیق نکتے اور اس کا تمام کلام جو باہلی نے ڈکٹیت کر رکھا تھا یا دہی کر رکھا تھا۔ لوگوں کو ہمیشہ نرمی اور خوشگوار سے دین کی باتیں سمجھاتا تھا جب سُننے کہ فلاں آدمی باہلی کو بُرا بھلا کہتا ہے تو اس سے نہایت نرمی اور شفقت سے پیش آتے۔

کہتے ہیں کہ باہلی کا ماموں مجبری تھا اس نے محسوس کیا کہ لوگ کہیں اسے باہلی کے مسلک کا تصور نہ کریں۔ بنا بریں اس نے ایک دفعہ اپنے بھانجے باہلی سے کہا کہ۔ آپ جتنا کچھ ہمارے عقیدے کے خلاف عقیدہ رکھیں مگر ہیں تو ہم میں سے؟ لہذا آپ کو چاہئے کہ اپنے خویش و خاندان سے الگ تھلگ نہ ہوں۔ اس پر

ابوالحسن برزعی (961م) نے اس کے ماموں سے کہا کہ اتنا انتقامی لہجہ استعمال کرنے کے بعد بھی آپ اُمید رکھے ہوئے ہیں کہ وہ آسانی سے اپنا مسلک چھوڑ دے گا کتنی غلط اُمید ہے؟ اس پر باہلی کے ماموں نے کہا میں تم سے اُلجھنا نہیں چاہتا یہ ہمارا کتاب ہے اس سے مناظرہ کرلو۔ وہ کتاب دراصل مجرہ کا سردار تھا جس نے فخریتا۔ کلب السنۃ۔ اپنا لقب اختیار کیا تھا۔ اس پر ابوالحسن برزعی نے کہا۔ ہم انسانوں سے بات کر سکتے ہیں کتوں سے نہیں۔ (ط۔م۔ صفحہ 97) معتزلہ کی ضد میں کوئی کتاب بنے خواہ انسان۔ سعید بہر حال یکے مسلمان تھے معتزلی تھے اور قرآنی دانشور تھے ابن عمر لکھتے ہیں۔ من کبار المعتزلہ۔ باہلی قد آور معتزلہ میں سے تھے۔

(لسان المیزان 360/5)



عبد اللہ . الرامهرمزی

163

رامہرمزی جامع مسجد کے امام ابو محمد عبد اللہ بن العباس رامہرمزی امام ابو علی محمد بن عبد الوہاب (916م) کے عقائد کی ہم سفروں میں سے تھے جو گاہے بہ گاہے ان کے پاس پہنچ کر فیضیاب ہوتے تھے قاضی عبد الجبار واقعہ بیان کرتے تھے کہ رامہرمزی کا بڑا علمی مقام تھا اور میں اکثر اس کی مسجد میں جایا کرتا تھا بلکہ میں نے اپنی ضخیم تفسیر ”المغنی“ کی تالیف کی ابتدا بھی اسی مسجد ہی میں کی تھی۔ امام رامہرمزی بلاشبہ عقلیات کے امام تھے معتزلی تھے 9 ویں طبقے سے تعلق تھا بڑے خوشخط تھے۔ (ط۔م۔ صفحہ 98 و صفحہ 90)

عبد اللہ اللباد

164

ابو محمد عبد اللہ بن سعید اللباد معتزلہ کے 12 ویں طبقے سے وابستہ تھے قاضی عبد الجبار (918م) کے ساتھیوں میں سے تھے۔ قاضی نہ ہوتے تو ان کی غیر موجودگی میں درس قرآن بھی وہی دیتے تھے انہوں نے عقلیات کی حمایت میں ”النکت“ جیسی شاہکار کتاب لکھی۔ (ط۔م۔ صفحہ 116)

دُخترِ جبائی

165

شعور اور خرد کی دولت سے صرف مرد ہی مالا مال نہیں ہوئے ان کے پہلو بہ پہلو خواتین بھی عقل و دانش سے حصہ وافر پاتی رہی ہیں ابو علی جبائی کی بیٹی اور ابو ہاشم جبائی کی صغیر کی بہن۔ بڑی عالمہ تھیں علم کے میدان میں بہت آگے تھیں انہوں نے اپنے والد ابو علی سے بہت کچھ سیکھا وہ والد سے جو مسئلہ دریافت کرتیں اس کے جوابات کو ذہن اور حافظہ کا حصہ بنا لیتیں وہ اپنے عہد میں عورتوں کو حسبنا کتاب اللہ کے متن کے مطابق

تیار کرتیں اور نور قرآن سے سب کا سینہ منور کرتیں۔ ❀

قاضی ابو نصر محمد بن سہل

166

قاضی ابو نصر محمد بن محمد بن سہل۔ خراسان اور عراق میں یکساں شہرت رکھتے تھے شیخ ابو حامد اسحاق کے

(ط۔ م صفحہ 130)

❀

شاگرد تھے معتزلی تھے۔

ملاحمی

167

ابو الحسین البصری محمد بن علی۔ اصول فقہ کے بڑے امام تھے ان کے شاگردوں میں محمود بن ملاحمی جو کہ بارہویں طبقے میں سے تھے۔ علمائے متاخرین میں سے تھے بلکہ استاد تھے بہت احترام سے دیکھے جاتے تھے امام یحییٰ بن حمزہ۔ اکثر امامیہ اور مجبرہ میں سے امام فخر رازی اس کی رائے کا احترام کرتے تھے۔

(ط۔ م صفحہ 119)

❀

ابو الحسین الطوائفی

168

ابو الحسین الطوائفی بغداد کے بڑے صاحب علم تھے اصول فقہ کی مبادیات، فروع اور استخراجات کے تمام ”مطائبات“ سے بخوبی آگاہ تھے امام شافعی کے مسلک کے تھے دسویں طبقے سے وابستہ ”عدلی“ تھے۔

(ط۔ م صفحہ 108)

❀

ابو القاسم العامری (991)

169

علم الکلام کے جری مجاہد اور مناظر ابو القاسم العامری (991) سرمن رائے۔ کے باشندے تھے۔ علم کلام کی جوئے رواں تھے ایک بار حبال الرازی (۔۔۔) نے دریافت کیا کہ۔ کیا وجہ ہے کہ آپ قدرت کی تعریف میں کہتے ہیں کہ

”جو تو انائی کسی چیز کو عدم سے نکال کر وجود میں لائے اسی کا نام قدرت

ہے۔“

عامری کہتے ہیں۔ اگر قدرت کی یہ تعریف نہ کی جائے تو یہ قدیم سے متعلق ہو جائے گی۔ اور اللہ کی طرح قدرت بھی جامعہ قدامت میں نمودار ہوگی۔

عامری کی وضاحت پر بات ختم ہو گئی۔
 (طبقات المعتزله صفحہ 102)
 انہوں نے اعتزال کی بابت تفصیلی کتاب لکھی تھی۔ نام تھا ”التقریر۔ لا وجه التقدير“ یہ
 بنیادی طور پر منطق اور فلسفہ یونان کے شارح تھے۔ سن وفات غالباً 991 تھا۔

(ابن مسکویہ 277/6 - ارشاد الاریب 411/1 - معجم الادبار 122/19)



ابو الحسن الرمانی (994م)

170

جنہوں نے قرآن کے پیغام کو اپنے رنگ میں مقبول کیا اور روایات و ملفوظات کی کثافت سے کلام
 خدا کو پاک سمجھا ان میں امام۔ علی بن عیسیٰ بن علی بن عبد اللہ ابو الحسن الرمانی (994م) کا نام نمایاں ملے گا۔ آپ کا
 نحویوں سے تعلق تھا زبردست معتزلی اور برملا دانش قرآن کو فروغ دینے والے عالم تھے آپ نے معتزلہ کے
 استدلال کے بارے میں ”صناعة الاستدلال فی الاعتزال“ کے نام سے سات جلدوں میں ضخیم مجموعہ
 چھوڑا علاوہ ازیں کتاب التفسیر لکھ کر معتزلہ کے خزانہ استدلال کو براہین و دلائل سے مالا مال کر دیا۔



محسن تنوخی (994م)

171

المحسن بن علی بن محمد بن ابی الفہم داؤد التنوخی (994م) بڑے ادیب تھے سخن
 سنج اور وزین الرائے تھے قاضی تھے۔ بصرے میں پیدا ہوئے اور بصرے ہی میں جوان ہوئے جزیرہ میں قاضی
 مقرر ہوئے اضافی امور بھی انہی کے سپرد تھے اور پھر بغداد میں سکونت اختیار کی اور بغداد ہی میں وفات پائی قد
 آور معتزلی تھے۔



محمد المرزبانی (994م)

172

محمد بن عمران بن موسیٰ ابو عبد اللہ المرزبانی (994م) خراسانی تھے مؤرخ اور ادیب تھے۔ جائے
 ولادت و وفات بغداد میں تھا عقیدے کے راسخ معتزلی تھے۔ عضد الدولہ اس کا بیحد احترام کرتا تھا۔

(الوفیات 507/1 - تاریخ بغداد 135/3 - میزان الاعتدال 114/3)



ابوالقاسم الطالقانی (995م)

173

اسماعیل بن عباد بن العباس ابوالقاسم الطالقانی (995م) علم و ادب میں اپنے عہد کے نابغہ تھے۔ رائے کی اصابت یعنی پختہ فکری اور تدبیر امور میں آپ کو یدِ طولی حاصل تھا۔ شعلابی کہتے تھے علم و ادب میں ان کا مقام بہت اونچا تھا۔ جو دستاویز اپنی شان کے آدمی تھے غرض بہت سی خوبیوں اور عمدہ خصائل کے مالک تھے قابلِ فخر باتیں ان کی ذات میں جمع تھیں آپ نے 7 جلدوں میں ”محیط“ کے نام سے لغت بھی لکھا تھا۔ سب سے بڑی خوبی یہ کہ وہ جواب اتنا جامع و مانع دیتے کہ انسان حیرت رہ جاتا آپ نہ صرف علم دوست تھے معتزلہ نواز بھی تھے۔

(معجم الادبا طبع مصر 273/2 - 343 - ابن الوردي 312/1 - ابن خلدون 466/4)



محمد حارثی (996م)

174

محمد بن علی بن عطیہ ابوطالب الحارثی (996م) دو متضاد صفوں کے حامل تھے صوفی بھی تھے اور معتزلی بھی یعنی خود ہی کپاس تھے اور خود ہی آگ۔ یعنی کہ لوگوں کے معیار سے ہٹ کر بات کرتے تھے۔

(وفیات الاعیان 491/1 - تاریخ بغداد 89/3)

عبدالله الاسدی (997م)

175

عبدالله بن محمد بن جرد۔ ابوالقاسم الاسدی (997م) کے بارے میں زر کلی لکھتا ہے معتزلی من العلماء بالعربیہ۔ موصل میں ادب عربی پر عبور رکھنے والے معتزلی عالم تھے۔

(354/4 بحوالہ ارشاد الارباب 5/5)

ابن خلاد

176

ابوعلی خلاد بن محمد بن خلاد۔ جس نے کتاب الاصول لکھ کر نام کمایا عسکر میں ابوہاشم سے تعلیم حاصل کی پھر مزید تعلیم کے لئے بغداد کا سفر کیا پہلے بہت کم فہم تھے اور اپنی اس خامی پر روتے تھے۔ تاہم محنت اور جد جہد پر زور دیا ذہن کھل گیا پھر ایسا ہوا کہ ہم عصر کے مقابل زیادہ فائق نکلے قاضی عبدالوہاب (916) کا

کہنا ہے کہ۔ بصرے کے قیام کے دوران اس کی خالد بن محمد بن ابراہیم بن شہاب ابو الطیب سے ملاقات ہوئی جو ”مرجیہ“ تھے وعید کی بات کی۔ ان کے نزدیک اللہ وعید کے بارے میں اپنے حتمی وعدے میں تخفیف کرے گا۔ جبکہ اللہ کی بات جس طرح وعدے میں حتمی ہے وعید میں بھی وہی وزن رکھتی ہے۔ (ط۔ م صفحہ 105) معتزلہ میں طبقات کے لحاظ سے دسویں طبقے کے پہلے نمبر کے معتزلی تھے۔ (صفحہ 105)



محمد بن حنیف

177

ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن حنیف بصرے میں پیدا ہوئے۔ ابو عبد اللہ بصری کے شاگرد تھے۔ بڑے علمی رتبے پر فائز تھے اصول و فقہ اور مناظرے میں متعدد تصنیفات لکھیں۔ معتزلہ کے 11 ویں طبقے میں شمار ہوتے تھے۔ (ط۔ م صفحہ 115)



النجار

178

ابو حامد احمد بن محمد بن اسحاق۔ النجار۔ نے قاضی ابونصر بن کھل، محمد خوارزمی اور ابوالحسن راہبوزی سے تعلیم حاصل کی پھر ”رے“ چلا گیا۔ اور قاضی القضاۃ کے زیر تعلیم رہے 12 ویں طبقے سے تھے۔ (ط۔ م صفحہ 118)



ابتدائی صدیوں کے دیگر دانشورانِ قرآن کا اجمالی
تذکرہ



ناظرین محترم :- قرآن کا بول بالا کرنے والے عملاً بے شمار اہل علم ہیں ان کے تعارف کے لئے وسیع پیمانے پر کام کرنے کی ضرورت ہے جبکہ میں کمزور، ناتواں، رنجور اور دوائی نسیان کا مریض ہوں اتنی ذمہ داری کا بوجھ نہیں سہا سکتا بلکہ میں کیا اس موضوع پر وسائل پر دسترس ہونے کے باوصف جس نے بھی دشت پیائی کی جلد ہی آبلہ پائی کا شاکہ نکلا اس کی ہمت جواب دے گئی وہ تھکا ماندہ ہو کر رہ گیا امام احمد بن حنبلہ (1437 م) جو اس میدان کے شہسوار تھے لکھتے ہیں۔ لما فرغنا من ذکر طبقات الفقهاء ترجع لنا ذکر فصل غریب فی تفصیل القائلین بالعدل والتوحید من علماء الحديث وائمة النقل لیظهر ان اهل هذه العقيدة هم اشهر المشهورین من هذه الامة بالفضل علما وروعا ہم جب فقہائے مسالک کے تمام طبقوں کے ذکر سے فارغ ہوئے تو خیال آیا کہ حدیث و روایات کے حاملین جو عدل اور توحید کا عقیدہ رکھتے تھے ان کا ذکر بھی ہو جائے تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ ان کے یہ لوگ آفتاب شہرت کے درخشندہ ستارے تھے زیادہ فضیلت، زیادہ تقویٰ اور زیادہ ”تر معاصی“ سے بچے ہوئے تھے۔

(طبقات المعترزلہ مصنفہ احمد بن یحییٰ طبع بیروت صفحہ 133)

اسی طرح یہ ناچیز بھی جتنے صاحبان علم و فضیلت کا توحید یوں، قدر یوں، عدلیوں اور معتزلہ کے حوالے سے ذکر کر چکا ہے مزید کا اجمالی تذکرہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ کہ اب تفتیش اور تلاش کی میری تنگ دامنائی اجازت نہیں دیتی چنانچہ اس کے لئے معتزلہ کے چھ مراکز کا اجمالی تعارف حاضر ہے۔ ابتدا مدینۃ النبی ﷺ سے کر رہا ہوں۔

اس گروپ میں غالی شیعہ بھی ہیں اور معتدل مزاج زیدی بھی۔ اہل روایات بھی ہیں اور مقلد بھی یعنی اپنے مسلک کے پابند بھی اور عقیدہ ناظر یہ توحید و عدل کے متوالے بھی۔ رجال کے محاذ پر کمزور بھی اور توانا بھی۔ اس طرح مدینہ منورہ میں ”اعتزال“ سے فیضیاب 29 شخصیات کا سراغ ملا ہے جس میں سے سات کا ذیل کے نمبروں میں تعارف ہو چکا نمبر 13، نمبر 39، نمبر 67، نمبر 73، نمبر 47، نمبر 11، اور نمبر 42 دیگر کی تفصیل اس طرح ہے۔

سفیان بن سعید بن مسروق الشوری (778م) کے بارے میں لکھا ہے کان سید اہل زمانہ فی علوم الدین والتقویٰ زمانے بھر میں علم وتقویٰ کے سردار شمار ہوتے تھے۔ اپنے حافظ کے بارے میں کہتے ہیں۔ ما حفظت شیئا فنیستہ میں نے ایسی کوئی چیز یاد ہی نہیں کی جو بعد میں میرے حافظ سے محو ہو گئی ہو۔ شائستہ عدلی تھے۔ (ابن الندییم جلد 1/225- ابن سعد 6/257، تاریخ بغداد 9/151)



180 تا 183

سعید بن ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف _____ عبد الحمید بن جعفر جو حدیث میں بھی ثقہ تھے اور اعترال میں بھی پختہ _____ قاسم بن عباس اللیشی ہاشمی الدنی اعترال میں شہرت رکھتے تھے _____ ابن اسحاق محمد بن یسار ابوبکر المخزومی المدنی احد الاعلام قال ابو داؤد قدری ومعتزلی (765م)



قاضی شریک (794م)

184

قاضی۔ شریک بن عبد اللہ بن الحارث (794م) حافظ اور ذکاء میں کمال رکھتے تھے۔ علم وتقویٰ کو آپ پر ناز تھا فتویٰ میں کمال درجہ کی احتیاط برتنے والے معتزلی تھے۔
(تذکرۃ الحفاظ 1/214- البدایۃ والنہایۃ 10/171- میزان الاعتدال 1/444)



185 تا 188

صفوان بن سلیم جو کثیر الروایت بھی تھے اور بر ملا معتزلی بھی _____ نون بن زید _____ شمر بن عباد _____ محمد بن الحسن۔



محمد بن عجلان (757م)

189

محمد بن عجلان کے بارے میں ذہبی نے لکھا ہے کان ابن عجلان من الرفعاء والائمة اولی الاصلاح والتقویٰ والفتویٰ۔ ابن عجلان رفیع المنزلۃ اور تقویٰ اور اصلاح کے حاملین میں سے تھے

آپ کے فتویٰ پر لوگ اعتماد کرتے تھے۔ اپنی والدہ کے پیٹ میں تین سال سے زیادہ عرصہ رہے 757 میں فوت ہوئے (تعب ہے کہ 3 سال تک ماں کے پیٹ میں رہے پھر ابن عجلان یعنی جلد باز بھی مشہور ہوئے؟)

❀ (میزان الاعتدال ذہبی جلد 103/102/3)

190 تا 193

ولید بن کثیر المدنی الاسلمی۔ قدری تھے۔ زیادہ تر کے میں رہتے تھے۔ ابو مردود
عبدالرحمان بن یحییٰ۔ امام مالک کے چچا سمیل بن نافع بن مالک۔

❀

صالح بن کیسان (757م)

194

صالح بن کیسان کی بابت لکھا ہے المدلسی المؤدب ابن عمر بن عبدالعزیز بن فقہا
المدینۃ الجامعین بین الحدیث والفقہ۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے دو بیٹوں کے اتالیق تھے۔ مدینہ
منورہ کے ان فقہاء میں سے تھے جو بیک وقت حدیث اور فقہ کا علم رکھتے تھے۔ معتزلی تھے 757 میں فوت ہوئے۔
(تہذیب التہذیب 399/4- تہذیب ابن عساکر 378/6)

❀

195 تا 197

اسماعیل بن محمد بن سعد بن ابی وقاص۔ ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ المدنی الاسلمی۔ مکتبہ شعار
قدری تھے 878 میں فوت ہوئے۔ عبداللہ بن ابی لبید الشافعی عابد، ثقہ۔ الا لہ قدری یکنی ابو
المغیرہ۔ عبداللہ الشافعی یوں تو ثقہ تھے مگر قدری تھے۔ ❀
(ذہبی 64/2)

نفس ذکیہ (762م)

198

امام محمد بن عبداللہ بن الحسن بن الحسین عرف نفس ذکیہ (762م) پارسا۔ پاکباز اور علوم کے دریا بے
کنار تھے آپ امامت کے اُمیدواروں میں سے تھے لڑ بھڑ کر خلیفہ منصور کے کچھ لوگوں کو تابع بھی بنالیا تھا اور
زندگی کی حرارت سے محروم بھی کیا تھا تاہم احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے تاریخ بتلاتی ہے کہ ان الامامین

مالک و اباحیفہ کانا یریان امامۃ نفس الزکیۃ اصح من امامتہ المنصور . و عرف المنصور ذالک فاذاهما ضرباً مالکاً علی الفتیا فی طلاق المسکرة و حبس ابا حنیفہ علی القضاء

امام مالک اور ابوحنیفہ نفس ذکیہ کے لئے نرم گوشہ رکھتے اور کہتے تھے کہ خلیفہ منصور کے مقابل نفس ذکیہ کی امامت برحق ہے۔ چنانچہ منصور کو دونوں کی رائے کا پتہ چل گیا۔ امام مالک کو تو زبردستی طلاق واقع نہ ہونے کے فتوے پر پٹوایا اور امام ابوحنیفہ کو حبس دوام میں رکھا۔

(ابن خلدون 190/3- ابن اثیر 201/5- شذرات الذهب 213/1)



199 تا 200

محمد بن عبد اللہ بن مسلم الزہری (772 م) مالدار تھے بیٹے نے نوکروں سے مل کر قتل کر دیا تھا۔ جعفر بن محمد الصادق بن علی بن الحسین البہاشی ابو عبد اللہ - بڑے عظیم انسان تھے اور احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔



مکہ معظمہ

اعتزال پسندوں کے دوسرے مرکز مکہ المکرمہ کے 12 حاملین توحید و قرآن میں سے نمبر 29 و نمبر 67 کا تعارف ہو چکا۔ آئیے دیگر سے ملے۔

مسلم زنجی (790 م)

201

مسلم بن خالد الزنجی (790 م) فقیہ اہل مکہ تھے۔ الساجی کہتے ہیں کان یروی القدر۔ معتزلی تھے۔ ازرقی کہتے تھے کان فقیہا یصوم الدھر۔ فقیہ تھے سال بھر روزے سے رہتے تھے۔ ابراہیم حربی کہتے تھے کان فقیہ اہل مکہ - مکہ والوں کے فقیہ تھے۔ یہ اپنے ذریعہ سے روایت کرتے ہیں ملعون من اتی النساء فی ادبارھن۔ جو اپنی بیویوں کا پچھلا راستہ چلتے ہیں ان پر لعنت ہے (میزان الاعتدال 165/3) جبکہ ابن حجر (1451) روایات کا جنگل اُگا کر ثابت کرتے ہیں کہ بیویوں کی دبر کو بڑے بڑے قد آور

لوگ استعمال کرتے آئے ہیں اس کا انکار کیسے ہو سکتا ہے؟ کسی نے کہا کہ آپ کے مدوح امام بخاری اور امام ذہبی بھی عورتوں کی دُبر زنی کو حرام کہتے تھے۔ اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ یہ بخاری اور ذہبی کون ہوتے ہیں اور اتنے سارے قد آور لوگوں کے مقابل ان کی حیثیت کیا ہے؟۔ یہ خالد بہت سفید رنگ تھے لہذا انہیں زنجی (کالا) مشہور کیا گیا۔ بلکہ ہمارے ہاں بھی یہی رواج پایا جاتا ہے کہ بہت سفید رنگ آدمی یا بچے کو کالا کہتے ہیں پیار سے بھی اور نظر نہ لگ جانے کی وجہ سے بھی۔

(طبقات الفقہاء صفحہ 48. تذکرۃ الحفاظ ذہبی 1/236)



202 تا 210

عبداللہ بن نجیح _____ زکریا بن اسحاق۔ ثقہ تھے قدری تھے (میزان الاعتدال 1/248)۔ سیف بن سلیمان المکی ثقہ تھے قدری تھے (میزان الاعتدال 1/437)۔ معروف بن ابی معروف حدیثوں میں کمزور تھے۔ ابراہیم بن نافع المکی عطاء کے ساتھی ثقہ تھے۔ سلیمان بن ابی مسلم _____ عطاء بن یسار المدنی _____ امام مجاہد بن جبر ایک قد آور مفسر اور ثقہ عالم ابوالحجاج المکی (722م)۔ یہ سبھی اہل روایات سنی فکر کے دانشوران قرآن یعنی معتزلی تھے۔



ابن طاؤس (750م)

211

عبداللہ بن طاؤس بن کيسان الہمدانی (750م) حدیث کے ثقہ راویوں میں سے تھے۔ (تہذیب التہذیب 5/267) قد آور معتزلی تھے۔ محترم تھے۔



شامی اعتزال پسند

قرآن کے چشمہ صافی سے سیراب ہونے والے شامی اعلام اسلامی کا نمبر 19، نمبر 17، نمبر 30، نمبر 135 اور نمبر 23 کا تعارف ہو چکا اب دیگر سے ملے۔

ثور بن یزید الحمصی (770م)

212

ثور بن یزید لخصی الکلاخی ابو خالد (770 م)۔ ثقہ محدثین اور حفاظ حدیث میں شمار ہوتے تھے اور ان کا شمار ان جہادہ علم و فضیلت میں ہوتا ہے جنہوں نے قرآن کی راہ میں بڑے دکھ جھیلے اور اذیتیں برداشت کیں زرکلی لکھتا ہے کہ۔ کان محدث حمص و کان قد ریا فاخوجہ اہل حمص لذلک من بلدہم سحبا۔ واحرفوا دارہ فانقل الی المدینۃ

حمص کے بڑے محدث تھے قدری ہونے کی وجہ سے حمص والوں نے انہیں شہر بھر میں گھسیٹے ہوئے باہر نکال دیا اور ان کے گھر کو آگ لگا دی وہ بے کس و بے بس ہو کر مدینۃ النبی ﷺ کی طرف چلے گئے۔

(بحوالہ تہذیب التہذیب 36/2- شذرات المذہب 234/1)



213 تا 230

طلحہ بن یزید _____ برد بن سنان ابو العلاء دمشقی۔۔۔ صدق شعار قدری تھے _____
عبدالرحمان بن یزید بن جابر ابو عتبہ الاسدی الدواہی۔ الدمشقی ثقہ علماء میں سے تھے (768 م) _____ یزید
بن یزید بن جابر _____ سعید بن بشیر (784 م) قدری تھے بصرے میں تعلیم پائی دلاوت اور وفات دمشق کی تھی
(تہذیب التہذیب 8/4- تہذیب ابن عساکر 121/16) _____ عبدالرزاق بن ہمام (827 م)
_____ حسان بن عطیہ ثقہ تابعی تھے قد آور قدیم قدریوں میں سے تھے (میزان الاعتدال 122/1)
_____ علاء بن حریش دمشقی کے بڑے فقیہ تھے (753 م) _____ عبید بن الجکیم _____ ثابت بن ثور
_____ ابو دھب _____ عبدالرحمان السلمی _____ عبداللہ بن یزید السلمی _____ محمد بن ابی منان
القرزاز (835 م) _____ یحییٰ بن عبدالعزیز _____ ابو خالد _____ یحییٰ بن حمزہ دمشقی کے قاضی جو
راست گو قدری تھے تیس سالہ حکمہ قضاء سے وابستہ رہے (799 م)۔ (تذکرۃ الحفاظ 294/1۔ مرآۃ الجنان
396/1) _____ محمد بن راشد الکحول الشامی قدری تھے (میزان الاعتدال 159/3) ابو عالم کہتے تھے کہ
رافضی تھے مگر ذہبی کہتے تھے فکیف یکون دمشقی۔ دمشقی ہو کر رافضی کیسے ہو سکتے تھے؟ جو کچھ بھی تھے قرآن
والے تھے 888 م میں فوت ہوئے۔



علقمہ بن قیس النخعی (681 م)

عالمہ بن قیس بن عبد اللہ بن مالک النخعی (681 م) تابعی تھے علم کے بحر بیکراں تھے معتزلہ کے دوسرے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کی حیات پیدا ہوئے تھے بہت قد آور فتویٰ دانشور تھے۔ ”فقیہ العراق“ کے امتیازی لقب سے شہرت پائی تھی۔

(ط. م صفحہ 16 تہذیب التہذیب 276/7. تذکرۃ الحفاظ 45/1)



وکیع بن جراح (812 م)

322

وکیع بن جراح بن طلیح الرواسی 812 - بلند پایہ محدث اور قدری تھے مروان بن معاویہ نے کچھ رافضیوں کی فہرست بنا رکھی تھی مینجے بن معین نے مروان سے کہا وکیع تم سے اچھا تھا۔ مروان نے کہا مجھ سے اچھا؟ میں نے کہا جی ہاں!! اس پر وہ چپ ہو گیا اور مجھے کچھ نہ کہا۔

(تذکرۃ الحفاظ 282/1- حلیۃ الاولیا 368/8- تاریخ بغداد 466/13)



233 تا 234

ولید بن مسلم ابو العباس الدمشقی - (810 م) اہل شام کے قد آور عالم تھے اتنے بڑے فرزانہ کہ امام احمد بن حنبل کو کہنا پڑا کہ۔ مارأیت فی الشامیین اعقل منه۔ میں نے شامیوں میں وکیع سے زیادہ عقل والا نہیں پایا۔ (تذکرۃ الحفاظ 278/1- تہذیب التہذیب 151/11- غایۃ النہایہ 360/2)
 _____ وضین بن عطاء الشامی ابو کنانہ کوسوسی (762 م) بڑے علم والے قدری تھے۔



بصرہ (مرکز اعتزال)

مدینہ منورہ کی طرح معتزلہ کا دوسرا آبائی وطن بصرہ تھا جو عرب و فارس کے سنگم پر واقع تھا ان میں سے۔ ذیل کا تعارف ہو چکا، نمبر 65، نمبر 102، نمبر 94، نمبر 36، نمبر 22، نمبر 53، نمبر 75، نمبر 106، نمبر 177، نمبر 91، نمبر 41، نمبر 172، نمبر 167، نمبر 120، نمبر 134، نمبر 43، نمبر 44، نمبر 49، نمبر 60، نمبر 81، اور نمبر 27۔ یہ تقریباً سبھی یا زیادہ تر مجتہد اور زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اب دیگر سے ملنے جن میں ہر

سطح کے علمائیں گے جو قابل فخر بھی ہو گئے اور باعث ندامت بھی۔

حسن بصری (728م)

235

حسن بن ابی الحسن بصری ابوسعید (728م) جن کی علمی عظمت کی ہیبت دلوں پر طاری رہتی تھی امراً اور مناصب جلیلہ پر فائز لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نشانہ بناتے وقت سود و زیاں کو خاطر میں نہ لاتے۔ نیک و پارسا تھے۔

(تہذیب التہذیب، میزان الاعتدال 254/1، حلیۃ الاولیاء 131/2)



236 تا 251

مالک بن دینار بصرے کے پارسا لوگوں میں شمار اور مصحف مجید کی کتابت کر کے پیٹ پالتے تھے 747م میں فوت ہوئے۔ محمد بن واسع بن واسع بن جابر الازدی 741م۔ عہدہ قضا کی پیشکش ہوئی۔ اللہ کے ہاں جو ابدی کے خوف سے ٹھکرا دیا۔ مکتبہ کار اہل حدیثوں میں سے تھے قدری تھے۔

(تہذیب التہذیب 499/9، تاریخ الاسلام ذہبی 159/5-161)

محمد بن عبداللہ الحرثی۔ سلیمان الشاذلی 848م۔ معلیٰ بن زیاد ابو الحسن فردوسی بصرے کے پارسا لوگوں میں سے تھے۔ مطرب بن طہمان الوراق رجال حدیث میں سے تھے نہ مکتبہ کار تھے نہ بالکل ہی ناکارہ۔ حسن بن ذکوان ابوسلمہ البصری۔ حسن بن بہان۔ واصل بن عبدالرحمان۔ ابو ہلال الراسی۔ عباد بن راشد البصری حسن بصری سے روایت لینے میں راست گو تھے۔ محدثین اس کی بابت دو رائیں رکھتے تھے، اچھا تھا۔ اچھا نہیں تھا۔ (میزان الاعتدال 9/2) حسن بن دینار ابوسعید التیمی قدری تھے معیاری محدث نہیں تھے۔ یزید بن ابراہیم التستری۔ فرح بن فضالہ التوفی البصری 793م مجروح بھی تھے اور غیر مجروح بھی۔ مبارک بن فضالہ 780م قد آور علمائے حدیث میں سے تھے قدری تھے۔ ربیع بن صبیح السعدی البصری 777م بصرے کا سب سے پہلا مصنف تھا مجاہد قسم کا آدمی تھا سندھ کے غزوے میں شامل ہونے کے لئے سمندری سفر اختیار کیا۔ سمندر ہی میں فوت ہوا اور کسی جزیرے میں دفن کیا گیا۔ (تہذیب التہذیب 247/3، حلیۃ الاولیاء 304/6)



مطرف الشخير (834م)

252

مطرف بن عبد اللہ بن الشخیر (834م) کے بارے میں ذہبی لکھتے ہیں فقہاء کے بڑے گروہ سے تعلق رکھتے تھے ان کی اپنی سند کے ساتھ ایک روایت ہے کہ۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تین بندے ہیں جن کو اللہ اپنے وامین رحمت میں لے لیتا ہے۔ اذا عطی شکو۔ جتنا طے شکر کر لیتا ہے۔ اذا قدر غفر۔ جب بدلہ لینے پر قادر ہو تو درگزر کر لیتا ہے و اذا غضب فسر اور جب طیش میں ہوتا ہے تو ٹھنڈا پڑ جاتا ہے (میزان الاعتدال 175/3)۔ یہ حدیث محدثین کے کس معیار کی ہے مضمون کی حد تک توجیح ہے (ط)



253 تا 294

ابان بن یزید العطار البصری قدری تھے حافظ الحدیث تھے راستبار تھے علق القویل
حوشب بن عقیل الجری البصری روایت میں مَحْنَتہ بھی تھے اور نَا مَحْنَتہ بھی فضل بن عیسیٰ الرقاشی
شریک بن الخطاب حران القصیر کہمس بن المہمال محمد بن وینار
الطای البصری قدری تھے حدیث میں ضعیف بھی تھے اور قابل قبول بھی صدقہ بن عبد اللہ السمین سجا
راوی تھا مگر ابوقاسم اور ذہبی کہتے تھے کہ قدری ہونے کے باعث ناقابل اعتماد تھا 782م میں فوت ہوا یعنی ان کا
ایک ہی جرم تھا کہ وہ قرآن کی حاکمیت کا عقیدہ رکھتا تھا حمزہ بن نجیح حسن سے روایت لیتے تھے
بخاری کہتے تھے کان معتر لیاہ معتر لی ہونے کی وجہ سے اچھا نہیں لگتا تھا مگر ابو داؤد کہتے تھے اچھا لگتا تھا (میزان
الاعتدال 289/1) ابو حمزہ عطار قطبہ بن غزافہ یحییٰ بن حمزہ
صدقہ بن عبد اللہ یحییٰ بن کثیر سفیان بن حبیب عبد الرحمن بن عطاء الخفاف
حبیب الانعم عطاء بن میمونہ مفرج بن عطاء میمونہ حر بن عامر
علی بن علی الدقاق ہارون الاعور عبد الرحمن بن مہدی قاسم بن
یحییٰ حشیم بن حمید حجر بن حلال عبد الرحمن بن اسحاق 932م حسن
بن واصل اشعث بن سعید السمان عیینہ بن سعید القطان عبد اللہ بن عبید بن
رزیں صالح بن رستم الخزاز عن الحسن عبد اللہ بن صالح بن رستم جہم بن یزید
العبدی محمد بن سعید مولیٰ بنی امیہ ابو نعام عدوی عمرو بن عیسیٰ البصری مجموعی طور پر ثقہ تھے

بکر بن ابی شمیٹ _____ حسن بن عبد اللہ بن سہل بن سعید بن یحییٰ بن مہران العسکری 1005 م
ادیب تھے فاضل تھے لغوی تھے اور مفسر تھے _____ ابو العوام عمران بن قحطان _____ معاویہ بن عبد الکرمیم
الثقی _____ مسدد بن مسدد بن مسریب الاسدی البصری 842 جس نے سب سے پہلے احادیث کو راویوں کی
مناسبت سے مرتب کیا یعنی مسند لکھی۔ ان میں سے یحییٰ بن کثیر قرآن کی حاکمیت کو حدیث سے مشروط مانتے تھے۔



عوف ابو جمیلہ (752 م)

295

عوف ابو جمیلہ 752 م حضرت عائشہ کی قیادت کے شدید مخالف تھے آپ نے جنگ جمل کے بعد مگر اسی
جنگ کی مناسبت سے ایک حدیث بنائی تھی کہ لن یفلح قوم ولو امرهم امراؤ وہ لوگ جنہوں نے ایک
عورت کی قیادت قبول کی دینی و دنیاوی فوز و فلاح سے محروم ہو گئے (بخاری)۔ اس غلو کے باوصف آپ قدری
بھی اس شان کے تھے کہ داؤد ابی ہند دیکھ رہے تھے کہ ایک شخص عوف کو مسلسل پیٹ رہا اور کہہ رہا ہے کہ۔
ویلک یا قدری۔ ویلک یا قدری۔ اے قدری تم تباہ ہو جاؤ۔ اے قدری تم پر پھنکار رہا ہوں۔ مگر آپ
”قدریست“ پر اتنی اذیت پر اُف تک نہ کہہ سکے۔ وہ شیعہ ہونے کے باوجود ابن المبارک کے بقول نہ بدعتی
تھا نہ بدعت کا قائل بلکہ ہر بدعت کا مخالف تھا۔ جرم تھا تو صرف یہی کہ وہ عائشہ کے خلاف تھا۔

(میزان الاعتدال 309/2)



عباد بن منصور (868 م)

296

قاضی عباد بن منصور الناجی البصری 868 م بصرے کے قاضی تھے۔ قدری تھے ابو الحسن القحطان کہتے تھے
کہ قدری تھا مگر اچھا آدمی تھا۔ اگرچہ روایت کے باب میں اس کی بابت دو رائیں تھیں۔



عباد بن کثیر ثقفی (773 م)

297

صوفی عباد بن کثیر الثقفی البصری 773 م زیادہ تر کلمہ المکرمہ میں رہتے تھے۔ عبد اللہ بن مبارک ان کی
کو تاہیوں کے مقابل خوبیوں کو ترجیح دیتے تھے وہ نبی اکرم ﷺ کے حوالہ سے کہتے تھے۔ جعل الخلع
تطليقة بانسة خلع طلاق بانسة ہے۔ (میزان الاعتدال 14/2)



298 تا 301

عبدالوارث بن سعید ابو سعید البصری 796 م۔ عمرو بن عبید کے مدرسہ فکر سے متعلق رہے اس کی بابت لکھا ہے حافظ ثبت کان فصیحاً من ائمة الحديث - حافظ حدیث تھے قابل اعتماد تھے۔ ائمہ حدیث میں سب سے زیادہ فصیح تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ 237/1) عثمان بن مقسم ابوسلمہ الکندی البصری (779 م)۔ ائمہ حدیث میں اونچا درجہ رکھتے تھے عباس بن الفضل الانصاری 802 م رجال حدیث میں سے تھے۔ قاضی تھے اور بصرے میں بڑے عالم قرآن تھے (تہذیب التہذیب 126/5) سلام بن مسکین بصریوں میں ثقہ معترلی تھے۔ (میزان الاعتدال 402/1)

محمد عنذر (808 م)

302

محمد بن جعفر عنذر 808 م اہل اثناء میں سے تھے روایات میں اثبات ہوتا تھا لوگوں نے بہت کوشش کی کہ ان کی علمی خامیاں نکال لیں مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ ویسے وہ بھولے بھالے بھی تھے۔

(میزان الاعتدال 36/3)

303 تا 305

عمرو بن فاکد الاسواری۔ کو ابن المدینی اور عقیلی۔ معترلی ہونے کا مجرم کہتے تھے نیز ملاحظہ ہو نمبر 57 علی بن علی بن مجاہد بن رفاعۃ الرفاعی البصری قدری تھے لکن داؤدی پایا تھا۔ کسی نے کہا قدری تھے ابو زرہ نے اس کی ثقاہت کا اعتراف بھی کیا ہے۔ (میزان الاعتدال 234/2) مفضل بن محمد بن مسعر ابوالحسن قاضی التوفی۔ حنفی بھی تھے، معترلی بھی تھے اور شیعہ بھی تھے۔ (میزان الاعتدال 195/3)

یمن کی دلاویز مہک

اصحاب الاخذہ اور اصحاب الفیل کی سرزمین نے بھی نخل سے کام نہیں لیا اور تحریک قرآن میں اپنے اہل صفا شامل کر لئے ان میں سے نمبر 24 میں وہب بن منبہ کا ذکر ہو چکا۔ اب دیگر ساتھیوں سے ملے۔

ہمام بن منبہ (749 م)

306

ہمام بن منبہ (749م)

306

ہمام بن منبہ بن کامل بن شیخ الصنعانی 749م۔ تابعی تھے فارسی النسل عربی تھے احمد بن حنبل کے بقول قدری تھے۔ سلفیوں کے نزدیک سب سے پہلے حدیثیں لکھنے والے تھے۔ (تہذیب التہذیب 67/11)



بکر بن الشروہ

307

بکر بن الشروہ الصنعانی۔ غیر معیاری محدث تھے اور غیر معیاری ہی قدری تھے ان سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے۔ ہر نشہ۔ خمر ہے اور جس کی زیادہ مقدار نشہ آور ہے اس کی کم مقدار بھی حرام ہے۔

(میزان الاعتدال 161/1)

اس روایت کی بظاہر سند بھی ٹھیک ہے بائیں ہمہ میرے اعتقاد پر پوری نہیں اُترتی صرف قدری ہونے کی اساس پر اس کی اگر قدر کروں تو عقلیات کے محاذ پر اسے توانائی کیسے دے سکتا ہوں؟ جبکہ حلال و حرام کرنا اللہ کا خصوصی امتیاز ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح قرآن کے بارے میں سلفیوں کے دل احترام اور خیر سگالی کے جذبات سے فارغ ہیں اسی طرح حدیث کے بارے میں بھی عامہ قدری نہایت پھسڑی واقع ہوئے ہیں وہ اکثر حدیث کے بارے میں جاہل مطلق ہیں۔ وہ یوں تو ہر موقع پر عقلیات کا ترازو نصب کرتے ہیں مگر حدیث میں لا یعقل بن جاتے ہیں۔

یہ یاد رہے کہ دیار بلقیس سے قرآن والوں کی تعداد قابل رشک نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں روزِ اول ہی سے زیدیوں کی حکومت رہی ہے وہ نہ تو شیعہ کی طرح خلفاء ثلاثہ و دیگر قد آور صحابہ کے مخالف تھے اور نہ ہی سلفیوں کی طرح ”مجبورہ“۔ اور اہل تشیعہ تھے وہ ”تذویہ“ کا عقیدہ بھی رکھتے تھے اور خلفائے ثلاثہ کی تسلیم کا بھی۔ لہذا نمایاں نہ ہو سکے اور نمایاں نہ ہو سکتا کچھ نفی کا غماز نہیں ہو سکتا۔



ابو حنیفہ کے دیس سے پیام وفا

کوفہ :- علم و حکمت کا بڑا مرکز رہا ہے اس کی جلو میں بڑی بڑی ہستیوں نے جنم لیا ہے اس کی عظمت کا نشان

ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ کی ذات گرامی کے علاوہ اس میں بھی اعتزال کے زیر سایہ بلند و بالا ہستیاں پروان چڑھی ہیں ان میں سے نمبر 18 و نمبر 46 کا تعارف ہو چکا دیگر سے ملے۔

ابراہیم النخعی (715م)

308

ابراہیم بن یزید النخعی 715 بنیادی طور پر حدیث کے راوی تھے مگر قلب و نظر پر فقہ غالب تھی اور آپ فقہ عراق ہی کے لقب سے موسوم ہوئے امام اعظم ابوحنیفہ کے استاد محترم تھے۔ نظریہ ”عدل“ کے علمبردار تھے مگر حجاج بن یوسف کی غیض آلود نظروں سے چھپ کر رہتے تھے ان کا نظریہ تھا کہ جنگ ہو اور امن بھی رہے ناممکن ہے یعنی نظریہ عدل ہو اور جو رجحان بھی تو مفاہمت ناممکن ہے۔ چنانچہ روپوشی کی حالت ہی میں موت کی آغوش میں چلے گئے۔ جب شععی نے آپ کی موت کی خبر سنی تو بے ساختہ کہا۔ اپنی مثل آپ تھے کسی کو اس کی ”مانند“ کہہ ہی نہیں سکتے۔

(طبقات ابن سعد 188/6-199- تہذیب التہذیب و حلیۃ الاولیاء 219/4)



309 تا 310

علی بن محمد بن عبد اللہ المدائنی 840 م دوسو سے زائد کتابوں کے مصنف اور منجھے ہوئے دانشور تھے۔

(تاریخ بغداد 54/12- ارشاد الاریب 300/5)

ابو یزید عمر بن شہب بن عبیدۃ بن ربیع العمری 876 نیز درجنوں کتابوں کے مصنف تھے قدری تھے۔

﴿تہذیب التہذیب 460/7- الوفیات 378/1﴾

311 تا 322

عمر بن ابی زائدہ _____ زکریا بن ابی زائدہ۔ شععی کے ساتھی۔ راست گو تھے حافظ الحدیث تھے (865م)

_____ ابو داؤد نسفی _____ داؤد بن ابی ہند _____ امام بن ابی مطیع البصری خطیب تھے واعظ تھے

روایت حدیث کا کاروبار کرتے تھے _____ ابو شہاب الخياط _____ عمر بن شہاب _____ ابن عباد

_____ طلق بن حبیب صلحائے تابعین میں سے تھے۔ عابد تھے مرجہ سے گہرا تعلق تھا قدری بھی تھے

_____ عمرو بن مرة الحمیلی۔ الامام الحجة (769م- 116ھ) _____ معمر بن کدام۔ امام تھے حجت تھے مرجہ

ہونے پر قابلِ مذمت نہ ہو سکتے تھے۔ محمد بن شجاع النخعی (878ھ-266ھ) فقیر العراق تھے۔
 ان اور ان سے ملا کر دیگر اعلامِ فکر اسلامی شخصیات کے بعد امام احمد بن حنبلؒ طبقات المعترضہ نہیں لکھتے
 ہیں۔ فہو لاء من ائمة النقل للحديث النبوی ہم القائلون بالعدل و التوحيد المبرنون
 من الملل و التفنيد قد عد دناهم كما ترمی . فمن لم يشتهر بذلك بينا من رواه عنه
 من ائمة السننه ومن اشتهر به اشتهار اظاهرا اطلقناه اطلاقا . وفائدة ذكرهم بيان
 فضيلة هذا المذهب بالتزام الفضلاء المشهورين اياه و لتسكن النفس الى ما نقل عنهم
 من الحديث النبوی

مذکورہ بالا تمام طبقوں کا تعلق امامانِ حدیثِ نبویؐ سے ہے جو سب کے
 سب عدل اور توحید کے نظریے کے قائل تھے جن کے بارے میں کسی طرح کے
 دھوکے اور فریب کی بات نہیں کی گئی۔ اور ان میں سے جو زیادہ شہرت نہیں رکھتے
 تھے تو شہرت رکھنے والے ثقہ اماموں کی گواہی یا رابطہ کے حوالہ سے ان کی وضاحت
 کی گئی ہے۔ اور جو شہرت پائے ہوئے معترض تھے ان کی علی الاطلاق نشاندہی کی گئی
 ہے اور تفصیل کا یہ اہتمام ہم نے اس لئے بھی ضروری سمجھا ہے تاکہ نظریہٴ اعتزال
 کی بابت معلوم ہو کہ ان کے ماننے والے نہایت فاضل، بلند قامت اور جلالت
 شان والے لوگ تھے تاکہ آنے والے ان کے نام پڑھ کر پوری دلجمعی اور اطمینان
 قلب سے ان کے فکری مسلک کا اعتراف کریں۔

(طبقات المعترضہ صفحہ 3/140 تا 7)

ناظرین محترم :- میری معروضات اختتام کو پہنچ رہی ہیں میں نے صرف احمد بن حنبلؒ کی
 نگارشات پر ہی اکتفا نہیں کیا اپنی تھکاوٹ والی کاوشوں اور تحقیقات کو روک دینا کر مآخذ کی دیگر کتابوں سے
 ایسے تحقیقی حوالہ جات کا اضافہ بھی کیا ہے۔ جو کوئی دوسرا دیوانہ نہ کر سکتا تھا۔ اور امید ہے کہ مطالعہ سے میری
 اضافی کاوشوں کے ایذا کا احساس ہو چکا ہوگا۔ تاہم غلطیاں میرے کھاتے میں ڈال دینی چاہئیں اور درستیاں
 فیاض ازل کی طرف سے۔ و باللہ التوفیق۔
 2001-4-5 مطابق دس محرم 1422ھ

قرون وسطیٰ کے دانشورانِ قرآن



عثمان بن جنی (1002م)

323

نویس کے ایک بڑے امام عثمان بن جنی (1002م) جسے طبقات المعزولہ کے مصنف نے عقیدہ اعتزال کا حامل اور حامی قرار دیا ہے ایک بڑے نام کے عالم تھے۔ بے شمار علمی اور ادبی کتابوں کے مصنف اور شارح تھے متنبی کہتا تھا کہ ابن جنی مرے شعر کا مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے۔

(ابن خلکان 313/1، نزہۃ الاولیاء 406، شذرات 140/3)



اسماعیل الجوهری (1003م)

324

اسماعیل بن حماد ابو نصر الجوهری (1003م) لغت کے امام تھے خطاط تھے۔ صاحب علم و دانش تھے۔ اختراعی ذہن رکھتے تھے معتزلی تھے گھر کی چھت سے گر کر فوت ہوئے۔

(معجم الادباء 269/2، لسان المیزان 400/1)

اصطخری (1013م)

325

علی بن سعید الاصطخری (1013م) معتزلہ کے مشائخ میں سے تھے۔ ان کی۔ الورد علی الباطنیۃ مشہور تصنیف ہے۔

(الجواهر المضیئة 362/1، اللباب 466/1)

شریف رضی (1015م)

326

بلاغت کے امام فصاحت کے دہنی، مجازات و استعارات کے شہنشاہ یعنی قرآن کے ایک قد آور دانشور اور اصابت فکر کے چمکتے ستارے امام محمد بن الحسین بن موسیٰ ابو الحسن عرف الشریف الرضی (1015م) قرآن کے ایک بڑے پاسبان تھے۔ شعری مذاق بہت اونچا تھا تشبیہات و تمثیلات کو شعر کے پیٹ میں اس طرح سمودیتے کہ عقل دنگ رہ جاتی۔ تلخیص البیان فی مجازات القرآن۔ آپ کی بلند پایہ کتاب ہے۔ سورہ ہود کی آیہ (نمبر 87) کے ضمن میں لکھتے ہیں اصلا تک تأمرک . و هذه استعارة لان الصلاة لا یصلح منها الامر علی الحبقة۔ یہاں امر۔ کی نسبت صلاة کی طرف کی گئی ہے جو حقیقت نہیں استعارہ ہے کیونکہ صلاة۔ انسان کی طرح نہیں جس میں حکم دینے کی صلاحیت ہو۔ (صفحہ 166، سطر 2) اس کے بعد



شریف رضی

لکھتے ہیں ادینک ناموک بھذا امے فی شریعتک و دینک الامر بھذا

یہاں صلاۃ کے معنی قانون کے ہیں جیسے تمہارے قانون میں یہ ہے کہ ہم

I اپنے بڑوں کے طور طریقوں کو چھوڑ دیں اور کہ II اپنا مال و ملک عام لوگوں کو

(صفحہ 166 سطر 5 تا 4)

دے ڈالیں۔

اس ناموک - کے قرینہ سے صلاۃ - قانون کا استعارہ بن گئی کہ حکم قانون کا چلتا ہے اس طرح

آپ نے تلخیص البیان میں کھل کر فکری جولانیاں دکھلائیں اور آیات الہی کے لئے تعبیر کا ایسا اسلوب اختیار

فرمایا ہے کہ عقل و نگ رہ جاتی اور معتزلہ او لے کا دور آنکھوں میں گھوم جاتا ہے۔

(وفیات الاعیان 2/2- تاریخ بغداد 246/2- المنتظم 219/7- الذریعہ الی رجال الشیعہ 16/7)



محمد بن ابی علان (1018م)

327

عبداللہ بن محمد بن ابی علان (1018م) کی بابت لکھا ہے ابو احمد قاضی الاہواز۔ کان

معتزل لیا له تصانیف حسنة

نام عبداللہ اور کنیہ ابو احمد تھی۔ اہواز کے جج تھے۔ معیاری اور بلند پایہ

(زر کلی 265/4- البدایۃ والنہایہ 7/12)

معتزلی مصنف تھے۔



عبدالجبار الہمدانی (1025م)

328

امام ابوالحسن عبدالجبار بن احمد بن عبدالجبار بن احمد بن الخلیل بن عبداللہ الہمدانی (1025م) جو نسلی طور

پر عرب تھے اور یمن کے ہمدان سے وابستہ تھے ایک بلند پایہ عالم اور بہت ہی اونچے درجے کے دانشور تھے آپ

کی تمام زندگی درس و تدریس اور دفاع قرآن میں بسر ہوئی۔ عمر و تنگدستی کے مارے ایک خاندان میں پیدا

ہوئے والد محترم دھنائی کا کام کرتے تھے اور ہونہار عبدالجبار نے بھی اسی ہی محنت کو وسیلہ حکم پڑی بنایا۔ شادی

اور بچہ ہونے تک آپ اسی حال میں رہے لیکن حالات نے پلٹا کھایا اور پلٹا ضرور کھاتے ہیں کسی طرح۔ صاحب

بن عباد (995م) سے رابطہ ہو گیا جو کہ ایک بہت بڑے عالم تھے، ادیب تھے شاعر تھے ”محیط“ کے نام سے

سات جلدوں میں لغت تیار کیا۔ ابن عباد علم اور دولت کے ظاہری و مادی اسباب سے مالا مال تھے۔ مؤید الدولہ

بن بویہ کے وزیر تھے اسی کی سفارش پر ہمدانی کو ریاست ”رے“ کا گورنر بنادیا گیا جس سے ان کی مالی حالت کو نہ صرف سہارا ملا بڑے مالدار اور زمینوں کے مالک بھی بن گئے کہتے ہیں کہ صاحب یعنی اسماعیل بن عباد بنی بویہ کے مشہور وزراء میں سے تھے بنی بویہ۔ اگرچہ شیعہ سے وابستہ تھے مگر اسماعیل نے حکومت کو باور کر رکھا تھا کہ شیعہ کو گورنری کے منصب پر فائز کرنا مصلحت کے خلاف ہے اس کے لئے صرف شہرت یافتہ معتزلی کا ہونا ضروری ہے۔ (عیون المسائل للحاکم المجشمی طبع مصر جلد 1/155) ہمارے عبد الجبار نے اتنی مہارت سے حکومت چلائی اور عدل و انصاف کے کلچر کو فروغ دیا کہ آپ کو جرجان اور طبرستان کی انتظامیہ بھی سپرد کر دی گئی۔ جس سے آپ نے رعایا کو مزید خوشحال اور مطمئن بنانے کی راہیں نکال لیں۔ اور ان ہی محاسن و خوبیوں کو دیکھتے ہوئے اسماعیل بن عباد جیسا بڑا عالم کہتے تھے انہ افضل اہل الارض واعلم اہل الارض۔ یعنی روئے زمین کا افضل ترین انسان اور عالم ترین انسان۔ (طبقات المعتزلہ صفحہ 112)

آپ کی زیادہ تر تالیفات ادب، اسلام کے دفاع اور معتزین علی القرآن کے جوابات پر مشتمل ہیں مثلاً متشابہ القرآن طبع قاہرہ۔ تنزیہ القرآن عن المطاعن۔ طبع قاہرہ۔ تثبیت دلائل نبوہ سیدنا محمدؐ۔

ان میں پہلی و دونوں کتابوں سے تفسیر ”میزان القرآن“ میں بنی بھر کر میں نے استفادہ کیا ہے۔ اسی طرح ابو مسلم بذریعہ رازی سے بھی دونوں (مطبوعہ) تفاسیر۔ منسوخ القرآن اور۔ برہان القرآن۔ میں استفادہ کر کے تفسیری باب میں ”عقلیات“ کا نازیر اضافہ کیا ہے۔ و لا فخر۔

یہ بات تفصیل کی محتاج نہیں ہے کہ ہمارے قاضی عبد الجبار مخالفین کے نظریات کا توڑ کرنے پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ اب یہ مخالفین راوندی ہوں خواہ قرامطہ اور اشعرہ ہوں ہمدانی سب کے سامنے دیوار بن کر کھڑے ہونے کی سکت رکھتے تھے۔ آپ فروع میں شافعی اور اصول میں معتزلہ تھے۔

(ابن العماد۔ شذرات الذهب طبع مصر جلد 3/387)

ان کی دفاع محمدؐ میں مستقل تصنیف۔ تثبیت دلائل نبوہ سیدنا محمدؐ۔ کی بابت علامہ

زابد الکوثری لکھتے ہیں:

”معتزلہ کا دفاع اسلام میں ایک خاص مقام ہے انہوں نے دہریوں،

منکرین نبوت، بت پرستوں، یہود، نصاریٰ، صابئوں اور ملاحہ کی تمام اصناف کو

للاکار اور حجت و برہان سے فرار پر مجبور کیا۔“

(مقدمہ زاہد الکوشری۔ تبیین کذب المفتوی۔ طبع مصر صفحہ 18)

قاضی عبدالجبار الحمدانی نے معتزلہ کے اصولوں پر ”المغنی“ کے نام سے ایک ضخیم تفسیر بھی لکھی ہے اور ہر جلد کسی نہ کسی ماہر کتابیات کو دے کر اس کے مقامات یا مزید حوالہ جات کا اضافہ کیا گیا ہے آیات، اشعار، احادیث، شخصیات کی تفصیلی فہرستیں شامل کر کے تحقیق اور ریسرچ کو آسان بنا دیا گیا ہے یہ کتاب چونکہ حکومت مصر کے خرچ پر شائع ہوتی رہی ہے اس طرح جو بھی جلد تیار ملتی گئی شائع ہوتی گئی۔ ہر جلد میں معتزلہ کے کسی بھی مسئلہ یا احکام کو تفصیل سے بیان کرنے کا اہتمام نیز کیا گیا ہے لیجئے تفصیل ملاحظہ ہو:

- 1- المغنی فی ابواب التوحید والعدل۔ طبع وزارة الثقافة مصر 1958م، 1964م
- 2- جلد چہارم۔ اہم موضوع۔ رویت باری۔ تحقیق ڈاکٹر محمد بن مصطفیٰ حلوی اور ڈاکٹر ابو الوفا شیبی
- 3- جلد پنجم۔ اہم موضوع۔ الفوق غیو الاسلامیہ۔ تحقیق۔ ڈاکٹر محمد محمود الخضیری
- 4- جلد ششم۔ اہم موضوع۔ انصاف اور بے انصافی۔ تحقیق ڈاکٹر احمد فواد الاموانی
- 5- نیز جلد ششم۔ اہم موضوع۔ الارادة۔ تحقیق یادری قنوالی
- 6- جلد ہفتم۔ اہم موضوع۔ خلق القرآن۔ تحقیق ابراہیم۔ الابیاری
- 7- جلد یازدہم۔ اہم موضوع۔ التکلیف۔ تحقیق ڈاکٹر محمد علی نجار
- 8- جلد دوازدہم۔ اہم موضوع۔ النظور و المعارف۔ تحقیق پروفیسر ڈاکٹر ابراہیم مدکور

(MADKOOR)

- 9- جلد نمبر 13۔ اہم موضوع۔ اللطف۔ تحقیق ڈاکٹر ابو العلا مشفی
- 10- جلد نمبر 14۔ اہم موضوع۔ الاصلاح۔ استحقاق الذم والتوبہ۔ تحقیق پروفیسر مصطفیٰ الشنا
- 11- جلد نمبر 16۔ اہم موضوع۔ اعجاز القرآن۔ تحقیق امین النولی
- 12- جلد نمبر 17۔ اہم موضوع۔ الشوعیات۔ تحقیق امین النولی
- 13- جلد نمبر 20۔ اہم موضوع۔ الامامة۔ تحقیق ڈاکٹر عبدالسلام محمود و ڈاکٹر سلیمان زینا

ان مجلدات میں قاضی عبدالجبار نے جتنے اہم کلامی مسائل تھے ان پر تفصیلی بحث کر کے قرآنی نقطہ نظر کی وضاحت کی ہے میں نے 1979 میں حکومت مصر کی وزارت ثقافت کو لکھا تھا کہ اس تفسیر کی قیمت اور مصارف برید سے مطلع فرمایا جائے تاکہ میں مدینہ طیبہ سے ڈرافٹ کے ذریعہ تمام اخراجات بھجوا دوں۔ لیکن ان ہی دنوں میرا کفیل فوت ہو چکا تھا مجھے کفیل کے نام میرا نر انسفر نہ ہو سکا اور میں واپس گھر پہنچ گیا پھر نہ معلوم کہ جواب



محسن تنوخی (1026م)

329

محسن بن عبد اللہ بن محمد بن عمرو بن سعید ابو القاسم التوخی (1026م) لغت اور ادب کے امام تھے، قاضی تھے، قدری تھے۔
(الجواهر المضیئة 151/2۔ النجوم الزاهرة 264/2)



محمد التبان (1028م)

330

محمد بن عبد الملک بن محمد التبان (1028م) ابو عبد اللہ۔ قد آور معتزلہ میں سے تھے شریف مرتضیٰ (1044م) کے شاگرد تھے۔ وہ استاد سے سوالات کرتے اور استاد تحریری جوابات مرحمت فرماتے۔ اس طرح معتزلہ کی بابت معلومات کا اچھا ذخیرہ جمع ہو چکا۔ الاسئلة الضیانة۔ کے نام سے ایک موقع تیار ہو گیا۔
(النجاشی صفحہ 91۔ الندیعة 78/2)



المؤید بالله (1030م)

331

زید یوں کے بڑے امام۔ المؤید بالله احمد بن الحسین بن بارون بن الحسین بن محمد بن القاسم بن الحسین بن زید بن الحسن ابن علی بن ابی طالب (1030م) اور ان کے بھائی ابو طالب معتزلہ کے خاص حمایتی اور پشت پناہ تھے قاضی القضاہ عبد الجبار الہمدانی (1025م) رئیس المعتزلہ کے شاگرد تھے۔ ابو عبد اللہ سے علم الکلام درس پڑھا۔ (ط، م صفحہ 114) دیلم پر بیس سال تک حکومت کی صاحب تصنیف عالم بھی تھے اور حاکم بھی۔
(اعیان الشیعة 350/8)



محمود غزنوی (1030م)

332

محمود بن سلکین ذوجہات شخصیت تھے کسی نے فاتح کی نظر سے دیکھا جس نے فتوحات کی ترنگ میں آکر سومات کے مندر گرائے، منصورہ کے کتب خانے جلائے، سند سے ہباری قریشیوں اور ملتان سے اسماعیلیوں کی حکومت ختم کی۔ اور کسی نے ایک اچھے منتظم بلکہ اچھے منصف کی حیثیت سے دیکھا اور اس کی خوبیوں کے انبار کا دیئے لیکن میں ان کو ایک اور نظر سے قرآنی دانشور سمجھتا ہوں جس نے بغیر کسی تقلیدی نسبت کے۔

در بار میں زمانے کے شہرت یافتہ علماء۔ افاضل اور مفکرین کو جمع کر رکھا تھا۔ اسی دوران جب اسے معلوم ہوا کہ افاضل کے اتنے جم غفیر میں معتزلہ کی کمی ہے اور یہ شہرت بھی ان کے کانوں تک پہنچ چکی تھی کہ انصاف کے بارے میں صرف معتزلہ ہی بلند کردار کے مالک ہیں چنانچہ ابوالفتح اصفہانی جو اپنے عہد کے نابغہ اور گروہ علماء کے سرخیل تھے اسے لکھا کہ معتزلہ کے تین جید عالم۔ غزنی روانہ کر دیں جو لوگوں میں عدل و انصاف بانٹیں اور قرآن کی تعلیم کو عام کر دیں چنانچہ علامہ اصفہانی نے نیشاپور کی جامع مسجد کے امام ابوصادق اور گرامر و ادب اور قرآنیات کے ماہر علامہ ابوالحسن الصابری اور ایک دوسرے علم و فضیلت کے حامل کو ہمراہ کر کے تین جید علماء کا گروہ غزنی بھجوادیا۔ سلطان نے ان معتزلیوں کا بڑی گرجوشی سے استقبال کیا اور عدلیہ کے اونچے مناصب پر سرفراز کرنے کے علاوہ انتظامیہ کے کلیدی عہدے بھی ان ہی کی تفویض میں دیدیئے سلطان کو یقین تھا کہ یہ لوگ انصاف جس کے حصے کی چیز ہے اسے ہی دینے کے قائل ہیں

(تفصیل ملاحظہ ہو امام احمد بن حنبلہ۔ المرقی کی طبقات المعتمزلہ طبع بیروت صفحہ 6/118 تا 10)

جہاں تک بُت شکنی کے واقعات کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ سچے پال۔ نے سومنات، راجستان، سندھ اور ملتان کے ہندوؤں میں اشتعال پھیلانے کے لئے ممکن ہے بُت شکنی کے فرضی واقعات کو ہوا دے کر اپنی ممکنہ کامیابی کے لئے ”حر بے“ کے بطور استعمال کیا ہو کیونکہ غزنی کے ایک مقام پر ایک بُت تھا جسے محمود کے ایک ہزار سال بعد رجب 2001 کی غالباً 15 تاریخ کو مٹاؤں کی نئی تنظیم طالبان نے توڑا۔ اب اگر سلطان بُت شکن ہو تا تو یہ کام خود ہی سرانجام دے ڈالتا ہزار سال بعد 2001 میں مٹاؤں عمر یہ کام نہ کرتا اسی طرح اس کی مملکت کے ایک حصہ بامیان۔ میں ہزاروں دیوبہکل مجسمے جو محمود سے ایک ہزار سال پہلے اور ایک ہزار سال بعد چٹانوں میں محفوظ چلے آ رہے تھے خود ہی انہیں توڑ پھوڑ کے رکھ دیتا اگر لوگوں کی تہذیب و ثقافت کو مٹانا ہی منصب حکومت میں شامل ہوتا تو سیدنا عمرؓ۔ ابوالہول کے محسوس اور ہزاروں مصری صنیعیاتی آثار کو مٹا کر رکھ دیتے بلکہ یہاں تو بتوں کی حفاظت کا معاہدہ ہے کہ انہیں کچھ نہ کہا جائے گا چنانچہ مصر کے گر جا گھروں میں گھس کر کسی نے مسیح کے مجسمے کی ناک توڑ دی جس پر مسیحیوں نے عمر خطاب کو مطلع کر دیا آپ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو لکھ بھیجا کہ کیا ماجرا ہے؟ کیا مسیحیوں کی عبادت کا ہوں کی حفاظت کا معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے مسیحیوں کو مطلع کر دیا کہ میں حاضر ہوں مردہ مسیح کی بجائے میں زندہ انسان کی ناک حاضر ہے۔ اتنے میں ناک شکن بھی حاضر ہوا اور اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے اپنی ناک پیش کر دی یعنی اب ایک ناک کے بدلے وہ زندہ ناک پیش کر دیئے گئے۔ مسیحیوں نے کہا ہمیں نہ خطا کار کی ناک چاہئے نہ حاکم مصر عمرو بن العاصؓ کی۔



محمود غزنوی

بس ہمیں انصاف مل گیا۔ چنانچہ معافی کے بعد مسلمانوں نے کسی سالہ کی ناک بنا کر مسیح کے چہرے کو پھر سے بے درآغ بنادیا۔ النجوم الزاہرہ فی اخبار مصر و القاہرہ میں تفصیل ملاحظہ ہو _____ ابن کثیر نے اپنی تاریخی کتاب البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے۔ استولى السلطان محمود على صنم البراهمة و فى اذانه نيف و ثلاثون حلقه و كانوا يعبدون حلقه و نه فسأل عن تلك الحلق فقالوا كل حلقة عبادة الف سنة كلما عبدوه الف سنة علقوا فى اذانه حلقه

سلطان محمود کو برہمنوں کے پاس ایک ایسے مجسمے کی نشاندہی کی گئی جس کے ایک کان میں تیس سے زائد سوراخ ہیں اس کی پوچا پر جب ہزار برس پورے ہوتے ہیں ایک بالی کسی ایک سوراخ میں ڈال دی جاتی ہے۔

(البدایہ والنہایہ طبع مصر 27/2- الکامل ابن اثیر 139/9- ابن خلکان 84/2)

یہ پس منظر سن کر خاموش رہے کسی منفی رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔ لیکن اگر وہ خاموش نہ رہتے تو ظاہر ہے گروہ پنڈتاں کی دل آزاری کر گزرتے لیکن۔ ایسا نہیں ہوا۔

اسی طرح اگر سلطان سونے چاندی جمع کرنے کے حرص میں ہوتے تو راستے کے ہزاروں مندروں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف سومنات کے ایک مندر کو منہدم نہ کرتے۔ معلوم ہوا کہ یہ صرف مندر ہی نہیں تھا ہندو افواج کی تربیت کا مرکز بھی تھا یعنی ایسی چھاؤنی تھی جہاں کمانڈرز اور جنگجو ہندو تیار کئے جاتے ادھر تاریخ بتلاتی ہے کہ جے پال نے پشاور اور جلال آباد پہنچ کر جتنے بھی افغانوں پر حملے کئے سلطان محمود بامر مجبوری دفاع کے لئے نکلتے رہے ایک دفعہ معلوم ہوا کہ ان حملوں کا مرکز سلطان کی گرفت سے بہت دور یعنی ساحل سمندر کے قریب سومنات میں ہے تو بار بار کے دفاعی حملوں کی بجائے ایک بار اپنا تعاقب جاری رکھا اور سومنات کی چھاؤنی تک پہنچ گئے اور خاصی بڑبھڑکے بعد فتح کا مرحلہ نصیب ہوا ادھر واپسی پر سلطان کو معلوم ہوا کہ ملتان کا انہما علی بادشاہ ابوالفتح بھی درپردہ جے پال کا حلیف بنا ہوا ہے چنانچہ ملتان پر حملہ کر کے اسے بھگا دیا مگر اس نے آئندہ سازشی کردار ادا نہ کرنے کا وعدہ کر کے معافی مانگ لی اور پھر سے واپس ملتان بن گیا۔ لیکن آئندہ کے جے پال کے کسی حملہ میں ابوالفتح اپنی معافی بھول گیا اور جے پال کی فوجوں کو ٹمک بھم پہنچائی۔

کہنے کا مقصد یہ تھا کہ جے پال کی زیادتیوں سے تنگ آکر سلطان نے اپنے تعاقبی حملہ میں سومنات کو جالیا تھا۔ اور اسی حملہ میں سونے کا دروازہ بھی اُکھاڑ لے گئے تھے۔ لیکن سلطان اگر سونے چاندی کے حلیص ہوتے تو چکوال اور پنڈدادن سے سونا صاف کرنے والے نیاروں کو غزنی بلا کر۔ دروازے کا سونا اتروا کر

صاف کرانا اور کام میں لاتا لیکن اس نے تو دروازے کو چھیڑا تک نہیں ان کے ہزار سال بعد کابل کے حکمران ظاہر شاہ نے وہی دروازہ بطور خیر سگالی ہندوستان کو واپس دیدیا۔

سلطان کی صفائی میں جو رخ پیش کیا گیا ہے بایں ہمہ کسی کی صفائی میں کچھ کہنے کی جسارت نہیں کرتا۔ میرے کچھ ذہنی تحفظات بھی ہیں جن کی روشنی میں سلطان کی معصومیت پر یقین نہیں رکھتا۔ میں سلطان کی خدمات کا اس لئے معترف ہوں کہ اس نے تخت نشین ہوتے ہی لوگوں کو ان کی دلیلیز تک انصاف پہنچانے کا اہتمام کیا اور معتزلہ کے زیر اثر 33 سال تک انصاف کو فریق نہ بننے دیکر ایک مثال قائم کی۔



الشریف المرتضیٰ (1044م)

333

خارجیوں کے بعد شیعہ دوسرا مسلم سیاسی فرقہ ہے جو سیاست صفین کے بعد ردِ عمل کے طور پر نمودار ہوا۔ ادھر متکلمین اسلام یعنی جو اپنے عقائد کی نظام کا مآخذ صرف قرآن محکم کو تسلیم کرتے تھے ان ہی میں ہمارے مدوح سید علی بن الحسین بن موسیٰ بن محمد ابراہیم ابو القاسم الشریف المرتضیٰ (1044م) جو حضرت امام حسین کے پڑپوتوں میں سے تھے علم کلام، ادب اور شعر کے نامور عالم بھی تھے جو برملا اعتزال کی بات کرتے تھے ادھر نہج البلاغہ بھی ان ہی کی طرف منسوب ہے مگر محمد عبدہ کی تحقیق کے مطابق یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔

(فہرست طوسی صفحہ 98۔ الذریعہ 40/2)

الشریف المرتضیٰ اسی تھے مفسر تھے ارجاء سے متاثر تھے با این ہمہ اعتزال ان کا دل پسند تصور تھا۔



ابو القاسم (1044م)

334

علی بن الحسین بن موسیٰ بن محمد بن ابراہیم ابو القاسم (1044م) امام حسین کی اولاد میں سے تھے، علم الکلام، ادب اور شعر میں یگانہ روزگار تھے اپنا مثیل نہیں رکھتے تھے۔ پختہ فکر معتزلی تھے (زرکلی 189/5) آپ کی طرف منسوب ہے کہ نہج البلاغہ کے نام سے حضرت علی کے خطبات آپ ہی نے تدوین کئے تھے۔

(میزان الاعتدال 223/2۔ ارشاد الاریب 179-173/5)



محمد بصری (1044م)

335

محمد بن علی الطیب ابو الحسین البصری (1044م) بلند قامت معتزلی تھے بصرے کے مولود اور بغداد کے ساکن تھے خطیب بغدادی نے اس کی ذکاوت، فطانت، ذہانت اور دیانت کو بہت سراہا ہے۔

❀ (وفیات الاعیان 482/1 - تاریخ بغداد 100/3)

ابن الندیم (1047م)

336

محمد بن اسحاق بن محمد بن اسحاق بن ابی یعقوب عرف ابن الندیم (1047م) کتاب "الفہرست" کے نامور مصنف تھے جو اعلیٰ پائے کی تعارفی تصنیف ہے وہ تاجر کتب تھے اور بڑی نادر کتابیں جمع کرتے اور فروخت کرتے تھے۔ ان کی کتاب الفہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلکاً معتزلی تھے تاہم یہ حتمی بات نہیں ہے کہ بسا اوقات دوسری پارٹیوں والے بھی تحریک معتزلہ کی آواز میں آواز ملا لیتے تھے۔ ویسے آپ نے اہل سنیہ کو "حشویہ" اشعریوں کو "مجبورہ" اور غیر شیعہ کو "عامی" لکھتے تھے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ لبرل قسم کے شیعہ معتزلی تھے۔ نوے سال کی عمر پائی تھی۔ (لسان المیزان ابن حجر 72/5 - ارشاد الاریب 408/6)



منصور ابو الفتح (1050م)

337

منصور بن محمد بن عبد اللہ بن المقدر التمیمی ابو الفتح (1050م) اصفہان کے مولود اور بغداد میں سکونت پذیر تھے ادیب تھے برسر عام معتزلی تھے۔ صاحب بن عباد کے دوستوں میں سے تھے۔ وکان متظاہراً بأرائه فی الاعتزال کے علما اعلان مبلغ تھے۔ اشاعرہ کے خلاف۔ "ذم الاشاعرہ" کے نام سے ایک نادر تصنیف چھوڑی تھی۔ (ارشاد الاریب 189/7 - بغیۃ الوعاة صفحہ 398 - اللباب 169/3)



ابو القاسم تنوخی صغیر (1055م)

338

دامن قرآن تھانے والوں میں علی بن الحسن بن علی ابو القاسم تنوخی (1055م) کا نام خاصی شہرت رکھتا ہے قاضی بھی تھے اور ائمہ اعتزال میں قد آور بھی۔ وہ تنوخی کبیر کے پوتے تھے نہایت سنجیدہ، ظریف اور عالم باعمل تھے۔

(وفات الوفیات 68/2)



ابو سعد السمان (1055م)

339

اسماعیل بن علی بن الحسین بن زنجویہ۔ الرازی ابو سعد السمان (1055م) کے بارے میں زر کلی لکھتے

ہیں۔ حافظ متقن معتزلی کان شیخ المعتزله وعالمهم ومحدثهم فی عصره

اپنے وقت کے حافظ تھے۔ اہل اتقان میں سے تھے۔ معتزلی تھے معتزلہ

کے شیخ تھے عالم تھے وقت کے محدث تھے زندگی بھر کسی کا احسان نہیں اٹھایا۔ سفر ہو

خواہ حضران پر کسی کے احسان کا ہاتھ نہیں تھا۔

(الجواهر المصیئۃ 156/1۔ لسان المیزان 321/1)



ابو الحسن الماوردی (1058م)

340

علی بن محمد بن حبیب ابو الحسن الماوردی (1058م) بڑے مقنن تھے قانونی گھٹیاں سلجھانے میں خصوصی

مذاق رکھتے تھے مملکت کے چیف جسٹس تھے۔ بلند پایہ کتابوں کے مصنف تھے۔ بڑے محقق تھے۔ اجتہاد کے قائل

تھے۔ بصرے کے مولود اور بغداد کے ساکن تھے۔ معتزلہ کے شیخ اور عالم تھے۔ عباسی خلفاء آپ کا بے حد احترام

کرتے تھے۔ بادشاہوں اور خلفاء کے اختلافات میں ثالث بن کر مصالحت کرانے میں خصوصی ”اثر“ رکھتے

تھے۔ ”ورد“۔ عربی میں گلاب کو کہتے ہیں اور ماء۔ عرق کو اس طرح ماوردی کے معنی ہیں۔ عرق گلاب بیچنے یا

کشید کرنے والے۔ آپ کی بیشمار کتابوں میں سے۔ الاحکام السلطانیہ۔ اپنے وقت میں نئے پیش آمدہ

اجتہادی مسائل کے حل میں امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کا نظریہ ”ضرورت“ فقہی اور اجتہادی مسائل کو

معروضی حالات کے سانچے میں ڈھالنے کی عالمانہ کوشش ہے۔ آپ چونکہ اعلیٰ پائے کے مقنن تھے لہذا معروضی

اور اضطراری حالات میں جنم لینے والی صورتِ حالات کا تجزیہ اور تحلیل کرنا عوامی فلاح و بہبود کے لئے ضروری

سمجھتے تھے لیکن افسوس کہ لقمہ توڑ علماء جو وقت کے سلطان کے لئے اس کی خوبصورت بہو کو حلال کرنے کی ترکیب

بتلاتے اور ادبِ باش حکمرانوں کے لئے جبری نکاح اور جبری طلاق کو روار کہتے تھے۔ ایک عوامی فلاح و بہبود کے

اصول کو غلط فہمی پر ڈال کر اس کی افادی حیثیت پر پانی پھیر دیا۔ ویسے جاہ پرست علماء کو جان لینا چاہئے کہ۔

قرآن جب اپنے مقاصد کو پیش کرتا ہے تو پوری توانائی سے سامنے لے آتا ہے لیحق الحق۔ اور جو ان

مقاصدِ رفیعہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے اسے پوری طاقت سے دھکیل دیتا بلکہ نابود کر دیتا ہے ویبطل الباطل۔



ابوالحسن الماوردي

اور اس کے لئے وہ انسانوں ہی سے کام لیتا ہے یعنی انسان کے۔ فکری خیر۔ میں اللہ نے جو ”قوت تمیز“ رکھ دی ہے اسی کو ابھارتا ہے فالہمھا فجورھا وتقواھا اس طرح انسان ہی کو یہ ذمہ داری سونپ دی گئی ہے کہ وہ امتیازی صلاحیتوں کی کارکردگی کو اللہ کی طرف نسبت دے اور غیر نفع بخش کج ادائیگوں کو اپنے یا شیطان کی طرف مضاف کر دے۔

تکواری بذات خود نہ بُری ہے اور نہ بُھلی۔ اس کا استعمال ہی اُسے بُرا۔ یا بُھلا۔ بنا دیتا ہے کہ یہ اگر ظلم کے خلاف استعمال ہوتی ہے تو بُھلی ہے اور اگر ظلم کو ابھارنے کے لئے استعمال ہوتی ہے تو مذموم ہے۔ قد افلح من ذکھا و قد خاب من دسھا یہی حال نظریہ ضرورت کا ہے یہی حال عقل انسانی کا۔

(السبکی 303/3۔ الوفیات 326/1۔ الشذرات 285/3)



ابن متویہ

341

ابو محمد حسن بن احمد بن متویہ۔ عبد الجبار الہمدانی کو قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کہتے تھے جبکہ آپ کے شاگرد تھے اصول دین میں ”محیط“ اور نفاست

کلام میں تذکرہ۔ نامی کتابیں لکھیں۔ (ط۔ م صفحہ 119)



سعید بن محمد نیشاپوری

342

جس طرح وقت کے علماء عبد الجبار الہمدانی کو قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کہتے تھے جبکہ آپ کے ماسوا کسی کو بھی اس لقب سے نہیں پکارا گیا اسی طرح آپ بھی اپنے شاگرد ابو رشید سعید بن محمد نیشاپوری کو الشیخ کے لقب سے پکارتے تھے جبکہ آپ نے اسی شاگرد کے سوا کسی کو بھی الشیخ کہہ کر نہیں پکارا۔ اس شیخ کا علم اتنا وسیع اور معلومات فراوان تھیں کہ قاضی القضاۃ کے بعد جانشینی کا منصب ان ہی کے سپرد کر دیا گیا۔ شیخ ابو رشید کو فقہ اور کلام میں بزراد رک حاصل تھا۔ اور بقول امام ابو محمد عبد اللہ بن الحسین۔ میں نے کئی اصحاب علم اور شیوخ سے سنا کہ جب قاضی القضاۃ سے کہا گیا کہ جس طرح مذاہب کے فقہی مجموعے ہیں جن میں دلائل اور مباحث سے تعرض نہیں کیا جاتا اسی طرح اگر فقہ الکلام بھی تحریر کی جائے تو کیسا رہے گا؟ تو حضرت قاضی القضاۃ نے اس رائے کی تصویب کی اور دیگر تصانیف کی تکمیل کے باوجود حکم دیا کہ ابو رشید سعید ہی فقہ الکلام لکھیں چنانچہ یہ مشکل اور اذوق کام ابو رشید ہی نے مکمل کیا اور ”دیوان الاصول“ لکھ کر علم کلام کی پہلی فقہی کتاب لوگوں کے ہاتھوں دیدی۔



ابوالفتح اصفہانی

343

امام ابوالفتح اصفہانی وقت کے قد آور معتزلہ میں سے تھے بڑے عالم اور بڑے ہی فاضل تھے۔ آپ کے علمی شہرے کو دیکھ کر سلطان محمود غزنوی (1030 م) نے اپنی خواہش سے آگاہ کیا کہ وہ تین معتزلی علماء۔ دارالحکومت غزنی بھجوادیں تاکہ یہاں آکر لوگوں میں رشد و ہدایت اور صحیح عقائد کی تبلیغ کریں۔ چنانچہ ابوالفتح نے علاقہ نیشاپور سے تین جید علمائے معتزلہ کا انتخاب کر کے غزنی روانہ کئے ان میں سے ایک تو جامع مسجد کے امام ابو صادق دوسرے۔ ابوالحسن الصابری المعروف بہ سیبویہ۔ اور ایک اور امام کو ابوالفتح نے غزنی روانہ کر دیا انہوں نے غزنی پہنچ کر اپنی افکار و نظریات کی تبلیغ شروع کر دی لوگوں نے حد سے بڑھ کر غزنی فکر کی پذیرائی کی۔ سلطان محمود اپنے ہم فکر علماء کی کارکردگی سے بے حد محظوظ ہو گئے کہ ان کی ذاتی دلچسپی شربار ہوئی۔ اس طرح اصفہان کے بڑے عالم۔ ابوالفتح جن کا تعلق۔ معتزلہ کے 12 ویں طبقے سے تھا اپنے مشن میں انتہائی کامیاب رہے۔

(ط۔ م صفحہ 118)



ابن شروین

344

ابو الفضل العباس بن شروین عالم، متکلم، ادیب، صاحب فصاحت اور صاحب زہد تھے۔ شاعر بھی تھے اور ایک لاکھ شعر یاد بھی تھے، علم کلام میں متعدد اور ”وزن دار“ کتابیں لکھیں قاضی القضاۃ عبد الجبار بن احمد بن عبد الجبار الہمدانی (1025 م) کے شاگرد تھے سکہ بند معتزلی تھے۔ تیرہویں طبقے میں شمار ہوتے تھے۔ احمد بن محمد کو عمر بر باد کرنے پر تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

صناع عمر الشباب عنى فاحشى

ان عمر المشيب ايضا يضيع

جوانی یونہی بے مقصد گئی اب ڈر ہے کہ بڑھا پا بھی ضائع جائے۔

(ط۔ م صفحہ 117)



امام ابن حزم اندلسی (1066م)

345

ہمارے انقلابی امام ابو محمد علی بن حزم عالم تھے فقیہ تھے شاعر تھے۔ ادیب تھے۔ مفسر تھے، محدث تھے، سخن سنج و سخن طراز تھے اور الفاظ کے تیور سے مضمون اخذ کرنے والے تھے، رئیس بن رئیس اور ابن رئیس تھے مال

دولت کی فراوانی کے باوصف اپنے کو ڈی کلاس بنائے رکھا تھا غریب پرور تھے۔ انسان آشنا تھے، سرمایہ کے سانپوں کا سر کچلنے والے تھے۔ ظاہری مسلک کے حامل ہونے کے باوصف قرآن کے معانی آزادی فکر سے کرتے تھے روشن فکر بایں شان تھے کہ موسیقی جس سے ظواہر پرست اور سلفی الٰہ جک ہیں اور حرام مطلق کہتے تھے ابن حزم اسے حلال مطلق ثابت کرتے تھے ان کا رسالہ ”المغناء“ ایک انتہائی بلند پایہ تحریر ہے آپ کا عقیدہ ہے کہ اللہ کو تمام توانائیاں حاصل ہیں جن میں ٹوٹ پھوٹ ناممکن ہے لہذا انبیاء کے لئے معجزہ اور کرامت کا عقیدہ رکھنا اللہ کی توانائیوں میں مداخلت ہے۔ فمنع ان یکون الخوارق علی ایدی احد من الناس وعنده ان الناس جميعا سواء لا فضل فی الخلق والتکوین لاحد۔ فلا تقدیس صالح ولا تعتقد قوة خارقة لصالح او غیر صالح

ابن حزم اپنی فکر میں کسی بھی انسان میں کایا پلٹ۔ توانائی نہیں مانتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ تمام انسان برابر ہیں کسی کو کسی پر نہ پیدائش میں برتری حاصل ہے نہ ہی اشیاء کو وجود میں لانے کی غیر معمولی توانائی حاصل۔ لہذا کسی کے تقدس کا اس معنی میں اعتراف کہ وہ بہت سی توانائیوں کا مالک ہے غلط ہے۔ کسی کو بھی قوت خارقہ حاصل نہیں ہے وہ مرد صالح ہے یا غیر صالح!!

ابن حزم اپنے خیالات میں کسی حد تک وسیع الظرف تھے اس کا اندازہ ان کے موسیقی نامہ سے ہو سکتا ہے جو میری مبسوط کتاب ”مصورى، موسیقی اور طریقہ رقص“ میں شامل ہے نیز ”لینن نے پہلے ابن حزم“ جو میری کتاب ”قرآن کا معاشی نظریہ“ کا اہم حصہ ہے مطالعہ کر کے صحیح فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

سر سید کا عقیدہ تھا کہ ”نسخ“ دھوئیں کی پیداوار ہے جس طرح دھواں ٹھوس وجود نہیں رکھتا پکڑ میں نہیں آ سکتا اسی طرح دھوئیں کی دیوار بھی ”روک“ نہیں بن سکتی اسی طرح ہمارے ابن حزم بھی بعض مقامات پر نسخ کی دیوار چھاند کر صفایا کر دیتے ہیں۔ ابن حزم اپنے اکابر کے برعکس اللہ کے ہاتھ، پاؤں، چہرہ، کرسی وغیرہ کی تاویل کرتے تھے اور کھلے طور پر لباس اعتزال میں ممدوار ہوتے اور جرأت سے تقدس کے منافی صفات پر الفاظ کی آگ اُگتے ہیں اس طرح ان کا حق بنتا ہے کہ ان کا شمار سفیران قرآن میں کیا جائے۔

ابن حزم کے دادا سعید نیز یگانہ روزگار اور خلیفہ عبدالرحمان المستطہر کے وزیر اعظم تھے بلکہ خود ہمارے ممدوح ابن حزم بھی بنی عامر گورنمنٹ کے عہد میں وزیر رہ چکے تھے۔ آپ آخر عمر میں قرطبہ کی ”مغیرہ“ سٹریٹ (MUGHEERAH. ST) کو چھوڑ کر۔ باب العطار دین جسے آجکل اشبیلیہ گیٹ سے پکارا

جاتا ہے رہائش پذیر ہوئے تھے 1963 میں اشبیلیہ گیٹ کی سینکڑوں عمارات گرا کر وسیع میدان میں تبدیل کر دیا گیا پھر اسی میدان کے وسط میں ایک بلند و بالا چبوترہ بنایا گیا اور اسی چبوترے پر سیف و قلم کے عظیم راہوار اور اسلام کے بڑے مفکر امام ابن حزم کا مجسمہ نصب کیا گیا افتتاح کے موقعہ پر آثار قدیمہ کے بیس غیر ملکی سکالر اور غیر ملکی تمام سفراء جنہیں حکومت سین نے مدعو کیا تھا موجود تھے بطور خاص مغربی ملکوں اور میڈرڈ کی تمام علمی و ثقافتی اکیڈمیاں دن رات محو حرکت رہیں 12 سے 18 مئی 1963 تک ہفتہ ابن حزم منالیا گیا بعد میں جنرل فرانکو نے ایک ایسے مفکر کے مجسمے کی نقاب کشائی کر لی تھی جو فرزند قرطبہ بھی تھے اور کاروان فکر و نظر کے امام بھی۔



محمد مہر یزد (1067م)

346

محمد بن علی بن محمد بن مہر یزد دایو مسلم (1067 م) نے بیس جلدوں میں تفسیر لکھی۔ تفسیر و ادب کے بڑے امام تھے۔ معتزلی تھے اصفہان میں وفات پائی۔ ❖ (زر کلی 163/7 بحوالہ شذرات الذهب 307/3)

علی یزداد (1067م)

347

واسط کے جج علی بن محمد بن الحسن ابن یزداد۔ ابو تمام العبیدی (1067 م) قرآنی دانشور تھے۔ بڑے محدث تھے۔ سکندرمعتزلی تھے۔ خلق القرآن کا عقیدہ رکھتے تھے۔ ❖ (میزان الاعتدال 238/2)



ابن بشران (1070م)

348

امام محمد بن احمد بن مسہل ابو غالب عرف ابن بشران (1070 م) ادیب تھے شاعر تھے قرآن کے بڑے دانشور تھے صاحب تصانیف تھے مگر عرصہ دراز گزرنے پر تصانیف تلف ہوتی چلی گئیں۔ حفاظت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ صرف اشعار العرب کے نام سے ایک دیوان محفوظ ہو سکا جو موجود ہے۔

(ارشاد الاریب جلد 6/329۔ لسان المیزان 43/5)



ابو علی بن الولید (1086م)

349

امام محمد بن احمد بن عبد اللہ بن احمد ابو علی بن الولید (1086 م) قرآن پاک کے بڑے شیدائی اور جاں نثار دانشوروں میں سے تھے علم کلام میں کامل دسترس رکھتے تھے فلسفہ اور منطق کا درس دیتے تھے اپنے زمانے کے متکلمین کے رئیس تھے۔ قرآن کی حاکمیت کے جرم میں بڑی اذیتوں سے دوچار ہوئے۔ ابن الجوزی لکھتے ہیں کہ

”سلفیوں نے پچاس سال تک آپ کو گھر میں محبوس رکھا باہر قدم رکھنے

(المنتظم طبع مصر 20/9)

نہیں دیا۔“



صندلی (1091 م)

350

علی بن الحسن الصندلی ابو الحسن (1091 م) معتزلی تھے۔ مذہبی لیکچر دینے اور وعظ کرنے کی خصوصی صلاحیت رکھتے تھے۔ نیشاپور سے وابستہ تھے معتزلہ کے اصول پر تفسیر القرآن بھی لکھی تھی۔ سلطان طغرل بیگ جب بغداد میں داخل ہوئے تو ابو الحسن صندلی کو ساتھ لے گئے تھے لیکن جلد ہی نیشاپور واپس آ گئے اور زہدانہ زندگی بسر کرنے لگے اور بڑے لوگوں سے ملنا ترک کر دیا ایک دفعہ سلطان ملک شاہ نے اسے دیکھا تو کہا،

”صندلی تم عجیب بندے ہو کہ تمہارا اعزاز چاہتے ہیں اور تم ہم سے

کھینچے کھینچے سے رہتے ہو۔“

فرمایا،

”میں چاہتا ہوں کہ تم ایک اچھے سربراہ مملکت کا انداز اختیار کرو اور علماء

کو خود ملنے جاؤ۔ نہ کہ میں بدترین علماء کا کردار ادا کروں اور تمہاری دربار کی رونق

(الجواهر للضیفة جلد 1/357)

بنوں۔“



حاکم الجشمی (1101 م)

351

الحسن بن محمد بن کرامۃ الجشمی البیہقی ابو سعید (1101 م) عرف حاکم الجشمی مفسر تھے علم الکلام اور اصول فقہ کے عالم تھے مشہور معتزلی۔ مفسر امام زحتری (1144 م) کے استاذ تھے حقیقت، زیدیت اور اعتزال سے وابستہ تھے۔ تفسیر اور علم الکلام میں کافی کتابیں لکھیں۔ بحیثیت مجموعی زیدیت غالب رہی۔ (زرد کلی 177/6)



ابو مضر ضبی (1116 م)

352

محمود بن جریر الضحی الاصبہانی البومضّر (۱۱۱۶ م) پہلے نابھہ ہیں جن کی مساعی سے خوارزم وغیرہ میں فکرِ اعترال متعارف ہوئی یہ لغت، نحو، صرف اور فنِ طب کے ماہر شناسا اور قاضی تھے لوگ ان کی خوبیوں کو ضرب المثل کے طور پر ذکر کرتے تھے۔ امام زبختری ان ہی کی درسگاہ کے ایک طالب علم تھے۔

(تاریخ حکماء الاسلام صفحہ ۱۳۹۔ ارشاد الاریب ۱۴۵/۷)



ابوالوفا بغدادی (۱۱۱۹ م)

353

علی بن عقیل بن محمد بن عقیل بغدادی عرف ابوالوفا (۱۱۱۹ م) بڑے زبردست عالم تھے۔ استدلال کے ماہر تھے حنابلہ کے شیخ تھے بعد میں اعترال پسند بن گئے تھے ایک وقت میں۔ انسا الحق۔ والے منصور حلاج کے بارے میں حسن ظن کا اظہار کیا تو حنابلہ نے اسے واجب القتل قرار دیدیا لیکن وہ تاب ہو گئے اور پھر سے اپنا علمی مقام بحال کیا آپ نے معتزلہ کی حمایت میں ”الرد علی الاشاعره“ لکھی اور موضوع کے لحاظ سے میدان مار لیا۔ ❀ (شذرات الذهب ۳۵/۴۔ غایۃ النہایہ ۵۵۶/۱)

امام ابوالقاسم حریری (۱۱۲۲ م)

354

امام ابوالقاسم حریری (۱۱۲۲ م) اپنے وقت کے بلند پایہ عالم تھے ادیب تھے۔ انشا پرداز تھے، خطیب تھے۔ امام محترم نے عربی ادب کو دلچسپ بنانے کے لئے ”مقامات“ کے نام سے ایک زبردست کتاب لکھی جس کا مغرب کی بیشتر زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے آپ مسلکِ معتزلی تھے مگر ہر طبقہ فکر نے آپ کو بڑھا، سراہا اور محترم جانا آپ کو اصنافِ سخن پر اتنا عبور حاصل تھا اور ادب کے ہر موضوع پر لکھنے میں اس قدر بے تکلف تھے کہ گذشتہ ایک ہزار سال میں آپ کا مثیل پیدا نہیں ہوا۔ حسنِ کلام ہو۔ یا حسنِ عبارت۔ بلاغت ہو خواہ معانی۔ ضرب الامثال ہو یا کلام کی دقیق رمزیں۔ کارہائے الفاظ و محاورات کی تحقیق ہو خواہ استعمالاتِ عرب کی تصحیح۔ معانی کے نباض اور الفاظ کے دھنی تھے آپ زبردست قسم کے شاعر بھی تھے۔ ”دیوانِ رسائل“ آپ کی مشہور کتاب ہے۔ آپ نے درۃ الغواص فی اوہام الخواص _____ ملحة الاعراب _____ صدور زمان الفتور و فتور زمان الصدور۔ (تاریخ میں)۔ اور توشیح البیان کے عنوان سے اعلیٰ پائے کی کتابیں لکھیں جن میں بیشتر طبع شدہ ہیں۔

۱۸ ویں صدی میں مقامات کا لاطینی زبان میں ترجمہ ہوا۔ روکرت (Ruckert) نے جرمنی میں

اگلے پائے کی کتابیں لکھیں جن میں بیشتر طبع شدہ ہیں۔

۱۸ ویں صدی میں مقامات کا لاطینی زبان میں ترجمہ ہوا۔ روکرت (Ruckert) نے جرمنی میں

ترجمہ کیا اور انگریزی کا ترجمہ Chemistry and Sleingass کے عنوان سے ہوا۔

دوفیات الاعیان جلد 419/1 - خزائنہ البغدادی 117/3 - مرآة الزمان 109/8 - دائرة المعارف



الاسلامیة 365/7

امام زرخشری (1144م)

355

چھٹی صدی ہجری کے پہلے عشروں میں جب کوئی۔ زائر۔ بیت اللہ الحرام۔ میں داخل ہوتا وہاں ایک شخص ملتا جسے طالبان علوم قرآن گھرے میں لئے رہتے وہ انہیں ادب، انشاء، لغت، محاورات، اشعار اور مفردات کے تنوع سے جوابات دے کر ان کے پیار سے حلق میں اطمینان کے ماء حیات سے قطرے پکاتا۔ یہ تھے آفاق علوم کے آفتاب فردزاں۔ امام ابوالقاسم محمود بن عمر زرخشری (1144م)۔ آپ علوم عربی، فقہ، تفسیر اور کلام کے بحر ذخائر تھے۔ اشارات بیانہ، کے ذریعے قرآنی رموز و معارف سے پردہ اٹھانے کی خاص مہارت اور صلاحیت رکھتے تھے۔ اعتزال میں راسخ تھے انہوں نے اس خیال کو تجربہ مشاہدہ اور علم کی روشنی میں رد کر دیا ہے کہ۔ عہد صحابہ میں قرآن کو بالکل سمجھ لیا گیا ہے؟ اور اب ہم کو انہیں کی فہم و فراست پر قناعت کر لینی چاہئے۔ یادریوزہ گر بننا چاہئے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسے لوگ قرآن کی حقیقت سے نا آشنا ہیں۔

امام موصوف بہت ہی منفرد صلاحیتیں رکھتے تھے، مجتہد تھے خیالات میں انفرادیت کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ بے باک تھے ان دنوں یہ مسئلہ نمودار ہوا تھا کہ۔ کیا۔ اللہ سبحانہ سزا کے بطور اپنے لطف و کرم کا در بند کر سکتے ہیں؟ کہتے ہیں زرخشری، حاکم جمعی اور امام منصور۔۔۔ زیدی اس کے قائل تھے۔ (طبقات احمد بن حنبلہ صفحہ 20) جبکہ مسئلہ اختلافی ہے دلائل کی توانائی معتزلہ کی اکثریت کے ساتھ ہے۔ آپ شبلی کے بقول اپنے گھر اور وطن میں سکون کا سانس نہ لے سکے جہاں گئے اعتزال کی وجہ سے لوگوں نے ڈکھسنے پر مجبور کیا۔ بالآخر کعبہ شریف کے مجاور بن کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کو ادب، لغت اور اشارات بیانہ پر بڑا عبور تھا اور ان ہی علوم کو اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ امام تمنا عمادی (1971م) نے راقم کو مختلف خطوط میں سے ایک خط میں وصیت کی تھی کہ زرخشری پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ تاہم تمام خوبیوں اور کمالات کے باوصف حضرت موصوف کے فضائل سور اور فضائل آیات کے بیان کا شیوہ مجھے اچھا نہیں لگا کہ اس سلسلہ کی احادیث زیادہ تر وضعی اور



امام زکری

اعتبار کے قابل نہیں ہوتیں۔

(وفیات الاعیان 81/2 - ارشاد الاریب 147/7 وغیرہ)



ابوالبرکات (1145م)

356

عمر بن ابراہیم بن محمد الحسینی العلوی ابوالبرکات عرف الشریف عمر (1145م) حدیث اور لغت کے امام تھے۔ ولادت اور وفات کوئی ہی میں ہوئی وہ کہتے تھے کہ میں۔ فتوے تو زیدی فقہ کے مطابق لکھوں گا مگر میرا عقائدی مسلک اعتزال ہے۔ میں ”خلقی“ قرآن کا قائل ہوں۔

(میزان الاعتدال 249/2 - لسان المیزان 280/4 - انباء الرواة 324/2)



علی العمرانی (1165م)

357

علی بن محمد بن علی بن احمد ابوالحسن العمرانی (1165م) علمائے معتزلہ میں سے تھے۔ علمی پس منظر رکھتے کہ ایک بڑے علمی گھرانے کے فرزند تھے۔ سلطان خنجر بن ملک شاہ کے ہاں بڑے رفیع المنزلت تھے۔ پھر مزاج شاہی بگڑا تو 545 ہجری میں جیل بھجوا دیا۔

(التکملة ابن الابار طبع مصر صفحہ 665)



ابن رشد (1198م)

358

ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد (1198م) الفیلوف الاندلسی ایک روشن فکر مسلمان تھے تقلید اور فکری ارتکاز کو شعور و آگہی کے زوال کا موجب کر دانتے تھے۔ وہ خدا آشنا اور خدا فروز تھے۔ معتزلہ کے مجتہدانہ لہجہ میں بات کرتے اور ان ہی کے اندازِ تکلم میں الفاظ کے مزاج سے بحث کرتے تھے وہ گروہی اساس پر تعقل اور تدبر کے قیمتی اثاثے کو راگیاں نہ کرتے تھے جبکہ عقل بیزار۔ اسے دین میں رخسہ اندازی سے تعبیر کرتے تھے چنانچہ سوچ کے اسی بحران نے ابن رشد کو مجبور کیا کہ اپنے زاویہ فکر کو ”جدیدیت“ کی توانائی سے آشنا کریں یعنی فکری ارتکاز کے کوچے میں قدم ہی نہ رکھیں چنانچہ وہ حقائق معلوم کرنے کے لئے غور و تدبر کو زیادہ فوقیت دیتے تھے۔ وہ متکلم تھے۔ فیلسوف تھے، مقنن تھے، مجتہد تھے فقیہ تھے، مبصر تھے انکی نظر۔ وسعت طلب تھی وہ ”محدودیت“ کے مقابل ”آفاقیت“ کو ترجیح دیتے تھے وہ مذاہب و مسالک کا آزادانہ مطالعہ کرنے کے خوگر تھے۔ رائج فلسفہ اور علومِ آلیمہ پر اتنی دسترس حاصل تھی کہ ارسطو کے شارح اور مترجم اس شان سے بنے کہ و نیا جو



ابن رشد

حیرت رہ گئی۔ یہ درست ہے کہ انہوں نے رسمی طور پر قرآن پاک کی تفسیر نہیں لکھی مگر ”بداية المجتهد“ میں احکام کی حکمت واضح کرنے کے لئے جو اسلوب اختیار فرمایا وہ احکام القرآن کے ضمن میں انوکھا اور منفرد اسلوب ہے انہوں نے قدیم اور جدید فلاسفہ کی افکار کی تہہ تک پہنچے اور استدلال کے سوتے معلوم کرنے کے لئے انعام (90) کو رہنمایا کر ”فصل المقال فیما بین الشریعة والحکمة من الاتصال“ کے عنوان سے ایک زبردست کتاب لکھی جس میں شرعی مسائل کی حکمت اور عقلی معیارات کے مطابق اسلام اور دیگر مذاہب کے علاوہ خود فرقہ بند مسلمانوں کو بھی دعوتِ فکر دی ہے کہ وہ عقل و شعور سے بیگانگی کا اظہار کر کے ایک زندہ شعور کے زوال کا باعث نہ بنیں اور قدرت نے جن صلاحیتوں سے انہیں نوازا ہے ان کا صحیح استعمال کریں۔ اس طرح ابن رشد قرآن کے دانشور تھے اور دانش قرآن کے حوالہ ہی سے بات کرتے تھے وہ چونکہ معتزلہ کے آہنگ میں بات کرتے اور فلسفے کی رنگ آمیزی سے اپنی فکر کو مزین بناتے تھے لہذا صاحبانِ جبہ و دستار نے قرطبہ کے حاکم منصور المومنی کو اس کے الحاد اور لبرل پالیسی کا باور کرایا منصور عقیدت مند ہونے کے باوصف پھر گیا اور ہمارے ابن رشد کو دلیس نکالا دیدیا۔ بعد میں اگرچہ جلد ہی نادم ہو کر واپس آنے کی استدعا کی مگر اب موت نے راستہ روک رکھا تھا اور آپ مراکش ہی میں فوت ہوئے تاہم آپ کی میت کو قرطبہ منتقل کر کے شاہی اعزاز کے ساتھ فرزندِ وطن کو وطن ہی میں دفن کر دیا گیا۔ گوکہ بظاہر ابن رشد منوں مٹی تلے چھپا دیئے گئے تھے مگر حالات نے ایک بار پھر پلٹا کھایا کہ تقریباً 769 سال بعد انہیں مٹی کی گہری تہوں سے نکال کر باہر لایا گیا اور اب ابدالاً بات تک انہیں ہر شخص دیکھ سکے گا۔ یعنی ہسپانیہ گورنمنٹ نے فیصلہ کیا کہ ماضی کے سپین میں جتنے مسلم دانشور، تھنکر، مفکر اور مختلف صلاحیتوں میں امتیازی حیثیت رکھنے والے گزرے ہیں وہ سرزمینِ اندلس کے لئے سرمایہٴ افتخار ہیں ان کے یادگاری مجسمے نصب کر کے ان کے نام اور کام کو زندہ رکھا جائے چنانچہ ابن حزم (1064 م) کے مجسمے کی نقاب کشائی کے بعد جنرل فرانکو نے اسلام کے اس عظیم سپوت کو ساری دنیا کے دانشوروں کے ہجوم میں خراجِ تحسین پیش کیا اور 23 اکتوبر 1967ء کو دنیا بھر کے مدعو سکالروں، تھنکرز، اور مغربی ممالک کے تعلیمی اداروں کے سربراہوں خصوصاً فرانس، جرمنی، اٹلی، گریٹ بریٹن اور سپین کی تمام جامعات کے رؤسا اور سفارت کاروں نے قرطبہ میں ہفتہٴ ابن رشد منایا اور شہر کے ایک بڑے چوک میں کانسی کا ایک عظیم الشان مجسمہ نصب کر کے ابن رشد کو بھرپور خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔ ملاحظہ ہو شخصیت نمبر 358 کی تصویر۔



امام رازی

دین و دنیا کے رجل رشید۔ فخر الحدیث، فخر العلماء، فخر المفسرین، فخر الفقہاء، فخر المتکلمین محمد بن عمر بن
 الحسین القرطبی عرف امام فخر الدین رازی (1210 م) آپ واحد عالم تھے جو معقول و منقول میں یکساں دسترس
 رکھتے تھے جن کی تفسیر پہلی تفسیر ہے جس میں ماضی اور حال کے تمام علماء اور متکلمین کے اقوال و آراء کو سمو دیا گیا ہے
 بلاشبہ رازی مسلک و مذاہب اقوال و آراء کا ایک انسائیکلو پیڈیا ہے آپ نے کمال احتیاط سے ہر فریق کے دلائل
 کو بڑی خوبی سے نقل کیا ہے۔ اب اگر دنیا سے کوئی کتاب ناپید ہو گئی ہے اور ہمارے فخر نے اس کے حوالے سے
 بات کی ہے تو رازی پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ آپ کی مجالس میں شاہ و گدا یکساں حاضر ہوتے اور درس قرآن سے
 یکساں استفادہ کرتے تھے۔ آپ مالدار تھے و لاکھ سونے کے دینار کے مالک تھے اور دوسو کتا میں لکھیں۔ بعد
 میں کتا میں تو رہ گئیں کہ علم فانی نہیں ہوتا مگر سونے کے دینار نہیں رہے کہ آپ نے خاندان کے تمام افراد میں
 تقسیم کر کے عملاً فنا کے گھاٹ اتار دیئے آپ اشعری کے پیروکار رہے مگر کہیں بھی عقل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا
 وہ علم کے بچے سمندر تھے جس کا کنارہ نہیں تھا۔ کہنے دیجئے کہ وہ اپنے پیرو مرشد اشعری سے زیادہ عالم تھے اس
 نے اس کا مسلک اختیار ضرور کیا اور دفاع کا حق بھی ادا کرتے رہے تاہم سینکڑوں مسائل ایسے بھی ہیں جن میں
 اعتدال اور میاندروی سے کام لے کر اعتزال کے دلائل کو نیز وزن دیا ہے بلکہ زیادہ ہی وزن دیا ہے جس سے
 معلوم ہوتا ہے کہ اشعریت آپ نے شوقیہ اختیار کر لی تھی کہ وسط ایشیا میں اشعریوں کا اور عرب و ایران میں
 معتزلہ کا زور تھا۔ آپ چونکہ فکری ارتکاز (تقلید) کے خلاف تھے اور معروضی حالات میں کسی علمی توجہ کو "نئی"
 بات کہہ کر مسترد نہیں کرتے تھے ان کا مسلک تھا کہ نئی فکر سے نئی توانائی ملتی ہے لہذا اسے مسترد کر دینے کی کوئی وجہ
 نہیں ہے۔ زمانہ ماضی میں لکھنے پڑھنے اور علمی نکات پیدا کرنے والے بھی انسان تھے اور ان کے بعد یا۔ آئندہ
 سوچنے والے بھی انسان ہی ہو گئے۔ البتہ عربیت کا پاس اور لحاظ کرنا ضروری ہے آپ نے ابو محمد مسلم بن
 بحر الاصفہان کی تفسیر کو اپنی تفسیر میں سمو کر اسے دوام بخشا ہے بلاشبہ رازی قرآن کے ایک بڑے دانشور تھے۔
 لوگوں نے طنزاً یہاں تک کہا ہے کہ تفسیر مفاتیح الغیب میں سب کچھ ہے مگر تفسیر نہیں ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے
 کہ ان لوگوں نے رازی سے انصاف نہیں کیا۔ یا۔ پھر مفاتیح الغیب کو توجہ سے پڑھا ہی نہیں۔ وہ اگرچہ
 اشعری تھے اس کے باوصف سلفیوں نے ہر دور میں ان کی مخالفت کی ہے کیونکہ وہ عقل کی بالادستی نہیں چاہتے
 تھے۔ بائیں ہمہ رازی صاحب وحی نہیں تھے اپنے مسلک سے بے انصافی نہ کر سکتے تھے راقم الحروف نے کہیں
 گستاخی کر بھی لی ہے تو گستاخی کے لئے لب و لہجہ اور مواد وہی استعمال کیا ہے جو ان کی فکر سے کشید کر رہا ہوں۔

ابن ابی الحدید (1257م)

360

عبد الحمید بن حبیب اللہ بن محمد بن الحسین عرف ابن ابی الحدید (1257م) ابو جعفر الدین۔ اعیان معترکہ میں سے تھے۔ اعلیٰ قسم کا شعری ملکہ پایا تھا اور اسی مناسبت سے اعلیٰ قسم کا شعر بھی موزوں کرتے تھے۔ تاریخ پر پورا عبور رکھتے تھے اور بڑے انشا پرداز تھے۔ نہج البلاغۃ اور کئی کتابوں کے شارح تھے۔ سلطانی دفاتر میں کام کرتے تھے بغداد میں فوت ہوئے۔

(فوات الوفیات 1/238۔ البدایہ والنہایہ 13/199۔ ابن خلکان 2/158)



البیضاوی (1286م)

361

عبد اللہ بن عمر بن علی البوسعید ناصر الشیرازی البیضاوی (1286م) زبردست مفسر تھے امکانی حد تک عقلیات کو ترجیح دیتے تھے۔ بڑے علامہ تھے، مکتہ در تھے۔ شیراز کے قریب ”بیضا“ قصبے میں پیدا ہوئے۔ شیراز کے قاضی رہے بعد میں تبریز چلے گئے اور وہیں پر وفات پائی۔ بلند پایہ کتابوں کے مصنف تھے، معتزلہ کی طرح قرآن کے وہ معانی جو حدیث کے ذریعہ تجویز کئے جاتے تسلیم نہ کرتے تھے۔ اُن کا منہج تفسیر ان دانشوران قرآن سے ملتا جلتا تھا جو حدیث کو روایت بالمعنی کہتے اور روایت باللفظ تسلیم کرنے سے انکار کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ۔ کوئی محدث اور راوی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ جو روایت کر رہا ہے اس کے الفاظ بعینہ وہی ہیں جو آنحضرتؐ کے دہن مبارک سے نکلے۔ اس طرح قدیم سے جدید۔ مانتے ہیں کہ۔ لغت اور معانی کے ضمن میں جہاں کہیں حدیث کا حوالہ ہے وہ ظنی اور اختراعی ہے لہذا حجت نہیں ہے۔ تاہم بعض لغت نویسوں نے ظنی اعتماد کر کے حدیثی لغت لکھے بھی ہیں لیکن خود انہوں نے یا دیگر نے حدیثی لغت کو حدیثی الفاظ کی تحلیل تک ہی محدود رکھا ہے۔ قرآن کے دامن تک پہنچنے نہیں دیا۔

امام بیضاوی کی تفسیر ”انوار التنزیل و اسرار التاویل“ کے نام سے مشہور ہے اس میں آپ نے احتیاطاً لغات الحدیث سے کنارہ کیا ہے تاہم یہ احتیاط اتنی بھی سخت نہیں تھی کہ۔ کسی طرح کی کج ادائی سے پاک ہو۔ پھر بھی جو کچھ تھے تاویل و تشریح میں معتزلہ کو وزن دیتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ جلد 13/309۔ دائرۃ المعارف دفالہ برو کلما نی جلد 4/418)

حدیث کے ذریعے لغت کا سہارا لینے کی ایک مثال ملاحظہ ہو جس سے اندازہ ہوگا کہ قرآن کچھ کا کچھ

بن جاتا ہے 929م کے واقعات میں لکھا ہے کہ اسراء۔ 29۔ کی تفسیر میں بغداد والوں میں خون ریز چپقلش رہی۔
 آیہ کریمہ ہے کہ ومن اللیل فتحہجد بہ نافلۃ لک عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا۔
 اے مخاطب علیک السلام رات کو آپ کے لئے تہجد کے نام سے اضافی
 صلوٰۃ ہے جس کے صلے میں اللہ عنقریب ہی آپ کو قابل تعریف مقام پر فائز کرے
 گا۔ (اسراء، 29)

چپقلش۔ یہ تھی کہ۔ مقام محمود۔ کیا ہے؟۔ اس بارے میں ”حنابلہ“ کی ترجمانی کرتے ہوئے اسحاق
 مروزی واضح کرتے ہیں کہ
 ”مقام محمود سے مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے تخت پر حضور ﷺ کو اپنے
 ساتھ بٹھائیں گے۔“

بات گھل گئی کہ سلیفوں کے ہاں مقام محمود اللہ کے ساتھ ہم نشینی کو لازمی قرار دیتا ہے لہذا یہ مقام کسی
 اور انسان کو نصیب نہیں ہو سکتا لیکن یہاں مشکل یہ ہے کہ اس جعلی حدیث اور جعلی مفہوم کو تسلیم کرنے سے قرآن
 پاک کی متعدد آیات کی تکذیب لازم آتی ہے۔ خاص کر اللہ کے ساتھ بیٹھنے کا تصور غیر قرآنی تصور ہے۔ البتہ۔
 انجیل مرقس (19,16) میں غالباً مسیح کو ہم نشین خدا کہا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ان کا تصور یہ ہے کہ بیٹا اپنے باپ
 کے ساتھ بیٹھ سکتا ہے۔ اس طرح مسئلہ ہمارا نہیں غیروں کا ہے تاہم سلیفوں اور حنابلہ سے ہم نہیں الجھ سکتے کہ وہ
 عرش و کرسی۔ اللہ کے جوارح، اعضا اور شکل و شبابت اور آدم جیسی جسامت کے قائل ہیں وہ قرآن کے لبس
 کشلہ شینی۔ اور دیگر آیات تنزیہ کو ٹھنڈے پیٹوں تسلیم نہیں کر سکتے یہی وجہ ہے کہ حنبلیوں نے جب امام محمد
 بن جریر طبری کو گھیرے میں لے کر دریافت کیا تو انہوں نے مقام محمود کی حنبلی تشریح سے انکار کرتے ہوئے فرمایا
 کہ۔ ان حدیث الجلوس علی العرش محال

عرش پر کسی انسان کا اللہ کے ساتھ مل کر بیٹھنا محال اور ناممکن ہے اور
 ساتھ ہی یہ شعر کہا کہ

سبحانہ من لیس لہ انیس

ولا لہ فی عرشہ جلیس

پاک ہے وہ ذات جس کا نہ مونس ہے نہ کوئی ہمد اور نہ ہی عرش پر بیٹھنے
 میں اس کا ساجھی ہے۔

(کامل ابن اثیر واقعات 929 م وغیرہ۔ نیز اختلاف الفقہاء طبری طبع قاہرہ جلد 19/2)

طبری کے اس جواب سے ہزاروں جنبی آپ پر ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے ہلکان کر دیا۔ بلکہ جس گھر میں وہ پناہ لینے کے لئے داخل ہو گئے گھر کے دروازے پر اتنا پتھراؤ کیا کہ ایک نیکہ بن گیا۔

غرض کہ اس طرح تفسیر نبوی کے ذریعہ توحید خدا اور صفات الہی کو جس طرح باز سچا اطفال بنایا جاتا رہا بیضاوی نے گریز کر کے اپنی عاقبت سنواری اور غیر اعلانیہ حریت فکر اور اعتراض کی آبیاری کی۔ نیز ملاحظہ ہو شخصیت نمبر کتاب ہذا۔

یہ یاد رہے کہ وہ بھی ہیں جو تہجد کو رکوع و سجود والی عبادت تسلیم ہی نہیں کرتے۔



محمد بن ابی بکر الہمدانی (1321 م)

362

امام محمد بن ابی بکر بن ابی القاسم الہمدانی (1320 م) عرف سکا کینی۔ ایک زبردست عالم تھے فکرِ اعتراض سے لیس تھے۔ ”جبہر“ کے منکر تھے لوہار تھے چھریاں اور چاقو بناتے تھے عربی میں چاقو اور چھری کو ”سکین“ کہتے ہیں ”سکا کین“ اس کی جمع ہے۔ ان کے مرنے کے بعد کسی جبری نے اسلام کے خلاف ہاتھیں لکھ کر سکا کینی کی طرف منسوب کر کے اس کی رسوائی کی سازش کی تھی لوگوں کو پتہ چل گیا۔ کسی ردِ عمل کا مظاہرہ نہیں ہوا۔

(البدر الطالع 151/2، الدرر الكامنه 410/3)

دورِ جدید کے دانشورانِ قرآن



امام الکلام، قرآن۔ محمدؐ اور اسلام کا دفاع کرنے والے مجاہد اکبر۔ استدلال کے دھنی اور استخراج کے مولے سید احمد خان (1898م) جس نے صدیوں بعد۔ رجعت الی القرآن۔ کا صُور پھونک کر سوئی ہوئی ملت کو بیداری سے ہمکنار کرنے والے جس نے حسینا کتاب اللہ کے فراموش شدہ درس کی یاد دہانی کرائی۔ جس نے روحِ عصر کو اپنی تعلیمات کا ماثو بنایا۔ اپنے اجتہاد کو نیا آہنگ دیا۔ سید اللہ۔ اور فطرۃ اللہ میں تبدیلیوں اور تغیرات کا انکار کیا۔ اللہ کے قول اور فعل میں تضاد اور ناہم آہنگی کو امکان سے خارج قرار دیا۔ فطرۃ اللہ الہی فطرۃ الناس علیہا (روم، 30) کی ضوء میں فرمایا:

”اللہ کا قانون پیدا نش وہی ہے جس کے مطابق انسان پیدا ہوتا چلا آیا

(روم، 30)

ہے۔“

کوئی بھی انسان غیر فطری طور پر بغیر ہاپ کے پیدا نہیں ہوا۔ وہ ماں ہاپ کے مقطر محلول (قطرہ منی) سے پیدا ہوا ہے۔ (طارق، 5) غرض۔ سید کہتے تھے۔ جو بات بھی اصولِ فطرت کے خلاف ہو وہ سنت اللہ نہیں ہو سکتی، آپ حدیثوں کا احترام کرتے تھے کہ رفع الید یعنی تھے تاہم عقل اور قرآن کی پالیسی، روح اور سپرٹ کے تقاضوں کو مجرد کرنے والی احادیث کو درخور اعتنا نہیں بھی سمجھتے تھے۔ آپ نے پوری جرأت سے قرآن اور اسکی دانش کو اُجاگر کیا اور بغیر کسی تقلیدی نسبت کے اسلام کی خدمت کی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔ لیکن یہ سب کچھ یونہی نہیں اسکی بھی ایک تاریخ ہے پچھنے انیسویں صدی نے برصغیر میں مسلمانوں کے دورِ انحطاط و پستی کو معراجِ کمال پر پہنچتے ہوئے دیکھا لیکن 1857م کے بعد یہی کمالِ اجتہاد اپنے زوال کا دیباچہ بن گیا نسلِ نو نے وہ چشم و چراغ پیدا کر دیئے جنہوں نے مسلمانوں کے افتادہ نظامِ فکر و عمل میں نئے چراغ جلا دیئے اور جو مسلمانوں کو تنزل اور انہدام کے خارِ مغیلاں سے نکالنے میں نہ صرف کامیاب ہوئے بلکہ ان کی حیات کی شاہراہ کو چراغاں کر دیا۔ اس نشاۃ ثانیہ کو رواج دینے اور اس کو پر جوش و منظم طور پر وجود میں لانے کا سہرا تحریکِ علی گڑھ کے سر ہاندھا گیا۔ سرسید جیسا ہوشمند انسان اپنی بصیرت کے بل بوتے پر یہ جان رہا تھا کہ مسلمان سب کچھ تو کھو چکے لیکن ایسا نہ ہو کہ اپنی غفلت سے متاعِ دین و ایمان پچھنے قرآن سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں۔ وہ قرآن کی قوت اور اثر سے خوب واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس پر تصوف، خرافات، روایات و ہزلیات کی دبیز تھیں چڑھا دی گئی ہیں تاہم اسے یقین تھا کہ اگر قرآن محکم کو اتنی موٹی تہوں سے نکال کر سامنے لایا جائے تو یہ اجل



سرمد احمد خان

زده امت حیات نو پاسکتی ہے چنانچہ سرسید نے عام توہمات باطلہ کو مٹانے کی کوشش کی چنانچہ اللہ نے آپ کو چراغ علی، محسن الملک اور امیر علی جیسے مخلص ساتھیوں کی کمک فراہم کی جس سے آپ نے دفاع اسلام کے پروگرام کو دلجمعی سے آگے بڑھایا۔ اور آج جو کچھ برصغیر میں فکری توانائی رنگ بھار ہی ہے یہ سرسید اور چراغ علی کا فیضان ہی ہے۔



چراغ علی (1895م)

364

کہتے ہیں کہ اگر قاضی ابو یوسف نہ ہوتے تو امام ابو حنیفہ کی فکر عام نہ ہوتی۔ یہ اگر مبالغہ نہیں تو میں کہوں گا کہ اگر اعظم یار جنگ کے منفرد نوعیت کے استدلالات سرسید کی حمایت میں نہ ہوتے تو ممکن تھا سید جابلوں کے قشون قاہرہ کا تنہا مقابلہ نہ کر سکتے لیکن (بلاشبہ) اللہ نے ہند کے موسے احمد خان کو چراغ علی (1895م) جیسا ہارون معاون دے کر اپنی سنت کا یہاں بھی اعادہ کیا ہے۔ چراغ علی متعدد کتابوں کے مصنف اور پیشہ علمی مقالات کے محرر تھے۔ ورج ذیل ان کی مشہور و فاعی کتابیں ہیں:

PROPOSED POLITICAL LEQAI

AND

SOCIAL REFORMS UNDER

MUSLIM RULES

اس میں سینکڑوں ان اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں جو یورپ نے یہ دکھلانے کے لئے کہ اسلام نے ارتقاء کے تمام دروازے بند کر دیئے ہیں۔ آپ نے خود انگریز مصنفین کے اعتراضات کی ضوء میں دکھلایا ہے کہ اسلام نے ارتقاء کے تمام بند دروازے کھول دیئے ہیں۔ اس کتاب کو 1882 میں شائع کیا گیا تھا بعد میں 1910 میں بابائے اردو عبدالحق نے اردو ترجمہ بعنوان۔ اعظم الکلام فی ارتقا والاسلام کے نام سے متعارف کرایا۔ دوسری کتاب جو مشہور امریکی مصنف واشنگٹن ارونگ نے جہاد اسلامی پر طرح طرح کے اعتراضات کر کے نبی الاسلام کو تلواری کا نبی مشہور کیا تھا ہمارے چراغ علی نے اس کا بھی بڑی تفصیل سے جواب لکھا ہے۔ نام ہے:

CRITICAL EXPLORER

OF



چراغ علی

THE POPULAR JIHAD

اس کا ترجمہ خواجہ غلام الحسین نے 1912 میں ”تحقیق الجہاد“ کے نام سے شائع کیا ہے۔ اسی طرح آپ نے پادری عماد الدین کی کتاب ”تاریخ محمدی کا مدلل جواب غالباً 1868 میں ”تعلیقات“ کے نام سے لکھا تھا ان جوہر پاروں کے علاوہ آپ نے تہذیب الاخلاق اور دیگر مجلات میں سینکڑوں مقالے لکھے۔ جو تہذیب الاخلاق چمن الدین ایڈیشن کی تیسری جلد میں محفوظ ہیں غرض کہ آپ نے ہر موضوع پر لکھا اور زبردست منضبط مرقع چھوڑا ہے۔ آپ عبرانی، عربی اور انگریزی پر پورا عبور رکھتے تھے مرزا غلام احمد قادیانی نے ان ہی کے علم سے کسب فیض کیا۔ پھر اپنی مستعار صلاحیت سے آریہ اور عیسائیوں سے مناظرے کرنے کے بعد نبوت کے دروازے کھول دیے۔



محمد عبده (1905م)

365

جس نے روح عصر کو اپنی فکر میں سمو یا عصری تقاضوں کو استدلال کا حلیف بنایا اور ”الازہر“ یونیورسٹی کو روشن خیالی کا راستہ دکھایا یعنی امام محمد عبده (1905م) جنہوں نے بغیر کسی فکری نسبت کے شریعت کو آزادانہ چلایا۔ پورے عرب کو قرآن کا منشور ذہن نشین کرایا جو مجتہد تھے سیاست تھے ابوحنیفہ کے پیکر اور مالک کے لباس میں لوگوں کو نئی فکر سے آشنا کیا جو بلاشبہ قرآن کے بڑے دانشور تھے ارتکا و فکری (تقلید) کے حریف اور حریت فکری کے حلیف تھے جنہوں نے اپنے بی شمار مقالات اور تفسیر ”المنار“ کے ذریعہ نئے علم الکلام کے اصول و فروع بیان کئے اور ہزاروں مسلمانوں کو وحی قرآن کی حقیقت سے آشنا کیا نہ صرف آپ نابغہ عصر اور یگانہ روزگار تھے آپ کے شاگرد اور حلقہ احباب بھی دولت علم و فکر سے مالا مال تھے۔

زر کلی نے آپ کے خط کا عکس دیا ہے جس کی پہلی سطر کے الفاظ ہیں و هذه المباحث متفرعة على ان افعال العباد صادرة منهم والله لا يفعل القبيح

ان مباحث سے واضح ہوتا ہے کہ انسانوں کے افعال ان کے اپنے ہی

ارادے کے مظہر ہیں اگر برے ہیں تو ظاہر ہے اللہ بدی کا فاعل نہیں ہو سکتا۔

(کتاب الاعلام طبع دوم جلد 131/7)

اس طرح شیخ محمد عبده صحابہ اور معتزلہ کے 5 ویں اصول کے مطابق بدی کی نسبت اللہ کی طرف نہیں



کرتے۔ وهو المطلوب۔



شمس‌الدین

محسن الملک (1907م)

366

سر سید ایک تاریخ ساز شخصیت تھے بلکہ شخصیت ساز انسان تھے آپ کی نظر جس پر بھی پڑ جاتی تو ناممکن تھا کہ ان کے دامِ مُکملہ سے بچ سکتا آپ بلاشبہ مسِ خام کو کندن بنانے کی صلاحیت رکھتے تھے جس طرح حالی و شبلی ان کی چٹون کے اسیر ہوئے نواب سید مہدی علی خان منیر نواز جنگِ محسن الملک (1837-1907) بھی اسی طرح ان پر وارفتہ ہوئے۔ وہ سر سید کے نورِ تنوں میں شمار ہوتے تھے سر سید سے بے حد پیار تھا اور ان کے کاموں کے بڑے مداح تھے وہ مذہباً اگرچہ شیعہ تھے مگر سید کی محبت میں اتنے سرشار اور والہ ہوئے کہ سب کچھ بھول گئے

یار یار کروم دل من قرار نیست
عالم تمام گشتم مثل تو یار نیست

اب وہ بھی اپنے رہنما کی طرح شگفتہ فکر،۔۔۔ اور رجعت الیہ القوآن کے اعتراضی جذبے سے مصروفِ عمل ہونے لگے۔ آپ کے مقالات بے حد مقبول ہوئے خاص کر۔ نیچر و آف نیچر (Nature & Law of Nature) نے تو دھوم مچا دی تھی اور گزشتہ ایک سو سال سے زیادہ عرصہ میں ایسی مدلل اور آتشیں تحریر نظر سے نہیں گذری۔ آپ فکری ارتکاز کے مفاسد سے بخوبی آگاہ تھے لہذا اس موضوع پر تقلید اور عمل بالحدیث کے عنوان سے ایک عالمانہ تحریر چھوڑی ہے۔ ویسے بغیر کسی بیرونی محرک کے آپ نے ”ایمانات بیانات“ لکھ کر اپنے سابقہ ہم مسلکوں کے خوب لٹے لئے ہیں۔ اسی طرح سر سید کے خیالات کا اس مدلل انداز سے دفاع کیا ہے کہ وہ سر سید کی اپنی کاوشوں سے کچھ کم نہیں ہے۔ آپ خوش الحان بھی تھے اور زبردست مقرر بھی اور حاضر جواب عالم بھی۔ سٹس سید محمود کی 1899 میں رحلت کے بعد اگر آپ علیگزہ کا کالج کے سکریٹری نہ بننے تو کالج پر وہ کتب میں چلا جاتا نہ یونیورسٹی بنتا۔ نہ مسلم رہنمائی کا کوئی مضبوط مرکز و ادارہ۔



حافظ نذیر احمد دہلوی (1912م)

367

حافظ نذیر احمد علمائے بارزین میں سے تھے ادیب تھے اونچے درجے کے مصنف تھے خطیب تھے انشا پرداز تھے ذہانت و فطانت میں یکساں تھے۔ بلا کا حافظہ پایا تھا کہ بایں پیرائہ سالی چھ سات ماہ میں قرآن پاک حفظ کرنے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔ اہل زبان تھے خاورات و مغانیم کی اول میں چھپے مضامین جنہیں لیتے تھے۔ عشق رسولؐ کا غلبہ اٹا تھا کہ اگر کہیں سے قرآن اور سید البشرؐ پر زبان درازی ہوتی تو بچکی بندھ جاتی آنکھوں سے



محسن الملك



حافظ نیر احمد

آنسوؤں کی جھڑپیاں بہ جاتیں اور گھٹنوں تک بے چینی طاری رہتی۔۔۔۔۔ ان ہی دنوں ملت سازی میں ایک ہستی مصروف عمل تھی جس کا عزم اتنا بلند اور فکراتی باکمال تھی کہ مخالف کولھوں میں تعصب اور نفرت کی برائیوں کا قائل کر کے قومی دھارے میں شامل کر لیتے تھے سرسید سے جو بھی ملا۔ اپنے سابقہ خیالات پر قائم نہ رہ سکا۔ بلاشبہ سید ایک قومی ہیرو بھی تھے مذہبی مصلح اور شخصیت ساز مدبر بھی۔ اور ان ہی شخصیات میں سے نذیر احمد بھی تھے جو قومی امور میں سید کے دست و بازو بھی بنے اور بہت سی مذہبی خامکاریوں کی اصلاح میں جُتے بھی رہے قریباً 1908 کے لگ بھگ آپ نے پادری احمد شاہ مسیحی کی کتاب ”امہات المؤمنین“ کے جواب میں ”امہات الامہ“ لکھی جو بڑی دھماکے دار کتاب تھی اس میں شاید بعض بخشیں ایسی آگئی تھیں جو مروجہ کتب میں نہیں تھیں اور جن سے اشتعال میں آکر شبلی جیسے مؤرخ اسلام کی نگرانی میں امہات الامہ کی دستیاب کا یہاں جلاد ہی گئیں لیکن جناب ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں کہ

”مجھے امہات الامہ کے دوسرے ایڈیشن کے مطالعہ کا اتفاق ہوا
سوائے چند آزاد جملوں کے باقی کتاب ہرگز قابل اعتراض نہیں ٹھیرائی جاسکتی یہ
کتاب بڑی تحقیق سے لکھی گئی ہے اور ہمارے مذہبی لٹریچر میں نمایاں اضافے کی
حیثیت رکھتی ہے۔“
(عظمت رفتہ صفحہ 19/111 تا 25)

حافظ نذیر احمد محاورات قرآنی کی رسائی پر کامل و سترس رکھتے تھے ”صنعت مشاکلت“ بدیع کی ایک صنعت ہے علم بدیع وہ علم ہے جس میں کلام کو ظاہری حسن و خوبی سے آراستہ و پیراستہ کرنے کے طریقے سکھائے جاتے ہیں اس طرح بدیع کے مختلف اُسلوبوں میں ایک اُسلوب ”مشاکلت“ بھی ہے اس میں ہے کہ ایک ہی شکل و صورت اور ایک ہی مصدر و مادہ کے دو لفظ ساتھ ساتھ بولے جائیں اور دونوں لفظوں سے الگ الگ۔ معنی و مفہوم مراد ہوں جیسے ”استہزاء“ (بقرہ 1 تا 14) اور ”مکسر“ (عمران، 54، نمل، 5) کے الفاظ ہیں۔ قرآن پاک کی جن آیات میں ”مشاکلت“ کا اُسلوب اختیار کیا گیا ہے انہیں محض عربی لغت کی رو سے نہیں سمجھا جاسکتا بلکہ عربی زبان کے محاورات اور وسیع تر استعمالات کی روشنی میں ان کا مفہوم ذہن میں بیٹھ سکتا ہے حافظ مرحوم لکھتے ہیں کہ

”کچھ عربی کی خصوصیت نہیں شاید سب زبانوں میں یہی قاعدہ ہو کہ ایک فعل مذموم کے بدلے میں سزا یا انتقام کے طور پر جو فعل کیا جاتا ہے۔ اگر چہ فی نفسہ وہ مذموم سے تعبیر کیا جاتا ہے تاکہ جیسا فعلاً انتقام لیا گیا تو لا۔ بھی انتقام لینا ظاہر ہو

مثلاً فارسی میں کہتے ہیں۔ بدی را بدی پہل باشد جزا۔ ہندی میں گویا اسی کا ترجمہ ہے۔ نیکی کا بدلہ نیکی ہے۔ بدی کر بدی ساتھ لے۔ کانٹے لگا کانٹے پھلیں۔ پھل پات لو پھل پات لے۔ کل جگ نہیں کر جگ ہے۔ یاں دن کو دے رات کو لے۔ کیا خوب سودا نقد ہے اس بات اس بات لے۔ جیسے کو تیساً۔ جیسا اور تیساً کتنا یہ ہیں صفات مذمومہ سے لیکن جس طرح بدی کے بدلے میں جو فعل کیا جائے صرف کہنے کو بد ہے۔ اسی طرح جیسے کے بدلے میں تیساً گالی نہیں ہے۔“

(حماکلی نذیر احمد طبع تاج کمپنی صفحہ 7۔۔۔ 11)

بلاشبہ نذیر احمد نے بدلیج کے جس قاعدے کا سہارا لیا ہے ہمارے بہت سے سلف اکابر اس سے فارغ ہی رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ نذیر احمد کے با محاورہ ترجمہ سے لاکھوں انگریزی خواں مستفید ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔



حالی (1914م)

368

خواجہ الطاف حسین حالی 1914م بڑے حساس اور دردمند دل کے مالک تھے ان کا دل ہر وقت قومی درد سے سرشار رہتا تھا۔ قرآن کے پکے شیدائی تھے حیات جاوید میں سرسید کے خیالات کی اس خوبی اور عظمت سے توجیہات بیان کی ہیں جن کے بعد سید کے خیالات سے نہ صرف نفرت کم ہو گئی ہے لوگوں میں دفاع اسلام اور فہم قرآن کا جذبہ بیکراں بھی پیدا ہوا ہے۔ ویسے حالی خود بھی زبردست مصلح، مبلغ عالم اور بہت سے علوم پر گہری نظر رکھنے والے تھے لہذا حالی کے بارے میں یہ مواد جمع کرنا کہ آپ کس طرح ایک شاعر سے دانشور قرآن بنے غیر ضروری ہے آپ فطرت کا مطالعہ کرنے والے تھے فطری بن گئے۔ ان کا سینہ تعصب کی کثافت سے پاک تھا جبکہ ایسے پاکیزہ سینوں میں قرآن۔ بغیر پوچھے جاگزین ہو جاتا ہے خاص طور پر جب رفیق سفر، ”راہبر“ بھی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ حالی کسی اور راستے پر چل پڑتے مگر ایک مرد خدا نے ان کی رہبری کی اور مسلمانوں کی ذہنی کشتی کو پار لگانے کے لئے اپنا ہم پیشہ کیوں ہار بنالیا۔ حالی خود ہی لکھتے ہیں:

”ناگاہ دیکھا کہ ایک خدا کا بندہ جو اس میدان کا مرد ہے ایک دشوار

گزار رستے میں رہ نور ہے بہت سے لوگ جو اس کے ساتھ چلے تھے تھک کر پیچھے

رہ گئے ہیں بہت سے ابھی اس کے ساتھ افتاں و خیزاں چلے جاتے ہیں مگر ہونٹوں پر



الطاف حسین حالی

چڑیاں جمی ہیں۔ پیروں میں چھالے پڑے ہیں لیکن وہ اولوالعزم آدمی جو ان سب کا راہنما ہے اسی طرح تازہ دم ہے نہ اسے رستے کی ٹکان ہے نہ ساتھیوں کے جھوٹ جانے کی پرواہ ہے نہ منزل کی دوری سے کچھ ہراس ہے۔ اس کی چتون میں غضب کا جادو بھرا ہے کہ جس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے وہ آنکھیں بند کر کے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے اس کی ایک نگاہ ادھر بھی پڑی اور اپنا کام کر گئی۔

آں دل کہ رم نمو دے از خو برو جوانان
دیرینہ سال پیرے بردش بیک نگا ہے

(ماخوذ از یادگار حالی۔ صالحہ عابد حسین طبع النجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ صفحہ 11/40 تا 20)

یہاں حالی نے گرویدہ سید ہونے کی داستان سنادی اور سید فطرتی مذہب کے راہرو تھے۔ جس میں معجزات و کرامات ہزلیات و خرافات کی گنجائش نہ ہو سکتی تھی با ایں ہمہ حالی سید کے مبلغ بن گئے یادگار حالی میں لکھا ہے کہ

”ایک دن سرسید کے یہاں خواجہ صاحب مرحوم بھی تھے اور مولانا شبلی بھی حضرت عائشہ کے مذہب کا تذکرہ ہونے لگا۔ مولانا شبلی از راہ ظرافت بول اُٹھے کہ معلوم ہوتا ہے حضرت عائشہ بھی نیچری تھیں ورنہ معراج جسمانی سے کیوں انکار کرتیں؟ یہ سنتے ہی خواجہ صاحب نے کہا۔ اس سے ثابت ہوا کہ نیچری ہونا بڑی فضیلت کی بات ہے کہ حضرت عائشہ تک اس جرگہ میں داخل ہوں۔“

(یادگار حالی صفحہ 13/17 تا 17)

یہ یاد رہے کہ قرن اول سے چوتھی صدی ہجری تک قرآنی دانشوروں کو عدلی، توحیدی، قدری اور معتزلی کہا جاتا تھا یعنی دانش قرآن کسی خاص شخصیت یا مدرسہ فکر سے موسوم نہیں تھی حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی اشخاص کی نسبت سے موسوم ہیں جبکہ فطرتی، قدری، توحیدی، عدلی، اور معتزلی صفات سے موسوم ہیں مثلاً۔ کسی نے انسان کے ارادے و اختیار کو پاور سے تعبیر کیا اُسے قدری کہا گیا۔ کسی نے اللہ سے ظلم سرزد ہونے کی نفی کی تو اسے عدلی کہا گیا۔ کسی نے اللہ کی تھاں حاکمیت کا تذکرہ کیا تو اسے توحیدی سے موسوم کیا گیا اسی طرح کسی نے معاصی سے اجتناب برتاؤ قرآن کی حاکمیت کو مشتبہ کرنے والی باتوں سے کنارہ کیا تو اُسے معتزلی کہا گیا یا یہ کہ سنیوں سے علیحدہ تعبیر و تشریح کا اُسلوب اختیار کیا تو اسے بھی معتزلی کہا گیا۔ اور یہ صورت حال اس وقت

تک باقی رہی کہ تاتاریوں کے روپ میں اچانک ایک گولہ نمودار ہوا جو مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت رفاہی کلچر اور علمی و سگاہوں کو خس و خاشاک کی طرح اڑالے گیا۔ اب نہ ان کے علمی مراکز رہے۔ نہ سوچنے والے دماغ اور نہ ہی معتزلہ کے استیصال کا کوئی خاص منصوبہ جو ان کے ہاتھوں کا سیلاب ہونے کی نوید لے آتا۔ ادھر زوالِ علم و آگہی کے ساتھ ہی ہماری مذہبی قیادتیں جو فکری ارتکاز کی گرویدہ تھیں عقل و دانش اور علمی ترقی کے چار سو سال پورا کر چکی تھیں انہوں نے مسلمانوں پر ایک اور آفت ڈھادی کہ عقل و اجتہاد پر پابندی لگادی اور یہ پیریڈ اتنا لمبا ہو گیا کہ پورے ایک ہزار سال تک نہ ابو حنیفہ پیدا ہونے دیا نہ امام عقل و دانش و اصل بن عطاء۔ اور نہ ہی کسی جانب سے نشاۃ ثانیہ کی آواز بلند ہوئی۔ عثمانی سلطنتیں تھیں تو ان کا چراغ علم و آگہی کے تیل سے عاری تھا۔ ہزار سال کے بعد جہاں بغداد، دمشق اور قرطبہ کا زمانہ عروج و ذہنوں سے اوجھل ہو چکا تھا وہاں معتزلہ اور ان کے مجتہدانہ کارناموں کی یاد بھی نہ رہی۔ اب کہ نشاۃ ثانیہ کا دور سائنسی رنگ و روپ میں شروع ہوا تو مذہب نے ہزیمت کا نیا راستہ اختیار کیا لیکن اب فطرت اور قانون فطرت کے تناظر میں دینی صداقتوں کو آ زمانے کا نیا موقع میسر آیا اور ماضی کے چار صد سالہ اعتسالی نے فطرت کی راہیں اپنا کر نیا رنگ اختیار کر لیا اب عقل پر لگائی جانے والی پابندی بھی ختم ہو چلی تھی اور اجتہاد کے آگے جو بند باندھے گئے وہ بھی عقلیات اور فطرت کی تاب نہ لا کر بچتے چلے گئے۔ ہمارے حالی عقلیات کے اسی نئے دور کی پیداوار تھے۔ تاہم پاکستان بننے کی صورت میں بنیاد پرستی نے اپنا زور دکھانا شروع کر دیا لیکن کمیونٹر، الیکٹرانک اور دیگر سائنسی ایجادات نے مذہب کی ہزیمت کو یقینی بنا دیا ہے مذہبی درسگاہوں میں بظاہر بنیاد پرستی کا راج رہا لیکن عامۃ الناس مطمئن نہیں ہو رہے بس منافقانہ ہم آہنگی کو وطیرہ بنائے ہوئے ہیں جو امید رکھنی چاہئے کہ زمانہ قریب میں منافقت کا یہ خول بھی اتر ہی جائے گا پھر۔ و اشرفیت الارض بنور رہا۔ زمین اللہ کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔ قرآن کا دور دورہ ہوگا۔ تقلید کا جلن نابود ہو جائے گا۔ تحقیق کی ڈیمانڈ ہوگی اور تحقیق کا میدان وسیع ہے جس کے لئے فکری محنت، ذہنی آزمائش اور اجتہادی بصیرت کے آفاق طے کرنے ہونگے۔



سید امیر علی (1928م)

369

سرسید اور چراغ علی کے بعد اسلام کا سب سے زیادہ دفاع کرنے والے سید امیر علی بن سید سعادت علی 1840 میں پیدا ہوئے اور 1928 میں اللہ کو پیارے ہو گئے آپ انگریزی اور اردو بنگالی کے زبردست دانشور



سید امیر علی

تھے۔ متقن تھے، ریسرچ کار تھے متکلم اسلام تھے بقول خیر الدین زرکلی۔ من كبار المناضلين عن الاسلام في العصر الاخير

پچھلے عرصہ میں اسلام کے سب سے بڑے دفاع کنندہ تھے۔

(الاعلام - 355/1)

آپ کسی بھی ارتکا ز فکری (تقلید) کے خلاف تھے۔ آزادانہ تحقیق و ریسرچ کے قائل تھے۔ دفاع اسلام میں اپنے نئے قانونی اور سچے نئے معیاری الفاظ استعمال کرتے تھے۔ انہوں نے ”سپرٹ آف اسلام“ کے ٹائٹل پر یہ بیت لکھ کر اپنی غیر جانبداری کا اشارہ دیدیا ہے:

زبان کہ از بھر حق گوئی چہ سربانی چہ عیوانی :-

مکان کہ از بھر حق جوئی چہ جا بلقا چہ جا بلسا

اس طرح وہ اپنے عقیدے اور مسلک کے لحاظ سے دانشور قرآن تھے۔ ذیل کی نادر تصنیفات آپ کی

مجتہدانہ بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہیں:

- ❖ A CRITICAL EXAMINATION OF THE LIFE AND TEACHINGS OF MUHAMMAD
- ❖ A SHORT HISTORY OF THE SARACENS
- ❖ THE SPIRIT OF ISLAM
- ❖ THE ETHICS OF ISLAM

یہ تمام کتابیں عربی میں ترجمہ ہو چکی ہیں کسی زمانے میں دستیاب تھیں، آج بھی ہیں:

❖ حیاة النبى و تعالیمہ

❖ مختصر تاریخ المسلمین

❖ روح الاسلام . او حیاة محمد و تعالیمہ (و هو اقوى کتبه و اعظمها)

❖ آداب الاسلام



❖ الاحکام الشرعیہ

رشید رضا (1935م)

370



رشید رضا

محمد رشید بن علی رضا بن محمد شمس الدین بن محمد بہاء الدین عرف رشید رضا (1935 م)۔ حالی اور محسن الملک جس طرح۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں سرسید کے سرفروش اور جاناں معاون اور ساتھی تھے اسی طرح مصر میں رشید رضا۔ امام عبدہ کے دست راست بن کر مطلع پر نمودار ہوئے دینی اور اجتماعی اصلاحات میں آپ کے جرأت مندانہ اقدامات سے دنیائے عرب نے خوب استفادہ کیا۔ آپ نے سرسید کے نقش قدم پر تہذیب الاخلاق کی طرح مجلہ "المנסار" جاری کیا اور اس ذریعہ سے لوگوں تک اپنے خیالات پہنچائے۔ حقوق نسواں کے بڑے علمبردار تھے "نداء الجنس اللطیف" آپ کی طبع شدہ مشہور کتاب ہے۔ اصول التشريع العام۔ قانون سازی کے بنیادی اصولوں کی تشریح پر لکھی گئی ہے حد اہم کتاب ہے۔ جس طرح حالی نے "الدین یسر" لکھ کر اسلام کو انسانی طبائع کے حسب حال فطری اور قابل پذیرائی دین ثابت کیا ہے اسی طرح رشید رضا نے یسر الاسلام۔ لکھ کر اسلام کو فطری دین ثابت کیا ہے۔ شبہات النصاری وحجج الاسلام آپ کی بڑی معرکۃ الاراء کتاب ہے جس میں چراغ علی کی طرح غیر مسلموں کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ہے۔ ویسے تفسیر "المصار" آپ کی زندہ شاہکار تصنیف ہے۔ ❀ (معجم المطبوعات طبع مصر صفحہ 934)

عناية الله اثری

371

علمائے راہنمائی میں حضرت علامہ عنایت اللہ اثری وزیر آبادی مدرس مدرسہ دارالحدیث گجرات کا نام عقیدت سے لیا جاسکتا ہے آپ کا دل ویسے تو موروٹی طور پر توحید۔ باری سے معمور تھا تاہم اپنے ہم سفرؤں کے برعکس احادیث جنہیں اہلحدیث حضرات کھلے بندوں قرآن پر ترجیح دیتے بلکہ ضرورت پڑنے پر تردید کے لئے استعمال بھی کرتے ہیں۔ آپ اپنی خداداد بصیرت و ذہانت کے زور پر ان کی ایسی توجیہ اور تاویل کر جاتے تھے جس سے حدیث پر وارد اعتراض بھی ختم ہو جاتا اور قرآن محکم کی حاکمیت پر آج بھی نہ آتی۔ آپ نے سینکڑوں مسائل میں قرآنی دانشوروں کے دفاعی انداز کو اپنا کر بڑی جرأت اور خوف خدا کا مظاہرہ کیا ہے۔ آپ نے یوں تو بہت سے مسائل پر مستقل تصانیف چھوڑی ہیں لیکن ان میں۔ البیان المختار جو انبیاء کے حالات پر 410 صفحات پر مشتمل ہے اور "القول المختار" جو سیرت نبوی کے بعض گوشوں کو شامل ہے نہایت نادر اور عالمانہ تحقیق کی حامل ہیں۔ بایں ہمہ کوئی بھی توجیہ کتنی ہی دلپذیر اور توانا کیوں نہ ہو جب تک انسانی سوچ اور کاوش کی مرہون منت ہے حرف آخر نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ چونکہ عامل بالحدیث تھے لہذا انہیں قرآن کی حاکمیت اور حکمرانی کی حمایت کرنے کے باوصف دانشوران قرآن میں شمار نہیں کیا جاسکتا؟ اگر

ہمارے عنایت اللہ اثری دانشور قرآن نہیں ہو سکتے پھر کوئی دوسرا بھی نہیں ہو سکتا۔



طنطاوی جوہری (1940م)

372

گذشتہ صدی نے ایک بڑے باکمال آدمی کو جنم دیا نام تھا طنطاوی بن جوہری 1940م۔ یہ مختلف علوم کے علامہ تھے۔ اپنی سوچ کا محور قرآن کو بنالیا تھا اور قرآن نے اسے یہ صلہ دیا کہ اس پر عقلیات اور سائنس کے آفاق و اشکاف کر دیئے۔ ادھر یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان کتنا ہی درجہ کمال کو پہنچے وہ کامل نہیں ہو سکتا اس کے کسی نہ کسی عمل اور کسی نہ کسی فکر پر بشریت غالب رہ ہی جاتی ہے جو انسان کو بشریت کے دائرے میں محصور کر دیتی ہے طنطاوی بھی ایک انسان تھے جو اپنے آہنگ اور نچ میں تجرباتی تنوع کے پل صراط سے گزر رہے تھے اس نے اپنی بساط کی حد تک قرآن محکم کی سائنسی تشریحات کیں اور سوچنے والوں کے لئے سوچ کے نئے زاویئے دیئے آج ہندو پاک میں وحی کی سائنسی تشریحات کرنے والوں کے سرخیل بھی وہی ہیں ویسے ان کا یہ اسلوب تشریح بڑا دلکش، جاذب اور پُرکشش ہے کہ ہر آیت کی سائنسی تشریح کے بعد اس تشریح کو قصے اور کہانیوں کے روپ میں پیش کر کے زیادہ قابل فہم بنایا۔ (مرآة العصر 225/2 وغیرہ)



امام فراہی (1940م)

373

السنۃ شرقیہ کے علاوہ۔ لغت اور ادب کے امام۔ عالم باعمل۔ مجتہد وقت کے دھارے کا شاسا۔ امام حمید الدین فراہی (1940م) قرآن کے بڑے دانشور تھے ادبیات عرب پر عبور رکھتے اور توجیہات قرآن کا گہرا شعور رکھنے والے تھے۔ 1945-46ء میں ان کی نظام القرآن کے بعض اجزاء کلکتہ میں زیر مطالعہ رہے۔ مجھے بہت ہی اچھے لگے میں نے ذرہ بھر انقباض محسوس نہیں کیا۔ کیونکہ اس وقت تک میرا ذہن تعصبات سے بالکل صاف و شفاف ہو چکا تھا۔ میرا ذہن قرآنیات۔ قبول کرنے کے لئے ہر وقت مستعد اور تیار رہتا تھا خاص کر اس سے پہلے 1943-44ء میں مسلم نشاۃ ثانیہ کے رہبر اعظم سر سید احمد خان (1898م) کی تفسیر دیکھ چکا تھا اب میرے لئے سلطانی خرد۔ کی کوئی ہی توجیہ نامانوس نہیں رہی تھی۔ نفرت اور تنگ ظرفی کا عنصر شامل فکر نہیں رہا تھا اب ہدایت پذیری کے لئے میرا سینہ کھل چکا تھا۔ قرآن سے والہیت میرے دل و دماغ میں رچ بس گئی تھی حسبنا کتاب اللہ۔ حقیقت بن کر میری رہنمائی کر رہا تھا۔ مجھے اگر کہیں سے اطمینان ملتا اور میری پیاس کسی طرح بجھ سکتی تھی تو صرف قرآن کے ذریعہ ہی بجھ سکتی تھی۔ میں کم علم ضرور تھا مگر قرآنی جو اہر پاروں کے سینے کا شعور فراد اں تھا اور

میں سمجھتا ہوں اس میں سرسید کے بعد امام فراہی، عنایت اللہ مشرقی اور امام الہند ابوالکلام آزاد کی فیض رسانی کا زیادہ حصہ ہے۔

تب جوانی تھی مشاغل کے تنوع سے فرصت نہ ملی کہ امام فراہی کی نظام القرآن کے جتنے بھی اجزاء مل رہے تھے خرید کر لیتا اب پیرانہ سالی کا دیو استبداد حافظے کی توانائی پر پاکوب ہے۔ حافظے کے محلات ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہے ہیں نسیان اور فراموشی کا قبضہ مستحکم ہو رہا ہے۔ خاص کر امام فراہی۔ کالٹر پچر اصلی حالت میں فراہم بھی نہیں ہو رہا اور تراجم پر میرا اعتماد نہیں ہے کہ اکثر تلامذہ نے اپنے اساتذہ کی افکار میں تصرف کیا ہے مثلاً مولانا شبلی (1914م) کی سیرت النبیؐ کی پہلی جلد ہے مولانا نے یہ جلد خود ہی چھاپی تھی کہ فرشتہ اجل نے زندگی جیسی نعمت چھین لی۔ بعد میں سید سلیمان ندوی نے اسے از سر نو تحریر کر کے 5 مزید جلدیں لکھ کر چھ جلدوں میں مکمل کیا۔ لیکن 1943 میں دیکھا کہ شبلی ایڈیشن کی پہلی جلد مکمل تصرف کی نذر ہو چکی تھی۔ شبلی مرحوم نے اپنے ایڈیشن میں معجزات و کرامات کا بالکل ہی انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ دونوں کے تقابلی مطالعہ کے بعد یقین ہو چلا تھا کہ شبلی کے خیالات مسخ ہو چکے ہیں بلکہ الکلام میں اس موضوع پر لکھی ہوئی تحریر سے آج بھی تصدیق ہو سکتی ہے کیونکہ سرسید کی طرح نعمانی بھی اس عقیدے کے تھے کہ معجزات و کرامات نے اللہ کے کاموں میں شراکت کا تصور اُجاگر کر کے توحید کے تقاضوں کو نہ صرف مجروح کیا ہے بلکہ مفلوج بھی بنا دیا ہے اسی طرح جب مجھے باوثوق ذریعہ سے پتہ چلا کہ موجودہ ”تفسیر فراہی“ میں تصرف ہو چکا ہے تو میں نے اسے بھی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ رہا یہ کہ امام فراہی کے ضمن میں ندوی صاحب کی یہ وضاحت کہ،

”ان (شبلی و فراہی) ہر دو میں سے انکی (سرسید کی) تفسیر کا عربی ترجمہ

کردیں مگر ان حضرات نے تفسیری اختلاف کی بنا پر معذرت کر دی۔“

(معارف اعظم گڑھ فروری 1919م)

یہ وضاحت اور معذرت قابلِ مسوع نہیں ہو سکتی کیونکہ مترجم کسی بھی مصنف کے خیالات کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ یہ ندوی صاحب کی غلط توجیہ اور غلط معذرت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ندوی صاحب نے اپنی چشمک کو ان ہر دو حضرات کے پلڑے میں ڈال کر بات کو غلط بیچ پر ڈال دیا ہے۔ تاہم میں امام فراہی کے بارے میں تو کچھ کہنے سے عاجز ہوں البتہ کہنے سے پہلے کہ شبلی سے تسامحات ہوئے ہیں اور ان کی سید سے اندرونی مگر خفیف سی معاندت پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا اگر معاندت نہ بھی کہو تب بھی سطحِ ذہن پر خفیف سا غبار ضرور تھا کہ انہوں نے سید کی اچھی باتوں کو نام لئے بغیر نہ صرف قبول کر لیا دیدہ دلیری سے اپنی ہی صلاحیت کا شر بھی ٹھیرایا ہے، اسے

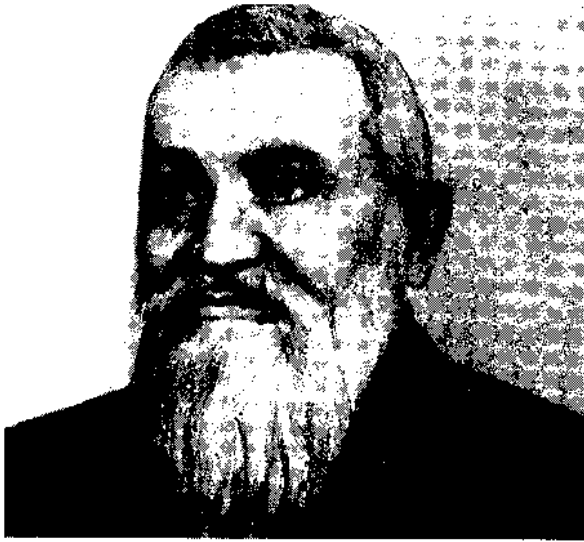
محدثین کی اصطلاح میں۔ تدلیس کہا جاتا ہے یعنی کسی سے بھی خلش ہو پر کاش ہو یا دل نہ چاہتا ہو کہ سچائی اس کی طرف منسوب ہو لہذا اپرائی محنت کو اپنی محنت کا نام دے کر اس کا پتہ کاٹ دینا تدلیس ہے یہی وجہ ہے کہ۔ حوض۔ موج اور رو کوڑ والے شیخ اکرام۔ اور شبلی نامہ والے محمد امین زبیری نے شبلی پر حقیقت چھپانے کا الزام لگا کر وار کیا ہے کہ وہ الکلام میں بیشتر باتیں سرسید سے لیتے ہیں مگر نام کا پتہ کاٹ کر۔ یہ یاد رہے کہ اکثر دانشوران قرآن خود مجتہد ہو کر بھی شیخ اور استاد کی نسبت سے پرہیز نہیں کرتے تھے ان کے بارے میں جب لکھا ہوا ملتا ہے کہ وہ حنفی معتزلی تھے۔ شافعی قدری تھے زیدی تو حیدی تھے۔ یا شیعہ عدلی تھے تو میں نے ایسی نسبتوں سے تعرض نہیں کیا کیونکہ نسبت کی گردیدگی انسان کے آزادانہ اختیار کا مسئلہ ہے۔



امام انقلاب عبید اللہ السندی (1945م)

374

جن کے دل میں اسلام نے راہ پالی ان کے ہدایت یافتہ ہونے میں کیا شک ہے یونانگلہ کے ہونہار فرزند عبید اللہ السندی (1945م) بلاشبہ علمائے بارز میں سے تھے آپ مسلکاً صوفی تھے تاہم آپ کی تمام زندگی انقلاب قائم کرنے کی جدوجہد میں بسر ہوئی وہ ایسا انقلاب چاہتے تھے جو تمام بنی نوع بشر کے لئے یکساں افادیت اور فیض رسانی کا موجب ہو اور جس کے خطوط قرآن نے خود متشکل کئے ہوں چنانچہ وہ بعض سورتوں کی تفاسیر اور تشریحات میں ہر مقام پر قرآنی انقلاب کی وضاحت کرتے تھے جو سب کی بھلائی کے لئے ہو وہ اتنے غیر متعصب تھے کہ خواہ کسی بھی مذہب کا کوئی بھی سائل ان سے بات کرتا تو قرآن کو عالمی تناظر میں پیش کر کے اس کی تشریح کر دیتے تھے آپ نے روس میں رہ کر لینن۔ سے ملاقاتیں کیں اور ان پر واضح کیا کہ سوشلزم یا انسانیت کے اجتماعی مفاد کے سوتے قرآن محکم سے پھوٹتے ہیں۔ لینن نے کہا کہ آج تک ہمیں کسی نے بھی یہ بات نہیں بتلائی۔ مولانا نے فرمایا۔ آپ لوگوں نے یورپ کی طرح قرآن سے مشورہ کیا ہی نہیں۔ تمہیں کس طرح پتہ چلتا کہ اس میں کیا ہے؟ آپ کی گھلی باتوں سے آپ کی مادرِ تعلیم دیوبند کی درس گاہ کے اکثر علماء بدکتے تھے شبیر احمد عثمانی تو آپ کے جانی دشمن تک ہو گئے تھے لہذا آپ نے تنگ آ کر دہلی میں اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے ادارہ قائم کیا اور پھر تازیت اسی سے وابستہ رہے۔ مولانا دین و دنیا کی رہنمائی قرآن ہی سے اخذ کرتے تھے وہ جلاوطنی ختم کر کے جب وطن واپس آئے تو ہم نے حیدر آباد سندھ میں ان سے ملنے کی خواہش کی۔ حیدر آباد کے مشہور تعلیمی ادارے نور محمد ہائی سکول میں ہماری خواہش کی تکمیل ہوئی علامہ مشرقی ان دنوں



امام انقلاب عبید اللہ السندی

مدرس کے دیورجیل میں محبوس تھے۔ ہم خاکساروں نے بازوؤں پر سیاہ پٹیاں باندھ کر سلائی دی مولانا بڑے خوش ہوئے۔ ابھی ہم فارغ ہوئے ہی تھے کہ ایک سفید ریش بزرگ مولانا سے ملنے کے لئے آگے بڑھے اور مولانا کے پاؤں پکڑ لئے۔ مولانا نے زمین پر بیٹھ کر اس کے پاؤں پکڑ لئے اس پر ملاقاتی نے چلا کر کہا کہ مولانا یہ آپ نے کیا ستم ڈھا دیا؟ آپ نے فرمایا تم نے میرے پاؤں پکڑے اور میں نے تمہارے معاملہ برابر برابر۔

مولانا کے بڑے عقیدت مندوں اور ان کے مشن کو آگے بڑھانے والوں میں سندھ کے دانشور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی خطہ سندھ میں علم و حکمت بانٹ رہے ہیں اور مولانا کے ترجمان ہیں ان کے توسط سے مولانا کی تفسیر ”الہام الرحمان“ کسی زمانے میں چھپ رہی تھی۔ بعد میں جنوبی پنجاب میں پوری تفسیر کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوا تھا۔ مولانا سرسید کی تعلیمی اور فکری روشن خیالی کے بڑے معترف تھے۔ سید کی ذہانت و فطانت کے بڑے قائل تھے لوگوں نے جن مسائل میں سید سے اختلاف کیا آپ نے کھل کر ساتھ دیا۔ اپنی الہام الرحمان میں مسیح کے نزول کی کھل کر مخالفت کی۔ بدعات و خرافات معجزات و کرامات کی انسانی علوم اور سائنس کے تناظر میں تردید کی۔ مولانا کے معتقدین اور حلقہ احباب الہام الرحمان کے توسط سے سرسید کے بہت قریب آگئے ہیں آج بہاولنگر کے علاقہ میں مولانا کی فکر کو آگے بڑھانے کے لئے ایک زبردست علمی درسگاہ قائم ہے۔ جہاں سال میں ایک ماہ کے لئے پورے قرآن کا درس ہوتا ہے۔ بڑے بڑے علما اور لبرل قسم کے دانشور حاضر ہوتے ہیں۔ یہ تمام حرکات و سکنات چونکہ علماء دیوبند کی تنگ طرفی میں بار نہ پاسکتے تھے لہذا انہوں نے مولانا کو آخر عمر میں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا حالانکہ دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی ”تصفیۃ العقائد“ میں سرسید کو پکا مسلمان تسلیم کر چکے اور ان کے مشورے سے اسلامیات کا مرتبہ نصاب علیگزٹھ میں داخل کر چکے تھے۔ با این ہمہ بعد کے علماء اپنے بزرگوں کا احترام نہ کر سکے۔



عبد اللہ العمادی (1946م)

375

امام اہل الرائے سید احمد خان فکر و نظر اور جدیدیت کا جوسیلاب لائے تھے اس کے بہاؤ میں تقلید کے خس و خاشاک ٹھہر نہ سکتے تھے جبکہ وہ ہوتے ہی پہنے کے لئے ہیں لیکن لوگوں نے کمزور ہیماسکیوں کے سہارے اپنی ہٹ قائم رکھی اور سید سے مقابلہ جاری رہا۔ لیکن اللہ کی جانب سے سید والا تبار کو حاضر و غائب معاومین کے

ذریعہ اس طرح کمک ملتی رہی جس طرح کمزور مسلمانوں کی ڈھارس کے لئے بدر میں کمک پہنچتی رہی علامہ عبداللہ العبادی (1946م) جو علوم عربیہ کے ماہر شناسا اور راہبرد تھے اور توجیہ و تاویل کے بے خطا مفکر مانے جاتے تھے انہوں نے سرسید کے مشن کو پوری مہارت سے جاری رکھا۔ امرتسر کے ”السوکیل“ اور کلکتہ کے ”الہلال“ کے ذریعہ فلسفہ و کلام میں دھوم مچا رکھی تھی۔ کشف ساق جیسے ادق مسائل کی چٹکیوں میں تحلیل و توجیہ کر کے صفات خداوندی کو سمجھنے کے لئے زبردست مثال پیش کر دی تھی۔ ویسے صفات خداوندی کے باب میں ہمیشہ یقین راکمیں پاکی جاتی رہی ہیں I۔ انہیں بغیر تاویل و توجیہ کے تسلیم کرنا چاہئے مثلاً اللہ کے لئے چہرہ یا ہاتھ، جسم وغیرہ بلکہ پاؤں، شکل، داڑھی، سونے کی جوتی اور آدم کو اپنا ہم شکل بنانے کی باتیں ہیں سب حقیقت ہیں سادہ صورت ہی میں ماننا ہوگا۔ II۔ دوسری رائے یہ ہے کہ اس طرح کی صفات کی بالکل ہی لٹی کرنا ہوگی۔ III۔ اور تیسرا مدرسہ فکر کہتا ہے کہ جب عرب کے محاورات، ضرب الامثال، مجازات و استعارات کا باب وسیع ہے تو کیا وجہ ہے کہ تنزیہ و تقدیس کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر توجیہ و تاویل کا سہارا نہ لیا جائے۔ لسان عرب کے مطابق صفات عین ذات نہ سہی مگر وہ خاص مفہوم رکھتی ہیں مثلاً خدا سمیع ہے و بصیر ہے فعال لہذا یرید ہے۔ اس کا عرش بھی ہے اور کرسی بھی لیکن اس کی سماعت و بصارت اور دیگر اعمال کسی حاسے اور کسی آلے کے محتاج نہیں۔ سماعت و بصارت کا جو نتیجہ ہے وہ اللہ کو حاصل ہے اور اور اسی معنی میں وہ سمیع بھی ہے اور بصیر بھی۔ اسی طرح عرش و کرسی اس کے علم اور حاکمیت کے استعارے ہیں چنانچہ سرسید اسی خیال اور عقیدے کے تھے اور اسے لے کر ہی امام عبداللہ العبادی میدان میں اترے اور ہند کی پوری فضا میں قرآنی مہک اور عطربیز یوں سے خوشبوئیں بکھیر دیں۔ مسائل کی ایسی توجیہ اور تنقیح کا سہارا لیا جو استدلال اور ابلاغ کے تمام اسلوبوں پر حاوی اور مشتمل تھا۔



الشیخ الفاضل ثناء اللہ امرتسری (1948م)

376

قرآنی دانشوروں نے اسلام اور قرآن کا دفاع ہمیشہ عقل سے کیا ہے کہ نقل اس راہ میں در ماندہ اور عاجز ہی رہی ہے، یہ نہ صرف عہد حاضر کے ترقی یافتہ دماغ کا وطیرہ ہے زمانہ ماضی میں بھی راسخ العقیدہ سلفی اور سنی تک۔ عقلیات ہی سے رجوع کرتے تھے ابوالحسن اشعری جس نے عقلیات سے بغاوت کر کے سلفیات کے حصار میں پناہ لے رکھی تھی اس کے بارے میں جدید تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ بھی دفاع کے لئے اپنے لب و لہجہ میں تبدیلی کر کے معتزلہ کی آواز میں بات کرتے تھے اس کی مثال ہمارے دور میں مناظر بے بدل

الشیخ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری علیہ الرحمہ (1948ء) کے پیکر میں دیکھی جاسکتی ہے آپ بڑے حاضر جواب اور منطقی لہجہ میں بات کرنے والے تھے سرسید کے بارے میں پوری تفسیر لکھ ڈالی بائیں ہمہ عقل کو معطل نہیں کیا اور جب بھی آریہ سماج، مسیحیوں اور احمدیوں سے مناظرے ہوئے آپ نے عقلیت کی بالادستی قبول کی اور نقل کو ذریعہ دفاع نہیں بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اپنی جماعت کے اکابر جو روپڑ سے تعلق رکھتے تھے انہیں بدعتی اور گمراہ کہتے تھے کیونکہ اہلحدیثوں کے نزدیک جو عقل سے کام لے وہ بدعتی اور گمراہ ہے چنانچہ محترم الشیخ ابوالوفاء کی دونوں تفسیروں سے چالیس مسائل چُن کر انہوں نے سینکڑوں علماء کے فتوے حاصل کر لئے اور نام رکھا۔ الاربعین فی ان ثناء اللہ لیس من المحدثین بل من المبتدعین الضالین۔ اس طویل نام کا مفہوم یہ ہے کہ

”چالیس وجوہات جن کی رو سے ثناء اللہ محدث نہیں رہے گمراہ اور بدعتی

بن گئے۔“

ایک دفعہ آریہ سماجیوں سے مناظرہ ہوا تو ان کے عالم نے سٹیج پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ۔ صاحبو تمہیں معلوم ہے کہ یہ مناظرے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مابین طے پائے ہیں۔ سامعین ہندو اور مسلمانوں نے ٹھیک ہے ٹھیک ہے کی آوازیں بلند کیں۔ اس پر دوسرا اعلان ہوا کہ۔ ہمارے مقابلے پر کوئی مسلمان آنا چاہئے جبکہ ثناء اللہ ہم کافروں میں سے ہیں اور سینکڑوں علماء کا یہ فتویٰ ہمارے پاس ہے۔ اس پر سامعین پرستہ طاری ہو گیا۔ مگر ہمارے ثناء اللہ گھبرائے نہیں کھڑے ہو کر تسلیم کر لیا کہ میرے بھائی پنڈت نے جو کچھ کہا سچ کہا ہے۔ مگر اب میں سب کے سامنے اسلام کا اعلان کرتا ہوں اب تو میرا حق بنتا ہے کہ بات کروں؟۔ سب نے کہا ٹھیک ہے ٹھیک ہے اس اعلان کے بعد مخالفہ کیمپ سے پنڈت جی گویا ہوئے کہ اصولی مناظرہ کی رو سے اس ہی نے بولنا تھا۔ چنانچہ انہوں نے کہا فلاں حدیث میں تمہارے پیغمبر کے بارے میں یوں یوں لکھا ہے اس کا جواب دو۔ ہمارے ثناء اللہ نے کہا کہ۔ صدر محترم!۔ مناظرے کی شرائط ملاحظہ ہوں جہاں پہلے سے طے ہو چکا ہے کہ۔ فریق مخالف اگر قرآن پر اعتراضات کرے گا تب تو میں وقار کروں گا لیکن قرآن کے علاوہ میں کسی بھی تحریر اور حوالے کے جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔ اتنی سی بات پر مناظرے کا رخ پلٹ گیا کہ وحی قرآن پر اعتراضات احادیث کے راستے ہی وارد ہو سکتے تھے۔

نہ صرف یہ کہ ثناء اللہ نے حق پر کاش۔ اور مقدس رسول لکھ کر اپنے دفاعی اسلوب کے مطابق صرف اور صرف قرآن کا دفاع کیا ہے ضمنیاً یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ دفاع قرآن۔ قرآن ہی سے ہو سکتا ہے کہ وہ محفوظ ہے

اور خود بھی گویا ہے اور بولنے والوں کی خود ہی رہنمائی بھی کرتا ہے۔ مثلاً انہوں نے بقرہ کی آیت۔ کی ذیل میں
ابراہیمؑ کے چار پرندوں کے ذبح کی ذیل میں لکھا ہے:

”عام طور پر اس آیت کا یہی مطلب بتایا جاتا ہے مگر تدقیق نظر سے ان
معنی کا ثبوت قرآن مجید کے لفظوں سے نہیں ہوتا قرآنی عبارت میں دو لفظ قابل غور
ہیں۔ I۔ صُوْر۔ اس کے معنی ہیں جوڑ کا چنانچہ تفسیر معالم وغیرہ میں اس کا ترجمہ
”اَمْلَ“ سے کیا گیا ہے اور شاہ عبدالقادر دہلوی نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔ II۔
دوسرا لفظ ”جَزْءٌ“ ہے جب وہ ایک چیز کی طرف نسبت ہوتا ہے تو اس چیز کا ایک
ٹکڑا مراد ہوتا ہے اور جب کسی جمع کی طرف مضاف ہوتا ہے تو اس جمع میں سے ایک
فرد مراد ہوتا ہے۔“

غور فرمائیے کتنی معقولیت سے مسلک محدثین، فقہاء اور مفسرین کا رد کیا ہے بلکہ ایک ماہر استاد کے انداز
میں مثال دے کر بات کو زیادہ باوزن اور قابل فہم بنادیا ہے فرماتے ہیں:

”جیسے لڑکا دسویں جماعت کا جزو ہے قرآن مجید میں بھی جزء مقسوم۔ ان
ہی معنی سے آیا ہے۔ پس اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہوئے کہ۔ ان چاروں
جانوروں کو اپنی طرف مائل کر۔ پھر ان میں سے ایک ایک کو پہاڑ پر رکھ کر بلا۔
تیرے طرف جاویں گے۔ تو اس سے سمجھ لیجئے گا کہ جس طرح یہ وحشی جانور تیرے
بلانے پر آگئے ہیں خدا کے بلانے پر سب مردہ چیزیں زندہ ہو جائیں گی۔“

(تفسیر ثنائی مکتبہ ثنائی سرگودھا جلد 137/1 حاشیہ نمبر 2)

ناظرین محترم :- ہم بارہا واضح کر چکے ہیں کہ جس نے بھی اپنے تقلیدی مسلک سے ہٹ کر خواہ
50% ہی قرآن ہی کی حمایت کی وہ دانشور قرآن ہے بنا بریں ہمارے نزدیک حنفی ہو خواہ شافعی، زیدی ہو خواہ
شیعہ، سلفی ہو خواہ معتزلی جس نے بھی قرآن پاک کے حق میں کسی بھی موقع پر خیر سگالی کا مظاہرہ کیا ہم اُسے قرآنی
دانشوروں سے خارج نہیں کر سکتے خاص کر ثناء اللہ۔ اور حافظ عنایت اللہ اثری، گجراتی جیسے اہلحدیثوں کو ہم قدر
کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ تنگ ظرفوں کے گھیرے میں رہ کر بھی قرآن کے لئے سینہ کھلا رکھتے ہیں۔

حسن البناء (1949م)

377

امام حسن بن احمد بن عبدالرحمان البناء (1949م) اخوان المسلمین کے بانی تھے قرآن کے بڑے دانشور تھے۔ ارتکار فکری (تقلید) کے خلاف تھے۔ اپنے ایک لیکچر میں سیاست کے بارے میں فرماتے ہیں:

عبادة... ووطن... وجنسية... وسماحته... وقوة... وخلق... ومادة... وثقافة... وقانون...

سیاست عقیدہ ہے عبادت ہے وطن ہے نیشنلسٹی ہے
 رواداری ہے پاور ہے تخلیق ہے (ایجادات) مادہ ہے
 ثقافت ہے اور قانون ہے۔ (بحوالہ ذر کلی 1972)

پاکستان بننے کے ایک ماہ بعد برطانیہ نے اپنے امتداد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسرائیل تخلیق کیا اور ایک گھنٹہ بعد امریکہ نے اسرائیل کو تسلیم کر کے یہودیوں کے ناجائز قبضہ کی توثیق کر دی۔ حسن البناء نے اپنے فلسطینی بھائیوں کی حمایت میں اخوان المسلمین کے مسلح رضا کار بھیج دیئے۔ جس سے حکومت مصر پریشان ہوئی اسی اثناء میں برطانوی انٹیلی جنس نے اخوان اور شاہ فاروق میں پھوٹ ڈالنے اور لڑانے کی سازش کی یعنی فوج اور باڈی گارڈ کی موجودگی میں کسی رضا کار کے ہاتھوں وزیراعظم محمود منی نقراشی (پاشا) کو قتل کر دیا اس کے جواب میں جبکہ حسن البناء جمعیتہ شیعان المسلمین کے دفتر کے سامنے کھڑے تھے کسی گروہ نے خود حسن البناء کو گولیوں سے چھلنی کر دیا۔ اسی طرح مسلمانوں میں یگانگت اور بیداری کا اٹھنے والا جذبہ ختم ہو کر رہ گیا۔ اخوان مسلمانوں کے موجودہ اور رائج مالیاتی نظام کو جدید خطوط پر متشکل کرنا چاہتے تھے جو اسلامی ملوکیت اور جاگیرداری کے خلاف تھا۔ بلکہ اس کے لئے اخوانیوں کے سرکردہ علماء اور سکالرز نے اشتراکیت الاسلامیہ کا سلوگن ایجاد کیا یا مستعار لیا۔ چنانچہ شہید عبدالقادر عودہ ایڈووکیٹ جس نے احوال الشخصیہ کے عنوان سے عدالتی تشریحات پر ضخیم کتاب لکھی۔ انہوں نے الخلق خلق الله وانما مال الله۔ یعنی مخلوق بھی اللہ کی ہے اور ملکیتیں بھی اللہ کی ہیں لکھی اور اشتراکیت اسلامیہ کو حتیٰ فارمولہ قرار دیا۔ شام کے مرشد العام مصطفیٰ السباعی نے اشتراکیت الاسلامیہ کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھ کر فقہ اسلامی اور قرآنی حوالوں سے اسلامی سوشلزم کو معاشی مساوات کا واحد حل ٹھہرایا۔ امام محمد الغزالی نے الاوضاع الاشتراکیت لکھی اور سبھی نے بے پایاں الماک کو زوالِ اُمت کا سبب قرار دیا۔ میں دسمبر 58ء میں دمشق میں



حسن البنا .

اخوانی اجتماعات میں شامل ہوتا رہا مجھے ان کی معاشی پالیسی سے بڑا اطمینان ملتا رہا ان کا یہ نعرہ مجھے بہت ہی اچھا لگتا تھا،

دیننا اسلامنا دستورنا قرآننا

یوں بھی قرآن کا نام سن کر میں دیوانہ وار ان کی ہم آہنگی کرتا تھا۔ مجھے کہنے دیجئے کہ مودودی پارٹی نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر نظام جاگیرداری کو مستحکم کیا اور سوشلزم کے خود ساختہ معنی دہریت اور انکارِ خدا کر کے مسلم سیاست پر بڑا ظلم ڈھایا ہے پھر یہ منافقت متزاد کہ یہاں برعکس نہند نام زنگی کا فور کے مصداق یہ لوگ اپنے کو اخوانی مشن کا حامی بھی کہلاتے رہے۔

دستورنا قرآننا۔ قرآن ہی ہمارا سپریم لاء ہے۔ کیا مہک ہے اس نعرے میں؟



سید محب الحق عظیم آبادی (1852-1954)

378

تحریک رجعت الی القرآن کے سرگرم کارکن شرف و منجابت کے پیکر سید محب الحق عظیم آبادی (1852-1954) اُن عظیم رہنماؤں میں سے تھے جن کے قلم میں سادگی اور عنادیں میں دسوزی تھی۔ حالی کی طرح استدلال میں جدلی انداز اختیار کرنے کے مخالف تھے۔ ناصحانہ اور مشفقانہ اندازِ فہمائش آپ کا طرہٴ امتیاز تھی آپ عمر کے طویل دورانیہ میں خدمتِ قرآن کے لئے وقف رہے۔ بڑے سید کے جاں نثار ساتھیوں میں سے تھے۔ ”شروعة الحق“ آپ کی مشہور اور انقلابی کتاب ہے۔ آپ نے کہیں بھی تعریضی لہجہ اختیار نہیں کیا۔ پاکستان جب منتقل ہوئے پیرانہ سالی بھی تھی اور عسرت و تنگدستی نے بھی گھیر رکھا تھا۔

آپ کے استدلال کی گہرائی اور چوٹ اتنی اثر آفریں ہوتی کہ متشککین عرصہ دراز تک کلبلا تے رہتے مثلاً وہ الصلوٰۃ کو ایک پہلو دار لفظ مانتے اور ساتھ ہی اسے اسلامی عبادات کی ایک اصطلاح بھی تسلیم کرتے اور معانی کے بحران سے بچنے کا مشورہ بھی دیتے تھے۔ ان کے نظریے کے مطابق قرآن کو معنی آفرینی میں دخل ہے بشرطے کہ ایسے قرائن خود قرآن ہی سے ماخوذ ہوں یا قرآن سے کشید کئے گئے ہوں۔ وہ فرماتے تھے کہ قرآن میں جس چیز کے کرنے کا نام لے کر حکم دیا گیا ہو اس چیز میں نہ اجمال ہوتا ہے نہ ابہام۔ مثلاً الصلوٰۃ سے پہلے اَقَامَ۔ یا یُقِیم کے صیغے ہوں تو گنجائش ہو سکتی ہے کہ کوئی اور مفہوم بھی ہو لیکن اگر حکم کو صیغہ امر کے ذریعہ سامنے لایا گیا ہے تو وہاں متعلقہ چیز کا عین ہی مطلوب ہوگا جو اصطلاحی پیکر میں موجود ہے مثلاً

المصلوٰۃ سے پہلے اگر ”اقیموا“ کا صیغہ ہے تو اس سے اصطلاحی صلوٰۃ ہی مراد ہے جو رکوع و سجود، قیام اور قعود کے پیکر میں ادا کی جاتی ہے ورنہ تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے مبہم اور مجمل حکم دیا۔ رسولؐ نے اجمال اور ابہام کی تبلیغ کی۔ اور قرآن ابہام لے کر نازل ہوا جو کہ نزول وحی کے مقاصد اور نفسیات کے خلاف ہے اور امت اجمال کو قبول کر کے تعمیل کے قالب میں نہ ڈھال سکی۔



احمد امین (1954)

379

مصر کے بڑے سکالر، ادیب، مؤرخ، مبصر، ناقد۔ اجتماعی تجربہ نگار اور سلطانی خرد کے مبلغ احمد امین (---) تاریخ اسلام کے نامور ہیرو تھے۔ آپ نے ”ضحیٰ الاسلام۔ ظہور الاسلام۔ اور عصر الاسلام وغیرہ کی کئی جلدیں لکھ کر اسلام کے عروج و زوال کو اس طرح واضح کیا ہے کہ ہمیں اپنے اکابر کی کر تو توں پر شرم آتی ہے۔ آپ نے مرحلہ وار ہر دور کی تاریخ کو اس انداز سے منضبط کیا ہے جس سے سیاسی، علمی اور فکری ادوار کا الگ الگ پتہ چل سکتا ہے آپ نے۔ فحشو الاسلام۔ (ڈان آف اسلام) کے عنوان سے مجموعی تبصرہ لکھا اور اسیں مسلمانوں کے فکری زوال کو ان کے سیاسی زوال کا شاخسانہ قرار دیا ہے وہ بنو عباس کے عہد میں جنم لینے والی متعدد تحریکوں کا پس منظر بتاتا ہے کہ یہ تمام تحریکیں اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے اسلام کا لباس اوڑھ کر سامنے آئی تھیں جبکہ ان کا جواب صرف عقل اور لسانیات کے گہرے شعور سے دیا جاسکتا تھا چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ مسلمان علماء نے ”عقلیات“ سے کام لیا اور قرآنی آیات اور نصوص سے عقل کی فرماں روائی ثابت کر دی بلکہ ”عقلیات“ کی ایسی زوچل پڑی کہ مخالفوں کو شدید ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اب مسلمان جہاں بھی جاتے ان کا احترام کیا جاتا۔ لیکن پھر ایسا بھی ہوا کہ ان تحریکات کی خفیہ سازشوں سے پانسہ پلٹ گیا اور حدیث نبوی کے نام پر اتنی شدت سے روایات، ملفوظات اور احادیث بلکہ کرامات و معجزات و خرافات کی یلغار کر دی گئی کہ عقل کے پاؤں اکھڑ گئے کیونکہ عقلیات میں زمانہ حاضر کی تمام باتوں کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ سائنس ہو، طب ہو، فنون لطیفہ ہوں، علوم حاضرہ ہوں جو کسی معاشرے کو اچھی اساس فراہم کرتے ہیں ان سے استفادے کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ ارتقاء کے راستے ہموار ہو جاتے ہیں علم، تجربہ، اور مشاہدہ فروغ پاتے ہیں لیکن کہا یہ گیا کہ یہ تمام باتیں سنت نبوی کے خلاف ہیں وطیرہ سلف کے منافی ہیں وغیرہ احمد امین فخر الاسلام میں اعتراف کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے فکری زوال کا پہلا سبب فکری



احمد امین

ارتکاز (تقلید) تھا دوسرا بڑا سبب سنت کی قربان گاہ پر عقلیات کے پھڑے کو ذبح کر کے چڑھاوا چڑھانا تھا۔ نتیجہ یہ کہ مسلمان کافی عرصہ تک جہالت اور تقلید کا شکار رہے نہ ہماری فکر آزاد تھی نہ جغرافیائی حدود محفوظ۔ ایسے میں سائنسی دور میں سرسید احمد اور محمد عبده اگر ہماری دستگیری نہ فرماتے تو ہم اپنی قومی موت آپ ہی مر جاتے۔ اب ہمیں چاہئے کہ اپنے ان بزرگوں کی نصیحت پر عمل کریں۔ دل اور دماغ کو علم و سائنس کی روشنی سے منور کریں۔ سرپر سائنس کا فولادی ”خود“ اور جسم پر سائنس کی زرہ پہنیں تاکہ جہاں کہیں سے ہم پرواز ہو ہم محفوظ رہ سکیں !!



علامہ اسلم جیرا جپوری (28 دسمبر 1955)

380

ناہض عصر فقیہ القرآن علم و حکمت کے موتی رونے والے اور موتی بکھیرنے والے علامہ اسلم جیرا جپوری (28 دسمبر 1955) ایک بڑے علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ علم کے بحرِ خارتھے۔ قدرت نے فراوانی تدبیر سے نوازا تھا آپ کا سینہ علوم قرآن کے لئے کھول دیا گیا تھا فکر میں اتنی پختگی تھی کہ وقت کے تاجدارانِ علم ان کے آگے سرنگوں ہو جاتے تھے وہ قرآن سے برگشتہ لوگوں کو دور سے ہانک کر اس چشمہ حقیقت کے گھاٹ پر لے آتے تھے یہ آپ کا ناقابلِ رشک ایک کردار ہے بلاشبہ آپ قرآن کے بڑے دانشور تھے۔ نسبت کے بُت خانے کے پجاری نہیں تھے غیر مقلد تھے اور پھر اسی عدمِ تقلید کی برکتوں سے قرآن کا قرب حاصل ہوتا گیا۔ آپ نے بیشمار مقالے لکھے تاریخ میں آپ کو خصوصی درجہ تھا اپنی سادہ مگر بلاغی اور استدلالی تحریر سے دلوں کو مسخر کیا۔ تاریخ الامت، تاریخ القرآن، نکات القرآن، محبوب الارث اور الوداعۃ فی الاسلام۔ کی طرح درجنوں کتابیں لکھیں۔ اس طرح جو مقالے بھی لکھے تحقیق در سیرج کا انمول نمونہ تھے۔ مشہور خطیب القرآن علامہ غلام احمد پرویز آپ کی شاگردی پر نازاں و فرحاں تھے۔



امام الہند (1958م)

381

اسلم جیرا جپوری کی طرح دقیقہ سنج، نکتہ رس اور آیاتِ الہی میں ڈوب کر نتیجہ اخذ کرنے والے امام الہند ابوالکلام آزاد (1958م) اپنے عہد کے نامور نثر نگار اور معانی قرآن کے لئے ایسے الفاظ منتخب کرنے والے محقق بے بدل کہ ترجمہ ہی سے اعتراض کا شائبہ ختم ہو کر رہ جاتا۔ یہ ابوالکلام کا کمال تھا۔ آپ کے تفسیری نکات مستقل تالیف اور مدرسہ فکر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ آپ ایک خانقاہی ماحول کے نوجوان



امام الہند

تھے ایک جست میں روشن خیال نہ بن سکتے تھے خاص کر سلفیوں سے قربت بڑھانے کے لئے عرصہ دراز تک ابن تیمیہ کے مدرسہ فکر کے داعی اور مبلغ بھی رہے لیکن جلد ہی معلوم ہوا کہ آپ کے اندر کی پیاس بجھانے والا۔ اگر سرسید نہیں تو ابن تیمیہ بھی نہیں ہو سکتے چنانچہ آپ نے آزادانہ غور و فکر، مسیحیوں اور آریہ سماج کے زہر آلود لٹریچر سے آزرہ ہو کر۔ قرآن کی آغوش میں پناہ لینے میں عافیت سمجھی کہ قرآن میں اپنا دفاع کرنے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے۔ بس اب اس کے لئے یا اس کی ترجمانی کے لئے الفاظ کے صحیح انتخاب کی ضرورت ہے چنانچہ ہمارے امام الہند نے اسی زاویہ سے خدمت قرآن کا بیڑا اٹھایا کہ قدرت نے آپ ہی کو ترجمانی کی بھرپور صلاحیتوں سے نواز رکھا تھا۔ بلاشبہ آپ نے عقلیات کو امام تسلیم کرتے ہوئے سلفیات سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی گورسی طور پر علیحدگی کا پتہ نہیں چلاتا ہم و طیرہ اور عمل نے بتلادیا کہ آپ صرف اور صرف قرآن ہی کو سپریم لائیکھتے اور اسے ہی سرچشمہ ہدایت مانتے ہیں۔ بلکہ میری استقراء کے مطابق کم از کم 200 مسائل و عقائد میں نام لئے بغیر سرسید کے دفاع کا اسلوب بھی اپنایا یعنی جس طرح ابوالحسن اشعری نے۔ الرد علی المجسمۃ۔ اور ”مقالات الاسلامیین“ لکھ کر اپنے اشعری افکار بھی پیش کر دیئے۔ اس فرق کے ساتھ کہ اشعری مجتہد ہو کر بھی تقلیدی نسبت استعمال کرتے تھے اور امام الہند کسی بھی فکری ارتکاز (تقلید) کو آداب انسانیت کے خلاف سمجھتے تھے بلکہ گذشتہ دو سو سال سے ”جدیدیت“ کے علمبردار محققین نے سلف کے آزاد فکر اماموں کے برعکس تقلیدی نسبتوں کو جھٹک دیا تھا یہی وجہ ہے کہ سرسید، چراغ علی، محسن الملک، محمد عبدہ، رشید رضا اور احمد امین نے اپنے آپ کو کہیں بھی تقلید کی آلودگی میں ملوث نہیں کیا بلکہ بعد میں ان کی فکر کو مقتدا بنانے والے کسی بھی محقق نے تقلید کو شیوہ نہیں بنایا کہ عدم تقلید ہی سے تحقیقی رول ادا ہو سکتا تھا اور وحی قرآن اپنے حقیقی رنگ میں نکھر کر دلوں میں رنگ جماسکتی تھی۔ میں نے ”تذکار الاحمدیین“ میں سرسید احمد خان اور ابوالکلام احمد کے قرآنی افکار کو باختلاف الفاظ، ہم تعبیر و ہم توجیہ ثابت کیا تھا افسوس کہ عرصہ 45 سال سے وہ نادر مرقع بل نہیں رہا میں سیاست پسند انقلابی تھا ہمہ گیریت میرا مسلک تھا یکسوئی سے ان جو اہرات منشورہ کی حفاظت نہیں کر سکا اور اب تو نسیان اور بڑھاپے نے رہے سبے امکانات ہی ختم کر دیئے۔ میری تفتیش کے مطابق 1915ء تک تو امام الہند جیسے بھی تھے بعد میں آپ کے خیالات میں نمایاں تلاطم اور معافی تبدیلی ظاہر ہونے لگی۔ غرض کہ ابوالکلام کی ترجمان القرآن کی خوبیاں ان گنت اور محان بے شمار ہیں وہ جو بات چند لفظوں میں کہہ سکتے تھے دوسرے کئی اوراق میں بھی نہ کہہ پائے۔

عناية الله المشرقي (1963م)

382

سرسید کے ربع صدی بعد رجعت الیہ القرآن۔ کی صدا عناية الله المشرقي (1963م) نے بلند کی تو کفر زار ہند میں اچھے جم غفیر کو اپنے پیچھے لگا لیا اور قرآن محکم کو سائنسی زبان میں متعارف کرانے کی بنیاد رکھی کیونکہ اب دنیا سوچ کے سائنسی انداز سے شناسا ہو رہی تھی، اسی دور کے مسلمان مفکرین علامہ مشرقی۔ ططاوی جوہری اور بعد میں امت مسلمہ امرتسر کے فیلوڈاکٹر غلام جیلانی برقی نے سوچ کے اسی انداز کو اپنا کر۔ معرکہ علم و جہالت میں کود پڑے۔ علامہ مشرقی چونکہ اپنی محنت سے کما کر روٹی کھاتے تھے لہذا بے خطر ہو کر لکھتے چلے گئے۔ آپ نے گویا سالہ حدیث کے۔ وقت کے سامریوں کو لٹکا کر، بھنجھوڑا اور متوجہ کیا کہ وہ وقت کی آواز، رفتار اور تقاضوں کو پہچانیں۔ دفاع قرآن کے فرسودہ اور درس نظامی کی نا آسودہ خواہشوں کو بالائے طاق رکھ کر میدان عمل میں اتریں۔ علم، سائنس، لسانیات عرب اور قرآن کی روح اور پالیسی کے مطابق نئے انداز فکر کو اپنائیں۔ یوں تو سرسید کے زمانے ہی سے مسلمانوں نے محسوس کیا تھا کہ خدمت دین کے لئے نیا ذریعہ۔ علوم سائنس کا حصول ضروری ہے مگر اس وقت نہ ططاوی موجود تھے نہ علامہ مشرقی۔ سرسید کو ایک انگریز (غالباً ڈریپر) کی لکھی کتاب مل گئی۔ آپ نے علیگزہ کے ہونہار طالب علم (مولانا) ظفر علی خان کو ترجمہ کرنے کا حکم دیدیا۔ ظفر علی نے ”معرکہ مذہب و سائنس“ کے نام سے اتنا کامیاب ترجمہ کیا کہ دنیا عیش عیش کر اٹھی۔ غرضے کہ بعد میں علامہ مشرقی میدان میں اترے اور غلام آباد ہند میں اپنے علم اور عمل سے تہلکہ مچا دیا لوگ فوج در فوج خاکساروں کی صف میں شامل ہوتے گئے۔ ان کی اخلاقی سطح اتنی بلند کہ آپس میں لین دین۔ کاروبار اور معاشرت کے تمام امور میں بے ایمانی، جھوٹ اور فریب کا خاتمہ ہو کر رہ گیا۔ بد چلی، آوارگی اور غلط بیانی کا نام تک مٹ گیا۔ خوف خدا اور محاسبہ امیر۔ پوری حرکات و سکنات میں گردش کرنے لگ گیا۔ خدمت خلق کو ایسا شعار بنایا گیا کہ انسانی سطح پر غیر مسلموں کو بھی بے پایاں خدمات سے نوازا گیا۔ تاہم اس تحریک کا ایک پہلو اُجاگر نہ ہو سکا کہ جس طرح ملاں کردار سے عاری اقتدار کا غازی بنا ہوا تھا خاکسار بھی رفتہ رفتہ علم سے نابلد اور صرف عمل سے مالا مال ہوتا چلا گیا حالانکہ علم اور عمل کے امتزاج ہی سے قافلہ فکر منزل پالیتا ہے۔ تاہم خاکسار جانتے تھے کہ علم کا بھی ایک مقام ہے۔ انہوں نے ”تسد کدوہ“ کے ذریعہ۔ سائنس کو بڑی اہمیت دی۔ بڑے بڑے سکالر پیدا کئے قاضی عزیز احمد خوشابی کی ”حکمة القرآن“ (تین جلدوں) کو پڑھ کر دلوں میں قرآن کی عظمت کا نقش جم جاتا اور کلام خدا کی منزلت دو چند ہو جاتی ہے۔ سید عبدالودود صاحب کی سائنسی تشریحات



عناية الله المشرقي

- قرآن کا جیتا جاگتا اصالتاً علمی اعتراف ہے۔ خاص کرتد کرہ نے نہ صرف فرقان حمید کے قریب کر دیا قرآن کا متوالا بھی بنا دیا۔

مشرقی نے تذکرہ۔ میں قبر مسیح کی دھماکہ خیز نشاندہی کر کے اس عقیدے کو پختہ بنا دیا ہے کہ مسیح مر کر دفن ہو چکے ہیں اب نہ وہ آئیں گے نہ ان سے پہلے مہدی۔ اب کائنات بشری کے بڑے نمائندہ محمد رسول اللہ نے قرآن جیسی عالمی کتاب جس میں کسی قسم کی نہ کی ہے نہ تناقض پیش کر کے مستقبل کی موہوم رسالتوں اور جعلی نبوتوں کی آمد کا انسداد کر دیا ہے۔ اب کوئی نہ آئے گا انتظار فضول ہے۔ سب کچھ اپنے عمل ہی سے درست کرنا ہوگا۔ میں نے غالباً اکتوبر 1958 میں بیت المقدس میں قبر مسیح کو دیکھا اور فوٹو ز بھی حاصل کئے۔

علامہ مشرقی کے ذہن کی بلندی ملاحظہ ہو کہ وہ اسلام کو صرف مسلمانوں ہی کا وطیرہ زیست نہیں سمجھتے تھے۔ کائنات بشری کا نظریہ حیات بھی سمجھتے تھے میں نے غالباً اکتوبر 1946 میں انکی اچھرے کی رہائش گاہ پر استفسار کیا کہ یہ جو ہم ”غلبہ اسلام“ کا جملہ سینہ پر سجائے ہوئے ہیں تو ہند میں اسکے قیام کی کیا صورت ہے؟ فرمایا برخوردار آپ اسلام کو کسی فرقے کا مذہب نہ سمجھیں یہ عالمی دین ہے اس میں امن و سلامتی کو پہلے نمبر پر رکھا گیا ہے اس طرح سلامتی پوری انسانیت کا مسئلہ ہے مشترکہ میراث ہے غلبہ کے معنی سلامتی کے غالب آنے کے ہیں اس نکتہ کو ذہن میں رکھیں۔ علامہ کی اس وضاحت اور نصیحت کا یہ اثر ہے کہ میں آج بھی اسلام کو فرقہ وارانہ لقب تسلیم نہیں کرتا۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے تمام نوبہ بشر کو ایک جسم قرار دے کر اشارہ دیا ہے کہ جب جسم کا کوئی حصہ دکھے گا تو پورا جسم دکھے گا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ عقیدے سے قطع نظر۔ دکھ اور سکھ امن اور سلامتی کے سب مساوی حقدار ہیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں،

چو عضو بدر آورد روزگار

دگر عضو ہار انہ ماند قرار

جسم کا ایک عضو اگر ٹیس محسوس کرتا ہے تو پورا جسم تڑپ اٹھتا ہے۔



نیاز فتح پوری (1884-1966)

383

علامہ نیاز محمد نیاز فتح پوری (1966) بڑے نابغہ عصر اور ہمہ جہتی شخصیت تھے ادیب تھے، شاعر تھے، لغت اردو کے نقاد اور مفاہیم و معانی کے نباض تھے۔ انسانی قدروں کو اجاگر کرنے اور باہمی احترام کا درس دینے



سید علی

والے تھے۔ کلام میں اتنا ایجاز کہ ابوالکلام کی طرح جو بات دو سطروں میں تحریر کرتے دوسرے پورے صفحے میں واضح نہ کر سکتے تھے۔ مذہب کے بارے میں بڑا گھلا ظرف رکھتے تھے۔ سیکولر سماج کو بہت پسند کرتے تھے۔ قرآن کو مذہب انسانیت کی آخری دستاویز سمجھتے تھے۔ روزے، نماز، حج و زکوٰۃ کی ادائیگی میں زکاوت بننے کے خلاف تھے وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ جو کچھ کرو نفرت نہ کرو۔ اگر اخلاقیات میں نفرت کی گنجائش رکھی گئی تو انسانیت قیامت تک یکجا اور یک فکر نہ ہو سکے گی۔ آپ نے ایک مرحلے پر قرآن مجسم کو رسول اللہ ﷺ کی تالیف کہا تھا بعد میں ان پر گھلا کہ ایسی بات نہیں وہ تو خدا کا کلام ہے حادث ہے مگر مثیل سے پاک۔ آپ نے سیکولروں سماجی، اخلاقی، عقائدی اور قرآنی مسائل پر لکھا اور خوب لکھا۔ آپ کی سن ویز داں شہرت کی بلند یوں پر چمکی اور ہزاروں پُندہیائی آنکھوں کو صحیح بینائی مل گئی کیونکہ۔ نیاز۔ کے معنی ہیں جس کے اندازِ تفہیم میں



مدامت نہ ہو۔

ضیاء الدین کرمانی

384

ضیاء الدین کرمانی دورِ حاضر کے عظیم محقق ہیں ان کا سلسلہ نسب کرمان (ایران) کے خاندان آل مظفر تک پہنچتا ہے۔ ضلع الہ آباد یوپی کے ملاں برہان الدین آپ کے پردادا تھے 1904ء میں پیدا ہوئے لکھنؤ یونیورسٹی سے عربی میں بی اے آنرز۔ اور ایم اے کی اسناد بدرجہ اول حاصل کیں جس پر یونیورسٹی نے فیلوشپ عطا کی۔ آپ کا صحافت سے خصوصی تعلق تھا۔ پاکستان کی قراردادِ لاہور منظر پر آنے سے دو سال پہلے 1938ء سے جنوری 1940ء تک ہفت روزہ ”پاکستانی“ لکھنؤ جاری کیا اور اس کے ایڈیٹر رہے حکومتِ ہند کے پبلک انفرمیشن بیورو میں جرنلسٹ کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں اور 1947ء میں حکومتِ پاکستان کی وزارتِ اطلاعات میں ڈپٹی انفرمیشن افسر کے عہدے سے وظیفہ یاب ہوئے آپ کا علمی جوہر اس وقت کھلا جب آپ نے

THE LAST MESSENGER

WITH

A LASTING MESSAGE

لکھ کر سیرتِ نبویؐ کے باب میں ایک خوشگوار اضافہ کیا بلکہ اس تصنیف کے ذریعہ حیرت انگیز تہلکہ برپا کر دیا بعد میں یہی کتاب _____ ابدی پیغام کے آخر پیغام بر _____ کے عنوان سے ان کے کسی بااعتماد عزیز نے ترجمہ کی جس پر مصنف نے 84 میں اعتماد کیا ہے۔

اس کتاب میں کیا ہے؟ کس کس زاویہ سے سیرت نبویؐ کا احاطہ کر کے تقابلی تناظر میں جو صحیح مواد پیش کیا ہے وہ منفرد بھی ہے اور قابل پذیرائی بھی۔ آپؐ نے اپنی اس کاوش کے ضمن میں اعتراف کیا ہے کہ۔ اس میں سرسید اور چراغ علی وغیرہ کی اجتہادی سوچ کا زیادہ دخل ہے تاہم یہ بھی کہا ہے کہ انہیں مذکورہ اکابر سے کوئی دریوزہ گری کی نسبت نہیں ہے۔ اگرچہ فیضان انہیں کا ہے۔ جو کچھ بھی کہئے نسبت ہے اور نسبت نہیں بھی۔ کیونکہ سرسید کے بعد ان کے مخالفین نے جب کبھی خالی الذہن ہو کر دفاع قرآن کی ذمہ داری سنبھالی ہے دفاع کے وہی آداب اور اصول اپنائے جو سرسید کا طرز امتیاز تھے بہر حال یہ اچھی بات ہے کہ انسان آزادانہ سوچ کے نتائج کو بغیر کسی نسبت کے سامنے لے آئے وہ لکھتے ہیں:

”سنت اور حدیث کا فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے سنت سے مراد ہے کسی

مخصوص صورت حال میں آپؐ کا طریق کار _____ اور حدیث سے مراد ہے

آپؐ کی حیات طیبہ کے کسی واقعہ کا بیان۔“ (ابدی پیغام طبع کراچی صفحہ 294)

_____ نیز نمبر کی ذیل میں لکھتے ہیں:

”اگر کسی خاص مسئلہ میں مختلف احادیث صحیحہ سے مختلف طریق کار مروی

ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو سند قرار دینا درست نہیں بلکہ ان سب روایات کی

روشنی میں آنحضرتؐ کے طریق کار سے جو سنت ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ _____

(صفحہ 294)

جُویات پر اصرار نہ کرو۔“

یہ ایک معتدل رائے ہے لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ عادات و خصائل جو عمل نبیؐ سے خاص ہیں ان میں

بھی رسول کی پیروی لازمی ہے علمائے اصول کی نظر سے درست نہیں ہے وہ صرف احکام اور مسائل کے باب ہی

میں سنت مل جائے تو غور کر سکتے ہیں لیکن سنت کی دینی حیثیت پھر بھی زیر بحث رہے گی کہ دین تو مکمل ہو چکا اس

میں نہ نقص رہ گیا اور نہ ہی کمال میں کمی۔ لہذا آئندہ جو بات بھی کسی بھی مآخذ سے کشید ہو وہ فتویٰ اور ہنگامی فیصلہ

تو کہلا سکتی ہے تکمیل دین میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا اور ناگزیر ہونے کے باوصف ہم عمل کے پابند نہ ہونگے۔

اس گزارش کا مطلب یہ ہے کہ کرمانی صاحب اصولی حد تک حدیث کو وہ مقام نہیں دیتے جو سنت کا ہے اور سنت

کو وہ مقام نہیں دیتے جو دین کا ہے اس زاویہ سے آپؐ بلاشبہ دانشور قرآن تھے۔





آدم العرجانی قسماً عمادی

محدثین نے ایک مفروضہ قائم کر رکھا ہے کہ حدیث و روایات کا مفہوم کتنا ہی رک یک اور اصول فطرت کے خلاف ہو اسکی سند اگر محفوظ ہے تو وہ صحیح شمار ہوگا۔ ہمارے امام الرجال علامہ۔ محی الدین تمنا عمادی (1971م) اس منطق کو تسلیم نہیں کرتے روایات میں تو ہے رسول اللہ ﷺ پر جادو کا شدید ایک ہوا تھا اور اسکی اسناد بھی صحیح ہیں مگر قرآن اس بات کو نہیں مانتا وہ کہتا ہے کہ جو لوگ پیغمبر پر جادو کی تاثیر مانتے اور سحر کا مارا کہتے ہیں وہ ظالم ہیں (اسرا اور فرقان) بلکہ پیغمبر تو کیا ایک عام انسان پر بھی جادو کے وار کو قرآن تسلیم نہیں کرتا لا یفلح الساحر حیث اقمے۔ جادو گر کہیں سے اور کسی پر بھی حملہ آور ہو کا میاب نہیں ہو سکتا (ط، 69) اسی طرح حدیث میں ہے کہ نماز میں جس گڑبڑ سے نبی اشتباہ میں پڑ گئے تھے وہ روایت بھی صحیح ہے جبکہ قرآن مجید اسے بھی نہیں مانتا اور فرماتا ہے وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنى القی الشیطان فی امینته فینسخ اللہ ما یلقى الشیطان۔ (حج، 51)

اس کی تفسیر میں جلال الدین سیوطی (1505 م) لکھتے ہیں:

اذا تمنى۔ (قراء)۔ السقی الشیطان فی امینته (فی قرأتہ ما لیس من القرآن ممناہ صناہ المرسل الیہم وقد قرأ النبی ﷺ فی سورة النجم بمجلس من قریش بعد)۔ اقربتم الت والغری مناة الثالثة الاخری بالقاء الشیطان علی لسانہ من غیر علمہ ﷺ بہ۔ تلک الغرایق العلی وان شفاعتہن لشرنجنی ففر حوا بذالک۔

تمنى کے معنی ہیں قراء۔ اذا تمنى جب نبی نے قرأت کی تو شیطان نے آپ کی قرأت میں اپنی تلاوت شامل کر دی جس کا نبی کو پتہ ہی نہ چل سکا۔ چنانچہ روایت ہے کہ آپ نے ایک بار قریش کی مجلس میں سورہ نجم کی آیت۔ افوا یتنم اللات والعزی ومناة الثالثة الاخری (نجم، 29) تلاوت کی تو شیطان نے آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری کر دیئے۔ تلک الغرایق العلی وان شفاعتہن لشرنجنی۔ اے قریش۔ تم نے لات، عز، اور منات کو دیکھ لیا ہے کہ کتنی شان والے ہیں۔ بلاشبہ یہ قابل تعظیم ہستیاں ہیں جن کی شفاعت کی امید رکھی جاسکتی ہے۔ (تفسیر جلالین طبع دار المعرفۃ بیروت صفحہ 440)

یہ روایت اپنے مفہوم میں واضح ہے جس پر یقین کرنے سے نہ ایمان باقی رہتا ہے نہ پیغمبر کی عصمت اور قرآن کی حفاظت۔ یہاں ”تمنى“ کے معنی کئے جاتے ہیں قراء۔ تلاوت کرنا۔ حالانکہ پورے قرآن میں

تمنی۔ کے معنی کہیں بھی تلاوت کرنے کے نہیں کئے گئے۔ اور نہ ہی کسی مستند لغت کا سہارا لیا گیا ہے۔ صرف روایت ہی کے سہارے روایت بھی بن گئی اور لغت بھی تیار ہو گیا جبکہ درجنوں دانشوران عرب کے حوالہ سے ہم ثابت کر آئے ہیں کہ وہ حدیث کے ذریعہ تیار کردہ لغوی مفہیم کو جست نہیں جانتے۔ اب آئیے تفصیلی تحلیل کی طرف توجہ (51) میں واضح طور پر لکھا ہے کہ۔ ہمارا سلسلہ من نبی ولا رسول الا اذا تمنی۔ ہم نے جب کبھی کوئی نبی یا کوئی رسول مبعوث کیا۔ یہاں نبی اور رسول۔ نکرے کی صورت میں مذکور ہوئے ہیں انہیں گرامر کے کس ضابطے کی رو سے معرفہ بنایا گیا ہے؟ خاص کر جس ترتیب سے سورتوں کا نزول بتلایا جاتا ہے اس میں سورہ حج کے نزول کا 103 واں نمبر ہے اور نجم کا اس سے پہلے 23 واں نمبر ہے یعنی سورہ نجم 80 نمبر پہلے مکہ میں نازل ہو چکی ہے اور حج 80 نمبر بعد میں مدینہ میں اس طرح حج سورہ نجم کے لئے پس منظر کیسے بن گئی؟ کیا جو آیت آٹھ دس سال بعد نازل ہوئی وہ اتنا ہی عرصہ پہلے نازل ہونے والی آیت کا پس منظر بن سکتی ہے؟ حقیقت ہے کہ یہاں دونوں آیتیں اپنے اپنے موقع و محل کی مناسبت سے مستقل حیثیت اور مفہوم کی حامل ہیں نہ ایک دوسری کا ضمیمہ بن سکتی ہیں نہ چونہ۔ دونوں ہی کسی جعلی پس منظر کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔

اب جبکہ روایات میں رسولؐ سے عصمت اٹھا کر شیطان کو حاوی دکھلایا گیا ہے ہمارا فرض بنتا ہے کہ از روئے علم اور لغت شیطانی مفہیم کا تعاقب کریں تو جناب تمسنی۔ عربی کا لفظ ہے اس کے معنی طلب گاری اور خواہش کرنے کے ہیں اس طرح مفہوم ہو گا کہ۔ جب بھی کوئی نبی اور رسول اپنا اصلاحی پروگرام لے کر میدان میں اُترا تو شیطان لوگوں نے ان کی خواہش اور پروگرام میں روڑے انکائے تب اللہ سبحانہ ان کے تخریبی عزائم و مقاصد کو حرب غلط کی طرح محو کر دیتے اور جو مقاصد نبی کے سپرد کئے ہیں انہیں ثبات بخشتے ہیں۔ امام احمد ابو الکلام آزاد (1958ء) لکھتے ہیں:

”فرمایا کوئی رسول اور نبی دنیا میں ایسا نہیں آیا کہ اس کی طلب گاریوں کی راہ میں یعنی اصلاح و ہدایت کی راہ میں شیطان کی فتنہ پرداز یوں نے رخنہ ڈالنا نہ چاہا ہو اور مقصدانہ قوتیں پوری طرح آمادہ پیکار نہ ہو گئی ہوں۔ پس اس معاملہ کی سچائی کا معیار یہ نہیں کہ شیطانی وسوسہ اندازی خلل انداز ہوئی ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ ہے کہ بالآخر کامیاب ہوتی ہے یا نہیں؟ اور وحی و نبوت کی زبانی قوتیں اس کے اثرات ملیا میٹ کر دیتی ہیں یا نہیں؟“

یہ اور اس طرح کی احادیث سے غیر مستند لغت تیار کر کے ان لوگوں نے بواستم ڈھایا ہے اور امام عمادی کا سرسید کی طرح عقیدہ تھا کہ کوئی بھی حدیث سلطانی شعور کے آگے نہیں ٹھیر سکتی تاہم جن کا اصرار ہے کہ حدیث مستقل تو انانی کا نام ہے رجال کے زاویہ سے انہیں سنبھال دیا جاسکتا ہے تو تمنا عمادی نے یہاں بھی ان کی خواہش کا احترام کیا اور رجال ہی کے محاذ پر لڑنے کا اہتمام بھی کیا ہے۔ مسئلہ معہ۔ آپ کا وہ شاہکار تنقیدی مقالہ ہے جس کا صدیوں تک جواب فراہم نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح آپ کے بیسیوں مقالات ہیں جن میں رجال کے محاذ پر چوکھی لڑائی لڑ کر محدثین عصر کو پسپائی پر مجبور کر دیا ہے۔ آپ ایک عہر گھرانے کے چشم و چراغ تھے قوالیوں پر حال کھیلے تھے وہ اگر چاہتے تو ہاتھ چومنے والوں کی ایک دنیا آپ کی پرستش کرتی مگر آپ نے اس طرح کے ٹھٹھاٹ باٹ پر لات مار کر انسانی وقار میں اضافہ کیا پھسلے نہیں عسرت و تنگدستی کو گوارا کر لیا مفت کے لقمے نہیں توڑے۔ راقم الحروف کے ایک مقالہ۔ ”اختلافات قرأت کا پس منظر اور استدلال“۔ پڑھ کر آپ نے سر پر دست شفقت بچھرا اور حوصلہ دیا کہ اب میں تنہا نہیں میرے بعد میں تیشہ تنقید ہاتھ میں لے کر رجال کی کوہ کنی کرنے والے موجود ہوں گے۔



قاضی عزیز احمد خوشابی

386

قاضی عزیز احمد عزیز خوشابی زمانہ حال کے ایک زبردست دانشور قرآن ہیں۔ تفسیر کائنات۔ قرآن کا زندہ موضوع ہے جس میں سیاروں، ستاروں اور افلاک کی حرکات و سکنات اور افعال و اثرات کے دریافت اور نو دریافت شدہ کروں اور قطروں کی بابت معلومات میں اضافہ کرنا ہے۔ علم فطرت کی روشنی میں ”مصنوعات خالق“ کی ”کُنْہ“ تک پہنچنا قرآن نے ہم پر فرض کیا ہے۔ ان علوم کا تعلق بلاشبہ عقلی ارتقا اور سائنس سے ہے۔ ہمارے عزیز صاحب جن کے قلم میں توانائی ہے قرآنی تشریحات کی بھرپور صلاحیت ہے۔ ”نزد کونہ“ مشرقی سے متاثر ہیں مگر تشریح کا رنگ ڈھنگ ان سے مختلف ہے آپ سائنس کی بات سائنسی زبان میں کرنے پر پوری و متوسر رکھتے ہیں۔ میری ان سے جان پہچان نہیں ہے ذریعہ اتصال قرآن دوستی یا ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر سالار کی آہنگ پر حرکت کرنے میں مضمر ہے ہم اللہ کے سپاہی ہیں خدمت قرآن اور خدمت خلق ہمارا شعار ہے۔ ہمارا حوالہ قرآن ہے اور قرآن ہی ہماری سانسوں میں بسا ہوا ہے فرقہ بندی سے ہم نفرت کرتے اور تعصب سے ہمیں چو ہے۔ ہمارے نزدیک اگر کوئی غیر مسلم۔ اللہ اکبر کی صدا بلند کرتا ہے تو ہم دنیا کے کسی بھی قانون کی رو سے اسے۔ اللہ اکبر کہنے سے نہیں روک سکتے۔ یہاں فقہ ملاں کی بات نہیں فلسفہ اور



قاضي عزيز احمد خوشالي

حکمت قرآن کی بات ہے۔

عزیز احمد نے ”حکمة القرآن“ کے عنوان سے غالباً چار جلدیں لکھ کر اپنے فرض منصبی سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔ اور میں انہیں پڑھ کر نہیں چاہتا کہ جو صاحب قرآن کی جوہری خدمت سرانجام دے چکا ہو اور مزید دے رہا ہو اُسے دانشوران قرآن میں شامل نہ کروں۔ بلاشبہ آپ نے دانش قرآن سے بہرہ وافر پایا ہے اور سائنسی علوم کے تمام منافع سے پوری آگاہی رکھتے ہیں۔ میں اُسے خاکساری سلیوٹ پیش کرتے ہوئے شیران قرآن کی رہنمائی کا اہل سمجھتا ہوں۔

بلاشبہ عزیز احمد اور ضیا کرمانی مرحوم قرن اول سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے عرصہ میں اُگر ہوتے تو معتزلہ کے قد آور علما میں شمار ہوتے کہ ان دنوں ہر دانشوران قرآن کو کسی نہ کسی مدرسہ فکر سے نسبت دی جاتی تھی تاہم ہزار سال بعد یعنی آج نسبت کا وہ رواج بھی ختم ہو چلا ہے۔ اب نہ ارتکاز فکری (تقلید) کا دور ہے نہ حاجت نسبت ناگزیر۔ ہر شخص قرآن اور عقل کو اپنا امام بنا کر وحی قرآن سے روشنی حاصل کر سکتا ہے۔

عزیز احمد نے خاکساری و طیرے کو کمال ہوشمندی سے ذہرایا اور تعصب کی تمام برائیوں کو جھٹکتے ہوئے پروفیسر عبدالسلام جو سرائیکی علاقے کے مایہ ناز سپوت ہو گزرے ہیں انہیں شاگردان قرآن میں شمار کیا ہے۔ عبدالسلام پہلے پاکستانی بلکہ ایشیائی سائنسدان ہیں جنہوں نے ایٹم توڑنے کے تمام مراحل کو قرآن سے کشید کیا ہے اور پوری توانائی سے دنیا کو قائل کر لیا ہے کہ قرآن سے کشید کیا معانی رکھتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ وہ ہماری طرح کے مسلمان نہیں ہیں تو اس سے کیا ہوتا ہے ہم نے رسول اللہ سے کئے ہوئے کون سے عہد و پیمان استوار کئے ہیں؟ اللہ نے کہا کہ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسول

یہ محمد اللہ کے رسول ہی تو ہیں اگر موت انہیں گھیر لیتی ہے یا کسی طرح رگ

حیات کٹ جاتی ہے تو یہی معاملہ آپ سے پہلے کے لوگوں کو بھی پیش آتا رہا ہے۔

اس آیت میں بطور خاص جو بات نوٹ کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ سابقہ انبیاء پر ”خلت“ کا صیغہ استعمال ہوا ہے یعنی سب ”گزر چکے“ ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہا۔ اس ”خلت“ کے آگے ”قد“ کا اضافہ کر کے مزید مؤکد کیا ہے یعنی قد خلت۔ نے ہمارے رسول سے پہلے کے تمام رسولوں کے گزر جانے کو سہ آتش بنا کر پھر ذہن نشین کرایا ہے کہ۔ ہمارے پیارے رسول جب تشریف لائے تو کائنات بشری زندہ رسولوں سے خالی ”خلت“ تھی۔ اتنی واضح اور روشن خبر کے باوصف ہمارے اکابر قرآن کی اس وضاحت کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ۔ مسج زندہ ہیں قد خلت۔ کا واران پر نہیں چل سکتا اور ارہا کھر ہیا

سالوں تک زندہ رہ کر۔ حسی و قیوم۔ کاروبار دھارتے رہیں گے۔

اسی طرح ہم خاتم النبیین کی وضاحت کو بھی نہیں مانتے اور قدح ملت کے توانا مشاہدہ کو بھی نہیں مانتے پس جب ہم خود ہی انتظار کے جعلی عقیدے کی وجہ سے رسولِ اِتام کی خاتمیت کے عقیدے اور عمل سے منحرف ہیں تو کسی دوسرے کو دوش دینے کا ہمیں کیا حق پہنچتا ہے؟ کیا رسول اللہ ہماری اس منافقت پر خوش ہو گئے کہ ہم آپ کو خاتم النبیین بھی کہیں اور آپ کے بعد رسولوں کی آمد کا سلسلہ جاری بھی تسلیم کر لیں؟

صبح نے بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں دو مقاصد لے کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ ایک تو تمہاری اصلاح کے لئے دوسرا یہ بتلانے کہ میرے بعد احمد نامی رسول آئے گا اس کا ساتھ دینے کی تاکید کرنے۔ صبح کی اس پیشگی اطلاع سے لے کر نبی اکرم ﷺ کے تشریف لانے یعنی پورے چھ سو سال تک کسی نبی کے آنے کا سُراغ نہیں ملا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ۔ خلت۔ خاتم النبیین اور من بعدی۔ ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں کہ آپ اس وقت ہی تشریف لے آئے جب کوئی زندہ نبی موجود نہیں تھا۔ اس کے باوجود ہمارا عقیدہ ہے کہ صبح مرے نہیں اور قرب قیامت میں ظہور فرماویں گے۔ کیا یہ رسول اللہ سے دھوکہ نہیں۔ فرض کرو کوئی غیر۔ قرآن مجسم کے حق میں کلمہ خیر کہتا بھی ہے تو مذہب کے کس قانون کی رو سے ہم اسے حمایت و تائید قرآنی سے روک سکتے یا اس کا نام حذف کر سکتے ہیں؟ ❀

پرویز (24 فروری 1985م)

387

غلام احمد پرویز (1985م) ایک عہد آفرین اور تاریخ ساز شخصیت تھے۔ تمام عمر قرآن پاک کی تفہیم میں کھپادی۔ تفہیم کے لئے قدرت نے آپ کو جن صلاحیتوں سے نوازا تھا وہ منفرد بھی تھیں اور حالات کے مطابق بھی۔ آپ درجنوں کتابوں اور سینکڑوں علمی مقالات کے مصنف تھے۔ زبردست سکالر اور حاضر جواب عالم تھے۔ شاہکار رسالت۔ آپ کی وہ یادگار تصنیف ہے جو صدیوں تک یاد رہے گی۔ ”معراج انسانیت“ عقیدت و احترام کا وہ مرقع ہے جو انہوں نے دربار رسالت میں پیش کر کے زندگی کی بہت سی کج ادائیگیوں کی تلافی کر دی ہے۔ آپ زبردست خطیب تھے۔ انشا پر داز تھے ادیب تھے۔ سخن سنج اور سخن پرداز تھے۔ تاہم انسان تھے معراج انسانیت میں آپ نے حضرت خدیجہ کی بوقت شادی چالیس سال عمر لکھی ہے جو آپ جیسے محقق سے تسامح کا غماز ہے اہل تحقیق نے 28 سال لکھی ہے نیز علامہ تنہا عمادی (70م) نے 1969ء میں مجھے خط لکھا تھا جس میں پرویز مرحوم کے اصطلاحات کے ترجمہ کرنے پر اظہارِ غصے کیا تھا کہ اس سے اصطلاحات کی آبرو ختم ہو کر رہ گئی ہے۔



غلام احمد پیر و ج

عمر احمد عثمانی (1991م)

388

فقیہ الامت، فقیہ القرآن دانائے رموزِ قرآن علامہ عمر احمد عثمانی (3 نومبر 1991م) اپنے عہد کے نابض تھے بیشمار علمی مقالات کے مصنف اور فقہ القرآن کے خالق تھے آپ نے اس تشکیک کا ازالہ کر دیا ہے کہ سرسیدؒ سے لے کر آج تک جتنے بھی سکالر اور اہل تحقیق ہو گزرے ہیں انہوں نے فقہی باب بندی کر کے۔ قرآنی استدلالات کو اجاگر نہیں کیا۔ علامہ جیراچوری اس میدان کے شہسوار تھے مگر یہ بات ان کے ذہن میں بھی نہیں آئی کہ ایک گوشہ ایسا بھی ہے جس پر کسی نے بھی نظر نہیں ڈالی۔ اور پھر ایسا ہوا کہ اللہ کے بندے عمر احمد عثمانی کے دل میں خود قرآن ہی نے یہ بات ڈال دی کہ مجھے فلاں زاویہ نظر سے بھی دیکھو۔ بلاشبہ۔ فقہ القرآن اسلامی احکام کا ایک انسائیکلو پیڈیا ہے اور ہم کسی بھی مرحلے پر قرآنی احکام و مسائل کی معلومات سے مستغنی نہیں ہو سکتے عثمانی صاحب رسول اللہ ﷺ کے ایک نواسے حضرت عمرو بن عثمان ذی النورین کی اولاد میں سے ہیں۔ اسے ذہن نشین کرنے کے لئے ذیل کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ آپؒ کی بڑی صاحبزادی سیدہ زینب جو ربیع بن عاص سے بیاہی گئی تھیں ان کے بطن سے علی اور امامہ پیدا ہوئے یہ امامہ۔ جب دیکھتیں کہ نانا ابو بکر ﷺ نماز میں حالت سجدہ میں ہیں تو دو دو کر گروں پر بیٹھ جاتیں پھر جب تک اپنی مرضی سے اُتر نہ پاتیں آپؐ سجدے میں پڑے رہتے۔ اسی طرح سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کے دو بیٹے تھے عبداللہ بن عثمان جس کی نسل افریقہ میں پھیلی اور عمرو بن عثمان ذی النورین جن سے عمر احمد عثمانی کا تعلق ہے۔ (تفصیل آرہی ہے) اسی طرح سیدہ فاطمہؓ کے بطن سے حسن و حسین اور بی بی زینب پیدا ہوئے ہمارے عمر احمد بی بی رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے عمرو بن عثمان ذی النورین کی 46 ویں پشت کے نامور عالم قرآن تھے حضرت عمرو بن عثمان کی 9 ویں پشت میں عبدالرحمان گا ذرونی ہند میں وارد ہوئے پانی پت کے حضرت جلال الدین کبیران ہی گا ذرونی کی 12 ویں پشت سے وابستہ تھے۔ ادھر حضرت رقیہؓ کے بطن سے حضرت عثمان کے دوسرے بیٹے عبداللہ بن عثمان (نواسہ رسول) تھے جو مسعودی (957م) کے مطابق 76 سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ (مسود ج المذهب طبع مصر 1964م جلد 341/2) اور بقول ابن تیمیہ عبداللہ مذکور حضرت امام حسین کے صاحبزادے علی زین العابدین کے تالیق تھے۔ (مہاج السنۃ طبع مصر 1321 ہجری جلد 123/2)

ادھر حضرت زکریا ملتانی کے پوتے اور شاہ رکن عالم ملتانی کے نانا۔ حضرت شیخ جمال فرغانی ان ہی عبداللہ بن رقیہ کی نسل سے تھے۔

(مرآة المناقب شیخ عماد الدین نبیرہ۔ حضرت بہاؤ الحق زکریا) (دیباچہ فقہ القرآن جلد اول)
علامہ عمر احمد عثمانی اپنے وقت کے ایک بہترین عالم قرآن تھے صاحب رائے تھے 1952 میں ان سے
اور ان کے توسط سے علامہ طاہر سورتی مرحوم سے کراچی میں تعارف ہوا تھا۔



علامہ ابو الخیر اسدی (2001م)

389

ملتان کی مٹی بڑی نرم ہے اس میں گرمی، شوخی اور تاؤ کھانے کی بہت کم صلاحیت ہے گذشتہ صدی کے
نصف اول سے رہنک، حصار اور میوات سے ہجرت کر آنے والے لوگوں کی شہروں کے حساس علاقوں میں
یکجائی سکونت اور نقل مکانی نے یہاں کے دیرینہ مزاج میں تلخی ضرور گھول دی ہے لیکن اس کے باوجود قدیم
باشندوں کی بہت سی آبادی آج بھی اپنے قدیمی مزاج کی آئینہ دار ہے ایسے ہی لوگوں میں ہمارے ابو الخیر
اسدی رحمہ اللہ بھی شامل تھے شرافت و نجابت آپ کی گھٹی میں شامل تھی وضع اتنی سادہ کہ آپ کو دیکھ کر یقین
کر لینا مشکل ہو جاتا کہ آپ نے ملتان کے ایمرن کالج سے گریجوایشن کیا بھی ہوگا؟ آپ نے الازھر۔ کا
جائزاتی مطالعہ کیا بھی ہوگا؟ بغداد کی ”آلوسوسی“ یونیورسٹی سے فلسفہ الہیات پر تخصص (Ph.D) کیا بھی
ہوگا؟ نیز روشن خیالی اور خرد افروزی نے آپ کے دل تک آسانی سے رسائی حاصل کر بھی لی ہوگی؟ لیکن آپ
مسک کے پکے حنفی تھے پکے سے میری مراد ہے اُس ابو حنیفہ کے پیروکار کی ہے جو دین کا مآخذ صرف قرآن کو
مانتے تھے جو روایات کو مسترد نہ کرتے ہوئے بھی دین کی اساس میں شامل نہ سمجھتے تھے۔ اُن کی سوچ کا مآخذ
صرف قرآن تھا اور یہی فکر و خیال ابو الخیر اسدی کی جانب منتقل ہوا تھا انہوں نے وحیدۃ الوجود۔ کے
بارے میں اپنے دیوبندی اکابر کی گھل گھل کرنی کی۔ وہ انتظارِ عقیدے کے مفاسد سے بخوبی آگاہ تھے اور آمدِ مسیح
و مہدی کو بر ملا ٹھہلاتے تھے ان کی ختم نبوت کی عجمی تفسیر بلاشبہ رواں صدی کی نادر تصنیف ہے۔۔۔۔۔ کی عجمی
تفکیک دوسری نادرہ تھی۔ آپ مخدوم گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر خانقاہی معیشت کو لقمہ حرام سمجھتے تھے۔
ملتان کے جنوب مشرق میں چند میل کے فاصلے پر مخدوم رشید کا مشہور قصبہ ہے آپ اسی کے باسی تھے
21 مارچ 2001ء آپ کا سالِ وفات ہے

وہ نابغہ تھے علماء بازریں میں سے تھے ایسے لوگ بار بار پیدا نہیں ہوتے صلاۃ پر طلوع اسلام میں
شائع شدہ میرے مقالات کا اپنے حلقۂ ارباب میں اکثر ذکر فرماتے جس سے خود طلوع اسلام کی پوزیشن مضبوط



ڈاکٹر سید عبدالودود (2001م)

عمرِ خضر پانے والے ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب بلاشبہ دورِ حاضر کے عظیم قرآنی سکالر ہیں آپ نے سائنسی آیات کو بطور خاص موضوعِ بحث بنایا اور بی شمار تحریریں اس غرض کے لئے ارزاں فرمائی ہیں کہ علومِ سائنس کی اساس وحیِ قرآن فراہم کرتی ہے۔ آپ بھی میری طرح مسلمانوں کی غیر متعصب جماعتِ تحریکِ خاکساراں سے متعلق رہے ہیں وہ بھی ”شرقی“ فلسفہ کے مطابق غلبہٴ اسلام۔ یعنی سلامتی کے غالب کرنے کے متمنی تھے اور سلامتی کسی خاص فرقہ کا ورثہ نہیں کائناتِ بشری کا ہر فرد اس میں سہیم و شریک ہے یعنی اسلام کے غالب آنے سے سلامتی کا غالب آنا مراد ہے اور میں سمجھتا ہوں اس سے اونچا مقصد نہ ہو سکتا تھا اور نہ کوئی ہدف اعلیٰ وارفع۔ ڈاکٹر صاحب چونکہ زیادہ تر انگریزی میں لکھتے ہیں لہذا اُردو والوں میں بہت کم متعارف ہیں لیکن انگریزی تحریروں کے باعث آپ نے بڑی شہرت پائی اور بڑے علمی حلقوں میں شناسا اور متعارف ہوئے۔ اس طرح گویا آپ سائنسی زاویہ سے قرآن کے ایک عظیم اسکالر ہیں۔ ذیل کی آپ کی مایہ ناز تحریریں ہیں:

I. "Phenomena of Nature and The Quran" 1971 میں لکھی

II. "The Heaven, The Earth and The Quran" 1986 میں لکھی

III. "Conspiracies against the Quran"

IV۔ ”مظاہرِ فطرت اور قرآن“ اُردو میں لکھی

مؤرخہ 18 جنوری 1986ء پروفیسر عبدالسلام نوبل لاربیٹ نے مصنف کو لکھا کہ I اور II کی تلخیص تیار کرو

چنانچہ مظاہرِ فطرت لکھی گئی۔ نومبر 2001ء میں فوت ہوئے۔





ڈاکٹر سید عبدالودود

حریفان قرآن

یہاں تک قرآن محکم کے اُن دانشوروں کا تذکرہ تھا جو قرآن کی حاکمیت پر دل کی گہرائیوں سے ایمان رکھتے تھے۔ آخر میں ایک دوا ایسے کچ فکر لوگوں کا ذکر ہوگا جن کی نوکیلی زبان سے سینہ قرآن ہر وقت چھلنی رہا۔ یہ تھے مجتہد۔۔۔ سلف کے مایہ ناز بزرگ امام عبدالرحمان بن عمرو بن محمد الادزاعی (774 م) جن کی لوگ بادشاہ سے زیادہ عزت کرتے تھے۔ انہیں جسٹس بننے کی پیشکش کی گئی مگر انہوں نے ٹھکرا دی۔ بایں ہمہ وہ عقیدے کے فاسق بھی تھے اور فاجر بھی۔ قرآن محکم کی حاکمیت، بالادستی اور شیریم حیثیت کو تسلیم نہ کرتے تھے اور کہتے تھے الکتاب احوج الی السنة من السنة الی الکتاب۔

قرآن ہمہ پہلو حدیث کا محتاج ہے اس کے برعکس حدیث بے نیاز ہے۔

(بحوالہ جامع بیان العلم ابن عبد البر طبع مصر 19/2۔ الموافقات للشاطبی طبع مصر 10/8/4)

اُن سے کہا گیا کہ قرآن۔ کتاب محفوظ ہے وہ کس طرح سنت کی محتاج ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب اُن سے خامشی کے سوا کیا ہو سکتا تھا۔۔۔ اسی طرح اُن کے حلیف یمامہ کے محدث اعظم یحییٰ بن کثیر (747 م) بھی کہتے تھے کہ السنة قاضیة علی الکتاب وایس الکتاب بقاض علی السنة

حدیث کو قرآن پر فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے اس کے برعکس قرآن کو یہ اتھارٹی نہیں ہے۔

(کتاب الاعتبار حازمی (1188 م) طبع مصر 1346ء صفحہ 17، سنن دارمی طبع دمشق 1349ء جلد 1 صفحہ 145)

یعنی دوسلفی ادزاعی اور یحییٰ بن کثیر اور دوطد جعد اور جہم قرآن کی فیصلہ کن حیثیت کو نہیں مانتے



تھے۔



عبد الرحمن الادزلي